مجھے راستہ مل گیا

پھر میں ہدایت پا گیا

تیجانی

مصنف: ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

[illegible] سید ذیشان حیدر جوادی



حضرت محمد مصطفیٰ
حضرت فاطمہ زہرا
صلوٰۃ اللہ علیہا
حضرت امام علی علیہ السلام
حضرت امام حسن علیہ السلام
حضرت امام حسین علیہ السلام
حضرت امام زین العابدین علیہ السلام
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
حضرت امام علی رضا علیہ السلام
حضرت امام محمد تقی علیہ السلام
حضرت امام علی نقی علیہ السلام
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
حضرت امام زمانہ مہدی

گفتار مترجم

تقریباً دو ماہ قبل بمبئی کے ایک سفر کے دوران حجۃ الاسلام السید محمد الموسوی کاظم مجدد؟ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے ایک کتاب کا ذکر کیا جس کا ذکر اس سے پہلے میں نے نہیں سنا تھا۔ اس کتاب کا نام تھا "ثم اہتدیت" اور اس کے مصنف تھے علامہ محمد تیجانی سماوی" تیونس۔

قبلہ محترم نے کتاب کی تعریف کرتے ہوئے اس کے ترجمہ کی ضرورت پر روشنی ڈالی اور حسب روایت یہ کام میرے حوالے کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ میں نے بھی حسب عادت طے کر لیا کہ پہلے کتاب کا مکمل مطالعہ کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد ترجمہ کے بارے میں طے کیا جائے گا۔ چنانچہ میں نے پہلی فرصت میں اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور دو جہتوں سے اس کے ترجمہ کے لئے تیار ہو گیا۔

ایک تو یہ کہ مصنف محترم نے ایک قدیم ترین موضوع پر بالکل جدید ترین انداز سے بحث کی ہے اور تشیع و تسنن کی بحث کو بالکل انوکھے انداز سے پیش کیا ہے۔ عام طور سے اس موضوع کو مسئلہ خلافت سے شروع کیا جاتا ہے اور ساری بحثیں خلافت و امامت سے متعلق ہوتی ہیں۔ ن مؤلف محترم نے اس بحث کو مسئلہ صحابیت سے وابستہ کیا ہے کہ تشیع کے خلاف دور حاضر میں سارا پروپیگنڈہ "سب صحابہ" ہی کے نام سے ہو رہا ہے اور اسی بنیاد پر شیعہ حضرات کی تکفیر کی جا رہی ہے۔ اگرچہ یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ آج شیعہ حضرات کو سب صحابہ" کے مزعومہ و مفروضہ جرم کی بنا پر کافر قرار دیا جا رہا ہے اور کل ۷۰ سال تک مسلسل سب علیؑ کے آفاقی مجرم کو امیر شام اور خال المومنین کے لقب سے نوازا جا رہا تھا۔

مؤلف نے ابتداءً صحابیت کے بارے میں شیعہ اور سنی نقطہ نگاہ کا صحیح ترین تجزیہ کیا ہے اور اسکے بعد صحابیت کی طرف سے اٹھنے والے فتنوں کا جائزہ لیا ہے۔

دوسرے مرحلہ پر صحاح ستہ کا اتنا قیق مطالعہ کیا کر کتا کھنے لاحت

میں پڑھا جاتا ہے کہ کیا واقعاً یہ سارے مطالب صحیح بخاری اور مسلم جیسی مستند اور معتبر کتابوں میں موجود ہیں اور اگر ہیں تو علماء اسلام ان حقائق سے کس طرح غافل رہے ہیں اور انھیں کس جذبہ نے اس تغافل کا شکار بنا دیا ہے۔

میں نے اس خاص موضوع پر بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اس کتاب کو بھی بارہا دیکھا ہے جسے مؤلف نے اپنی بحث کی اساس اور بنیاد قرار دیا ہے یعنی "المراجعات" علامہ سید شرف الدین الموسوی ــــــ لیکن میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ مؤلف نے بعض ایسے گوشوں کی طرف اشارے کئے ہیں جن کی طرف اس انداز سے اشارے نہیں کئے گئے تھے۔ اور اس طرح حقیقت کو صاف اور سادہ ذہن سے قریب تر بنانے کا حق ادا کر دیا ہے۔

ترجمہ کا دوسرا محرک یہ بھی تھا کہ مؤلف محترم میرے دو عظیم ترین اساتذہ آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی دام ظلہ اور شہید خامس آیۃ اللہ السید محمد باقر الصدر طاب ثراہ کے شاگرد ہیں اور انھوں نے یہ سارے کمالات اسی مکتب فکر سے حاصل کئے ہیں۔ جس کے سایۂ رحمت میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گذارنے کا شرف مجھے حاصل ہوا ہے۔

میں نے سرکار الشہید الصدر کی تقریباً تمام کتابوں کا ترجمہ کیا ہے لہٰذا میرا دل چاہتا تھا کہ ان کے بالواسطہ افادات کو بھی میں ہی افراد قوم کے سامنے پیش کر دوں۔ اگرچہ میری مصروفیات اب کسی تفصیلی تحریر کی اجازت نہیں دیتی ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ مسلسل سفر کے باوجود میں اپنے وعدہ کے مطابق مختصر سے وقت میں کام مکمل کر لینے میں کامیاب ہو گیا اور اپنے لئے ایک اور وسیلۂ نجات فراہم کر لیا۔

ترجمہ لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ مفاہیم کو قاری کے ذہن تک منتقل کرنے کی ایک کوشش ہے اور پھر بھی ہر قسم کی تحریف و ترمیم سے احتراز کرنے کی سعی بھی کی گئی ہے۔

کتابت و طباعت کے مرحلہ پر حوالوں کے صفحات و مجلدات میں کوئی فرق آ جائے تو قارئین محترم بدگمان ہونے کے بجائے صحیح صفحات تلاش کر لیں۔ اور یہ یقین رکھیں کہ کوئی حوالہ بے بنیاد اور غلط نہیں ہے کہ ایسی عظیم بحثوں تک پہنچنے کے لئے اس قدر خلوص نیت اور حسن ظن بہر حال ضروری ہے۔

مقدمہ

ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے جس نے انسان کو خالص مٹی سے پیدا کر کے احسن تقویم میں قرار دیا ہے اور اسے تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے. ملائکہ مقربین کو اسکے لئے سربسجود بنا دیا ہے اور اس کو اس عقل سے بھی نوازا ہے جو شک کو یقین میں تبدیل کر دیتی ہے. اس کے بعد دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ عطا کر کے نیک و بد کی ہدایت بھی دیدی ہے. پھر ہدایت کے لئے ان رسولوں کو بھی بھیجا ہے جو ثواب کی بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے تھے تاکہ انسان کو ہوشیار کریں اور ابلیس لعین کی گمراہیوں سے محفوظ رکھیں. اس کے بعد انسان سے عہد لیا کہ وہ شیطان کی عبادت نہ کرے کہ وہ اس کا کھلا ہوا دشمن ہے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرے اور صراط مستقیم کا بصیرت دانائی اور علم وایقان کے ساتھ اتباع کرتا رہے. عقیدہ کے مسئلہ میں اپنے اصحاب، اقربا، اور آباو واجداد کی تقلید نہ کرے، جنہوں نے اس سے پہلے دلیل و برہان کے بغیر اپنے بزرگوں کا اتباع کیا ہے. وہ بہترین بات یہ ہے کہ انسان اللہ کی طرف دعوت دے نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں اللہ کے اطاعت گذار بندوں میں ہوں". اس کے بعد صلوٰۃ وسلام تحیات و برکات اس رسول کے لئے ہیں جو عالمین کیلئے رحمت، مظلومین ومحرومین کے لئے مددگار بشریت کے لئے جاہلوں کی ضلالت سے نکال کر مومنین صالحین کی ہدایت کی طرف لے جانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے یعنی سید وسردار حضرت محمد بن عبد اللہ جو اسلام کے نبی اور ر سربراہوں کے سربراہ تھے. اور ان کی آل طیبین وطاہرین پر جنہیں خدا نے تمام مخلوقات میں منتخب قرار دیا ہے تاکہ مومنین کے لئے نمونہ، عارفین کے لئے مینارۂ ہدایت اور صادقین کیلئے نشان منزل ثابت ہوں. انہیں رجس سے محفوظ اور معصوم بنانے کے بعد ان کی مودت کو قرآن کریم میں واجب قرار دیا ہے اور ان کے سفینہ پر سوار ہو جانے والوں سے نجات

کا وعدہ کیا ہے کہ ان سے الگ رہ جانے والوں کا شمار ہلاک ہو جانے والوں میں ہوتا ہے۔ صلوات وسلام ان اصحاب کرام پر بھی جنہوں نے پیغمبرؐ کی نصرت اور عزت واحترام کیا ہے اور اپنے نفس کو نصرت دین کے لئے فروخت کر دیا ہے۔ حق کو پہچانا ہے تو یقین کے ساتھ اس کی بیعت کی ہے اور رسول کے بعد بھی صراط مستقیم پر قائم رہے ہیں۔ نہ کوئی تبدیلی کی اور نہ ترمیم اور شکر گذار بندے بنے رہے ہیں اللہ ان کو اسلام اور مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے اور یہ صلوٰۃ وسلام ان کے تابعین اور روز قیامت تک ان کی راہ ہدایت پر چلنے والوں کیلئے بھی ہے۔ پروردگار میری اس خدمت کو قبول فرما کہ تو سمیع وعلیم ہے۔ میرے سینہ کو کشادگی عطا فرما کہ تو حق الیقین کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔ میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ تو بندگان مومنین میں جس کو چاہے حکمت عطا کرنے والا ہے۔ پروردگارا! میرے علم میں اضافہ فرما۔ اور مجھے قافلۂ صالحین سے ملحق کر دے۔

فہرست مضامین

صحابہ کے بارے میں شیعہ اور سنی نقطۂ نظر

صحابہ کے بارے میں رسولِ اکرمؐ کا نظریہ

صحابہ ـــــ صحابہ کی نظر میں

اسباب تشیع

احادیث صحیحہ میں اتباع اہلبیتؑ

میری حیات کے مختصر اشارے

مجھے آج تک یاد ہے کہ بچپنے میں میرے والد محترم مجھے کس طرح علاقہ کی مسجد کی طرف لے گئے تھے جہاں ماہ رمضان میں نماز تراویح پڑھائی جاتی تھی جبکہ میری عمر صرف دس سال تھی۔ اور مجھے نمازیوں پر مقدم کر دیا گیا تھا جس امر پر میں اپنے تعجب کو پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ میں یہ جانتا تھا کہ میرے معلم قرآن نے تمام امور کو مرتب کر لیا تھا کہ میں جماعت کے ساتھ دو یا تین راتیں نماز تراویح پڑھاؤں ورنہ میں عادتاً علاقہ کے بچوں کے ساتھ جماعت کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا اور اس بات کا انتظار کرتا تھا کہ امام قرآن کریم کے نصف ثانی یعنی سورہ مریم تک پہونچ جائیں اور چونکہ میرے والد کو یہ شوق تھا کہ مجھے دینی مدرسہ میں قرآن کی تعلیم دلوائیں اور خود میرے گھر میں رات کے بعض حصوں میں وہ امام مسجد جو میرے اقرباء میں تھے اور نابینا تھے حفظ قرآن کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ اور میں اس مختصر عمر میں نصف قرآن حفظ کر چکا تھا۔ میرے معلم نے چاہا کہ میرے ذریعہ اپنے فضل واجتہاد کا اظہار کرے تو تلاوت کے دوران رکوع کے مواقع کی بھی تعلیم دی اور بار بار اسکی تکرار کی تاکہ میری سمجھ کا یقین حاصل ہو جائے۔ اور جب میں امتحان میں کامیاب ہو گیا اور توقع کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز اور تلاوت تمام کر چکا تو مجمع دست بوسی کے لئے مجھ پر ٹوٹ پڑا سب میرے حافظے سے خوش اور میرے معلم کے شکر گذار تھے۔ لوگ میرے والد کو مبارکباد دے رہے تھے، اور سب کے سب اللہ کی حمد وثنا میں مصروف تھے کہ اس نے نعمت اسلام کے ساتھ شیخ کی برکات سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ میں نے اس دور میں ایسے ایام بھی گذارے ہیں جو میرے حافظے سے محو نہیں ہو سکتے اس لئے کہ میں مسلسل دیکھ رہا تھا کہ لوگ میرے قدرداں ہیں اور

میری شہرت سارے شہر تک پھیل چکی ہے۔ ماہ رمضان کی ان راتوں نے میری زندگی پر ایسی دینی چھاپ لگا دی کہ اس کے آثار آج تک باقی ہیں، اس طرح کہ میرے لئے جب بھی مسائل مشتبہ ہو جاتے ہیں میں ایک غیبی قوت کا احساس کرتا ہوں جو مجھے صحیح راہ کی طرف لے جاتی ہے اور میں جب بھی شخصیت کے ضعف اور زندگی کی بے وقعتی کا احساس کرتا ہوں تو وہ یادیں مجھے روحانیت کے اعلیٰ درجات کی طرف لے جاتی ہیں اور میرے ضمیر میں وہ ایمان کا شعلہ بھڑکا دیتی ہیں جو ہر ذمہ داری سنبھالنے کے قابل بنا سکے۔

کمسنی میں امامت جماعت کی ذمہ داری جو میرے والد اور میرے استاد نے میرے حوالہ کی تھی اس نے مجھے یہ شعور مستقل دیا کہ میں اس سطح پر پہنچنے سے قاصر ہوں جسے میں نگاہ میں رکھے ہوں یا جس کا لوگ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں اس لئے میں نے اپنے بچپنے اور شباب کا زمانہ نسبتاً استقامت کے ساتھ گذارا ہے، جہاں اکثر اوقات برائت حب اطلاع اور تقیید کا دور دورہ تھا۔ عنایت الٰہیہ نے مجھے اس قابل بنا دیا تھا کہ میں اپنے تمام بھائیوں میں سکون اور سنجیدگی کے اعتبار سے ممتاز ہو جاؤں اور میرے قدم معاصی اور مہلکات میں پھسلنے نہ پائیں۔ میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ میری والدہ کا بھی میری زندگی میں بہت بڑا اثر ہے۔ میں نے جب آنکھیں کھولیں تو انہوں نے مجھے قرآن کریم کے چھوٹے سوروں کی تعلیم دی۔ نماز و طہارت سکھائی اور میری تربیت پر خصوصی توجہ دی اس لئے کہ میں ان کا پہلا فرزند تھا اور وہ یہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کے پہلو میں اسی گھر میں ان کی وہ سوت بھی تھی جو ان سے برسوں پہلے سے موجود تھیں اور اس کی اولاد تقریباً ان کی ہم سن تھی۔ تو میری ماں کو میری تعلیم و تربیت سے سکون ملتا تھا۔ اور وہ گویا اس طرح اپنی سوت اور اپنے شوہر کی دوسری اولاد سے مقابلہ میں مصروف رہتی تھیں۔

میرے نام میں یہ تیجانی جو میری والدہ نے قرار دیا ہے یہ ہمارے خاندان میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جس نے طریقہ تیجانی کو اس وقت سے گلے لگا کر رکھا ہے جب شیخ احمد تیجانی کی اولاد

میں نے کسی نے جزائر کی واپسی میں شہر قفصہ میں قیام کیا تھا اور سماوی گھرانے کو اپنی نظر بنایا تھا اس زمانہ میں بہت سے اہل شہر خصوصاً علمی اور مالدار گھرانوں نے اس صوفی طریقہ کو اپنا لیا تھا۔ اور اس کی ترویج میں مصروف تھے۔ اور چونکہ میرا نام تیجانی تھا لہٰذا میں سماوی گھرانے میں بہت محبوب ہو گیا. جہاں میں سے زیادہ خاندان آباد تھے اور اس سے باہر بھی تیجانی طریقہ سے تعلق رکھنے والوں میں میری محبوبیت بڑھتی گئی اور اسی لیے اکثر بزرگ نمازی جو ماہ رمضان کی راتوں میں حاضر ہوتے تھے میرے سر اور ہاتھ کے بوسے لیتے تھے اور میرے والد کو یہ کہہ کر مبارکباد پیش کرتے تھے کہ یہ سب شیخ احمد تیجانی کے برکات کا فیض ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ طریقۂ تیجانیہ، مغرب، جزائر، تیونس، لیبیا، سوڈان اور مصر میں بکثرت منتشر ہوا۔ اور اس طریقہ کو گلے لگانے والے کسی نہ کسی مقدار میں متعصب بھی ہوتے ہیں اور اسی لئے مقامات اولیاء کی زیارت نہیں کرتے ہیں اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ تمام اولیاء نے تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے سے علم لیا ہے. لیکن شیخ احمد تیجانی نے براہ راست اپنا علم رسول اللہ سے لیا ہے. حالانکہ وہ زمانۂ رسالت سے تیرہ صدی پیچھے تھے اور ان لوگوں کی روایت یہ ہے کہ شیخ احمد تیجانی خود بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ان کے پاس حالت بیداری میں تشریف لاتے تھے نہ کہ خواب میں. جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے شیخ کی مرتب کی ہوئی نماز چالیس دن کے ختم قرآن سے بہتر ہے. ہم اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے تیجانیت کے اسی مقدار میں تعارف پر اکتفا کرتے ہیں اور انشاء آئندہ کسی دوسرے مقام پر قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کریں گے۔

میں شہر کے دوسرے نوجوانوں کی طرح اسی اعتقاد پر پلا اور بڑھا کہ ہم سب بحمداللہ مسلمان اور اہلسنت والجماعت ہیں۔ ہم سب کا مسلک امام مدینہ حضرت مالک بن انس کا مذہب ہے یہ اور بات ہے کہ ہم صوفی طریقوں میں مختلف ... ہوئے

میں۔ جیسا کہ خود ایک قفصہ شہر میں بھی اتنے شعبے پائے جاتے ہیں۔ تیجانیہ، قادریہ، رحمانیہ سلامیہ، عیساویہ اور انہیں سے ہر طریقہ کے انصار واتباع ہیں جو ان کے قصائد و اذکار و اوراد کو حفظ کرتے ہیں جن کو مختلف اجتماعات اور شب بیداریوں میں عقد زواج، ختنہ کامیابی یا نذر کی مناسبت سے پیش کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے بعض نقصانات بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان طریقوں نے شعائر دین اور احترام اولیا و صالحین کے تحفظ میں بڑا کار نمایاں انجام دیا ہے۔

اِس کتاب میں

پڑھیئے

ایک انسان مختلف مذاہب کے طوفانوں کے درمیان جہاں ہر شخص اپنے بارے میں حقانیت کا دعوے دار ہے ——

کس طرح تحقیقِ حق کے مراحل طے کرتا ہے؟ اس اعتماد کے ساتھ کہ ربّ العالمین کے نزدیک حق صِرف ایک ہے جسمیں کسی تعدد اور اختلاف کی گنجائش نہیں ہے ——

"اور حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

اِس کتاب میں اِس سوال کا جواب تلاش کیا گیا ہے کہ مذہبِ حق کیا ہے؟ اور مصنف نے پورے صِدقِ عمل اور صِدقِ نیّت کیساتھ تحقیقِ حق کا فرض ادا کیا ہے۔ ناظرین کرام کا بھی فرض ہے کہ اِس کتاب کا خلوصِ نیّت کیساتھ مطالعہ کریں اور اُن دلائل و براہین پر غور کریں جو حق کی وضاحت اور مذکورہ سوال کے جواب کے لئے بہترین ذخیرہ ہے۔

ربّ العالمین راہِ حق کی ہدایت کرنے والا اور توفیق دینے والا ہے۔

حج بیت اللہ الحرام

میری عمر اٹھارہ سال کی تھی جب تیونس کی قومی جمہوریت نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مجھے مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اسلامی اور عربی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی جائے جس میں پورے تیونس سے صرف چھ افراد کا انتخاب کیا گیا تھا اور میں سب میں سن و سال کے اعتبار سے چھوٹا اور علم و ثقافت کے اعتبار سے کمتر تھا اس لئے کہ ان میں دو مدرسوں کے مدیر تھے تیسرا دارالحکومت میں استاد تھا، چوتھا رشتہ صحافت سے وابستہ تھا، اور پانچویں کے عہدے سے میں باخبر نہیں تھا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس زمانے میں خود وزیر تربیت کے قرابتداروں میں شمار ہوتا تھا ہمارا یہ سفر براہ راست نہیں تھا بلکہ پہلے ہم یونان کے دارالحکومت ایتھنز میں وارد ہوئے، وہاں تین دن گذارنے کے بعد اردن کے دارالحکومت عمان میں وارد ہوئے اور وہاں چار دن گذارنے کے بعد سعودیہ پہونچے جہاں کانفرنس میں شرکت کی اور حج و عمرہ کے مناسک ادا کئے۔ پہلے پہل حدود بیت اللہ میں داخل ہوتے ہوئے جو میرے احساسات تھے اس کا تصور نہیں ہو سکتا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اپنی دھڑکنوں کے سبب پسلیوں کو توڑ کر باہر نکلنا چاہتا ہے تاکہ براہ راست اس گھر کا مشاہدہ کر سکے جسکے اب دیکھتا رہتا تھا۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب جاری ہو گیا جو بظاہر تھمنے والا نہیں تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے ملائکہ تمام حاجیوں کے سروں سے بالاتر اٹھا کر سطح حرم تک لے جانا چاہتے ہیں جہاں میں جا کر تلبیہ پڑھوں گا لبیک اللہم لبیک۔۔

حجاج کرام کی تلبیہ کی آواز سنکر میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انہوں نے اس سفر تیاری سامان کی فراہمی اور اموال کی جمع آوری میں مدتیں گذاری ہیں لیکن میری

آمد اچانک بغیر کسی تیاری کے تھی اور مجھے یاد ہے کہ میرے والد نے جب ہوائی جہاز کے ٹکٹ دیکھے اور انھیں میرے سفر حج کا یقین ہوگیا تو اچانک رو پڑے اور کمال محبت سے مجھے بوسے دیکر اس طرح رخصت کیا "بیٹا، مبارک ہو کہ اللہ نے یہ طے کر دیا تھا کہ تم اس کمسنی میں سے پہلے حج کرو اور کیوں نہ ہوتا تم میرے سرکار احمد تیجانی کی اولاد ہو۔ بیت اللہ میں پہنچ کر میرے حق میں دعا کرنا کہ وہ میرے گناہوں کو معاف کر دے اور مجھے حج بیت اللہ کی توفیق کرامت فرمائے۔" ان حالات کی بنا پر میرا خیال تھا کہ مجھے اللہ نے پکارلیا ہے اور اپنی عنایت کو میرے شامل حال کر دیا ہے اور مجھے اس منزل تک پہونچا دیا ہے جہاں پہونچنے سے پہلے بے شمار افراد امید وحسرت لئے دنیا سے گذر جاتے ہیں اب مجھ سے زیادہ تلبیہ کی ذمہ داری کس پر ہے اس لئے میں نماز و طواف و سعی میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ یہاں تک کہ زمزم کا پانی پینے اور پہاڑوں پر چڑھنے میں بھی سب سے آگے نکلنا چاہتا تھا تاکہ جبل نور کی بلندی پر پہونچ کر غار حرا کی زیارت کروں اور یہی وجہ تھی کہ ایک ڈافی جوان کے علاوہ کہ جس کا میں "ثانی اثنین" تھا کوئی مجھ سے آگے نہ جا سکا۔ میں وہاں پہنچ کر خاک پر لوٹنے لگا گویا مجھے سرکار دو عالم کی آغوش رحمت مل گئی ہے اور میں انکی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ کتنے حسین تھے وہ مناظر اور وہ یادیں جو میرے دل میں ایک ایسا گہرا اثر چھوڑ گئیں جو کبھی محو ہونے والا نہیں ہے۔

دوسری عنایت پروردگار جس نے تمام وفود کے درمیان مجھے محبوب بنا دیا تھا۔ اور ہر شخص میرا پتہ ملنگنے لگا تھا اور خود میرے ساتھیوں نے بھی مجھ سے اظہار محبت شروع کر دیا تھا۔ جبکہ پہلی ملاقات میں جب ہم لوگ ترتیب سفر کے لئے تیونس کے دارالحکومت میں جمع ہوئے تھے تو سب نے مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھا تھا اور میں نے اس کو محسوس بھی کر لیا تھا لیکن یہ سمجھ کر صبر کر لیا تھا کہ اہل شمال اہل جنوب کو حقیر اور پسماندہ ہی شمار کرتے ہیں۔ لیکن بہت جلدی سفر و موتمر کے دوران ان کی نگاہ بدل گئی اور تمام وفود

کے درمیان وہ سرخرو ہو گئے کہ میں متعدد اشعار و قصائد کا حافظ تھا۔ اور اسی بنا پر میں نے مختلف مقابلوں میں انعامات بھی حاصل کئے تھے کہ ملک کی واپسی تک میرے پاس مختلف ملکوں کے بیس افراد کے پتے موجود تھے۔ سعودیہ میں ہمارا قیام بیس دن رہا جہاں ہم نے علماء ملاقات کی ان کے بیانات میں شرکت کی اور میں ذاتی طور پر وہابیوں کے بعض عقائد سے بہت متاثر ہوا اور میری یہ آرزو ہوگئی کہ کاش سارے مسلمان اسی راستہ پر چلیں اور میرا یہ خیال تھا کہ اللہ ہی نے ان لوگوں کو اپنے گھر کی حفاظت کے لئے منتخب کیا ہے لہذا یہ روئے زمین کی تمام مخلوقات سے زیادہ صاحب علم اور زیادہ پاکیزہ نفس ہیں۔ انھیں اللہ نے بڑی دولت اسی لئے دی ہے تاکہ یہ اللہ کے مہمانوں کی خدمت کریں اور ان کی سلامتی کا انتظام کریں۔ چنانچہ میں اپنے وطن واپس آیا تو سعودیہ کا مخصوص لباس پہن کر آیا اور اس استقبال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا جس کا اہتمام میرے والد نے کیا تھا کہ مختلف جماعتیں اسٹیشن پر حاضر تھیں اور ان کے آگے آگے مختلف صوفی مسلک عیساویہ تیجانیہ، قادریہ کے شیوخ بھی موجود تھے جن کے ساتھ طبل اور دف وغیرہ بجائے جا رہے تھے۔ لوگوں نے شہر کی مختلف سڑکوں پر تکبیر و تہلیل کے ساتھ مجھے گشت کرایا اور ہم جب کسی مسجد کے قریب سے گذرتے تھے تو اس کے آستانے پر تھوڑی دیر کے لئے رک جاتے تھے اور لوگ ہماری دست بوسی کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ خصوصاً بوڑھے بزرگ جو مجھے بوسہ بھی دیتے تھے اور زیارت بیت اللہ اور زیارت قبر رسولؐ کے شوق میں گریہ بھی کرتے تھے اور انھوں نے مجھ سے پہلے اس عمر کے آدمی کو حج کرتے نہ دیکھا تھا۔ میں نے اسوقت اپنی زندگی کے حسین ترین لمحات گذارے۔ ہمارے گھر میں سلام کرنے اور مبارکباد دینے کیلئے لگاتار اشراف حاضر ہوئے اور اکثر مجھ سے یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ میں اپنے والد کی موجودگی میں فاتحہ اور دعا پڑھوں جس سے میں کبھی شرمندہ ہوتا تھا اور کبھی میرے حوصلے بلند ہو جاتے تھے۔ میری والدہ زائرین کے گروہ کے نکل جانے کے بعد میرے پاس آ کر

خوشبو سلگاتی تھیں اور تعویذ کا اہتمام کرتی تھیں تاکہ میں حاسدوں کے شر اور شیاطین کے مکر سے محفوظ رہوں۔

میرے والد نے تیجانی بارگاہ میں تین رات مسلسل اس شان سے حاضری دی کہ روزانہ ولیمہ کے لئے ایک دنبہ ذبح ہوتا تھا اور لوگ مجھ سے ہر چھوٹی بڑی بات کے بارے میں سوال کرتے تھے میرے جواب زیادہ تر سعودیوں کی مدح و ثنا اور نشر اسلام و نصرت مسلمین کے بارے میں ان کے خدمات پر مشتمل ہوتے تھے۔ شہر والوں نے مجھے حاجی کا لقب دیدیا تھا اور اس لفظ سے میرے علاوہ کسی اور کا تصور نہیں پیدا ہوتا تھا اس کے بعد میری شہرت بڑھتی گئی اور خصوصاً جماعت اخوان المسلمین جیسے دینی حلقوں میں میں مساجد کا دورہ کرکے لوگوں کو ضریحوں کے بوسہ دینے اور لکڑیوں کے مس کرنے سے منع کرتا تھا اور میری تمام تر کوشش یہی تھی کہ میں انھیں یہ سمجھا سکوں کہ یہ سب شرک ہے میری نشاط عمل میں اور وسعت پیدا ہوئی تو میں مسجدوں میں جمعہ کے خطبہ سے پہلے دینی درس دینے لگا اور مسجد ابو یعقوب سے مسجد کبیر تک ہر جگہ حاضر ہونے لگا اسلئے کہ جمعہ کی نماز دونوں مقامات پر مختلف اوقات میں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اتوار کے دن میرے حلقہ درس میں ہر کالج کے طلاب بھی حاضر ہوتے تھے جہاں میں ٹکنالوجی اور طبیعیات کے درس دیا کرتا تھا۔ لوگ میرے اقدامات سے خوش ہوتے تھے اور ان کے محبت و احترام میں برابر اضافہ ہو رہا تھا کیونکہ میں نے انہیں اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ دیدیا تھا کہ میں ان کے افکار سے ان بدلیوں کو چھانٹ دوں جو فلسفہ کے ملحد مادی اور کمیونسٹ اساتذہ نے پیدا کر دیئے ہیں۔ لوگ بڑی بے چینی سے ان اجتماعات کا انتظار کیا کرتے تھے اور بعض تو میرے گھر بھی آیا کرتے تھے۔ میں نے اس کام کے لئے بہت سی دینی کتابیں بھی خریدیں اور اس کے مطالعہ پر بھی زور دیا تاکہ میں اس سطح تک پہونچ جاؤں مختلف سوالات کے جوابات دیئے جا سکتے ہوں۔ اسی سال جس سال میں نے

حج بیت اللہ کیا میں اپنے نصف دین کا بھی مالک ہو گیا یعنی میری والدہ کی یہ خواہش سامنے آئی کہ اپنے مرنے سے پہلے میرا عقد کر دیں کیونکہ انہوں نے ہی میرے والد کی دوسری تمام اولاد کی تربیت کی تھی اور ان کی شادیاں کی تھیں تو اب ان کی تمنا تھی مجھے نوشہ کی شکل میں دیکھیں۔ اللہ نے ان کی تمنا کو پورا کر دیا اور میں نے ان کے حکم کی اطاعت میں ایک ایسی لڑکی سے عقد کر لیا جس کو میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا وہ میرے پہلے دو بچوں کی ولادت تک زندہ رہی اور اس کے بعد دار دنیا سے رخصت ہو گئیں اس عالم میں کہ وہ مجھ سے خوش تھیں اور ان سے دو سال پہلے میرے والد کا انتقال ہوا جب کہ وہ حج بیت اللہ بھی کر چکے تھے۔ اور وفات سے پہلے توبۂ خالص بھی کر چکے تھے۔

ایک ایسے دور میں جب اسرائیل کے مقابلے میں شکست کھانے کے بعد عرب اور مسلمان انتہائی ذلت آمیز زندگی گذار رہے تھے اچانک لیبیا کا انقلاب کامیاب ہوا۔ اور قائد انقلاب کی شکل میں ایک ایسا جوان سامنے آیا جو اسلام کا نام لیتا تھا۔ لوگوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا تھا اور اس کی آزادی کا نعرہ لگاتا تھا۔ ان نعروں کی بنا پر میں بھی اسی طرح اس جوان کا گرویدہ ہو گیا، جس طرح عربی اور اسلامی ملکوں میں عام نوجوانوں کا حال ہوتا ہے۔ اور ہم نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے لیبیا کا ایک ثقافتی سفر مرتب کیا۔ جس میں شعبۂ تعلیم کے چالیس افراد ساتھ تھے۔ ہم نے اس علاقہ کا دورہ انقلاب کے ابتدائی دور میں کیا اور نہایت درجہ خوشحال واپس آئے۔ جو ہم نے دیکھا کہ حالات ایک ایسے مستقبل کی خبر دے رہے ہیں جو عربی اور اسلامی قوم کے لئے نہایت درجہ صالح اور خوشگوار ہو گا۔

ان چند برسوں کے دوران بعض دوستوں سے مراسلت کا سلسلہ جاری رہا اور میرے شوق میں اضافہ ہوتا رہا۔ میرے تعلقات کا مرکز وہ چند افراد تھے جنہوں نے ملاقات

پر زیادہ زور دیا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ نظام مرتب کیا کہ گرمیوں میں تین مہینہ کی چھٹی پر ایک طویل سفر کروں جس کا پروگرام یہ بنا کہ خشکی کے راستے سفر لیبیا سے شروع کیا جائے اس کے بعد مصر اس کے بعد لبنان اسکے بعد شام اردن اور آخر میں سعودیہ جہاں مناسک عمرہ ادا کرنا تھے اور ان وہابیوں سے تجدید عہد کرنا تھی جن کے عقائد کی نوجوانوں کے حلقہ میں اور اخوان المسلمین کی مسجدوں میں بکثرت تبلیغ کی تھی اور اس دور میں میری شہرت مختلف اطراف و جوانب میں پہونچ چکی تھی۔ اور اکثر سامعین جمعہ پڑھنے کے لئے اور ان بیانات میں شرکت کرنے کے لئے آجایا کرتے تھے اور پھر اپنے علاقہ میں اثر کا چرچا کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ خبر صوفیوں کے بزرگ شیخ اسماعیل یادتی تک پہنچی جن کے پیرو اور مرید تیونس اور اس کے باہر فرانس اور جرمنی میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور انہوں نے اپنے وکلاء کے ذریعہ مجھے اپنی زیارت کی دعوت دیدی۔ ان کے وکلا نے مجھے ایک مفصل خط لکھا جس میں اسلام اور مسلمین کے بارے میں میرے خدمات کی قدردانی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ یہ سارے اعمال ذرہ برابر بھی خدا سے قریب نہیں کر سکتے جب تک کہ کسی شیخ عارف کے وسیلہ سے نہ ہوں اور اپنے حلقہ کی مشہور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہ "جس کے پاس کوئی شیخ نہیں ہوتا اس کا شیخ شیطان ہو ہے"۔ یا یہ کہ "ہر شخص کے لئے ایک شیخ کا ہونا ضروری ہے ورنہ آدھا علم ناقص ہو جائے گا"۔ یہ کہہ کر اس بات کی بشارت دی کہ صاحب الزمان یعنی شیخ اسماعیل نے مجھے اپنے خواص میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ خبر سُنکر میرے ہوش و حواس اڑ گئے۔ اور میں اس عنایت الٰہیہ پر بے اختیار رو پڑا کہ جس کی بنا پر میں مسلسل بلند کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اسلئے کہ میں اس سے پہلے ماضی میں سید ہادی حفیان کا پیرو چکا ہوں جن سے مختلف کرامات و معجزات نقل کئے جا چکے ہیں اور اس کے بعد سید اور سید جیلانی کی صحبت کا شرف بھی حاصل کر چکا ہوں اور اب شیخ اسماعیل کی بار

ئس طلب کیا گیا ہوں۔ میں بے چینی سے ان سے ملاقات کا انتظار کرتا رہا یہاں تک
کہ جب شیخ کے گھر میں داخل ہوا تو ایک ایک چہرہ کو حیرت و حسرت سے دیکھتا رہا۔
کہ مجلس میں مریدوں اور مشائخ کا مجمع تھا اور سب انتہائی سفید لباس پہنے ہوئے
تھے مراسم حاضری کی انجام دہی کے بعد شیخ اسماعیل حجرہ سے باہر تشریف لائے اور
رے مجمع نے احترام سے ان کے ہاتھ چومے اور ایک نمائندہ نے یہ اشارہ کیا کہ
یہ شیخ یہی ہیں لیکن میں نے کسی جذبہ کا اظہار نہیں کیا اسلئے کہ میں ان حالات کے علاوہ
کسی اور بات کا منتظر تھا اور میرے ذہن میں شیخ کے وکیل اور مریدوں نے کرامت
معجزات کی جو خیالی تصویر بنائی تھی وہ کچھ اور ہی تھی مجھے شیخ ایک معمولی آدمی
نظر آئے جن کے چہرہ میں نہ کوئی وقار تھا نہ ہیبت۔ تھوڑی دیر کے بعد وکیل نے
مجھے ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے مرحبا کہتے ہوئے داہنی طرف بٹھایا اور
کھانا پیش کیا۔ کھانے پینے کے بعد پھر محفل جم گئی اور مجھے وکیل نے دوبارہ شیخ
کے سامنے پیش کیا تاکہ میں ان سے عہد اور ورد حاصل کرسکوں۔ مجمع نے مجھے مبارکباد
ی اور مجھ سے معانقہ کیا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ انھوں نے میرے بارے میں
ہت کچھ حسن رکھا ہے اور اسی قدر دانی نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں شیخ
کے بعض جوابات پر جو سوال کرنے والوں کو دیئے گئے تھے اعتراض کروں اور اپنی
ت پر قرآن و سنت سے استدلال کروں۔ ظاہر ہے کہ یہ جرأت بعض حاضرین کو
ناگوار گذری اور انہوں نے اسے شیخ کی بارگاہ میں سوء ادب قرار دیا کہ وہ تو اس
ت کے عادی تھے کہ شیخ کے سامنے بلا اجازت زبان نہ کھولیں شیخ نے محسوس کرلیا
حاضرین کو میری بات ناگوار گذری ہے اس لئے نہایت ہی ہوشیاری سے صورتحال
ازالہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جس کی ابتدا دل سوز ہوتی ہے اس کی انتہا
بناک ہوتی ہے

حاضرین نے یہ خیال کیا کہ یہ سرکار کی طرف سے ایک سند ہے اور عنقریب میرا انجام تابناک ہونے والا ہے اس لئے سب نے مجھے اس بات کی بھی مبارکباد دی لیکن شیخ انتہائی ہوشیار اور تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے میری اس گستاخی کا راستہ روکنے کے لئے فی الفور ایک عارف کا قصہ بیان کیا کہ ان کے حلقہ میں ایک عالم آگئے تو انہوں نے ان سے فرمایا کہ جاؤ غسل کرو۔ وہ غسل کر کے واپس آئے تو دوبارہ پھر یہی حکم دیا وہ اس مرتبہ پہلے سے بہتر انداز سے غسل کر کے آئے اور بیٹھنا چاہا تھا کہ شیخ عارف نے ڈانٹ دیا اور کہا جاؤ پھر غسل کرو اور عالم نے روتے ہوئے عرض کی کہ میں اپنے علم کے مطابق بہترین غسل کر چکا ہوں اب اللہ آپ کے طفیل میں کوئی اور انکشاف کر دے تو دوسری بات ہے۔ تو عارف نے فرمایا اچھا اب بیٹھ جاؤ۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ اس قصہ کا مقصود میں ہی ہوں اور حاضرین نے بھی محسوس کر لیا اور شیخ کے جانے کے بعد میری ملامت بھی کی اور مجھے شیخ کی بارگاہ میں خاموشی کا حکم دیتے ہوئے اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا کہ "ایمان والو! خبردار اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز پر بلند نہ کرنا اور ان سے اس بلند لہجے میں بات بھی نہ کرنا جیسے آپس میں باتیں کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم میں شعور بھی نہ پیدا ہو۔"
میں نے اپنی اوقات پہچان لی اور نصیحتوں کا امتثال کیا جس کے بعد شیخ کی بارگاہ میں کچھ زیادہ ہی مقرب ہو گیا اور تین دن قیام کے دوران امتحان کے لئے مختلف سوالات کرتا رہا اور شیخ کو بھی اس بات کا اندازہ ہوتا رہا اور وہ بھی کہتے رہے کہ قرآن کے لئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور سات سات باطن ہیں جس کے بعد انہوں نے اپنے خزانہ کو کھول کر ایک خاص کاغذ دیا جس میں صالحین و عارفین کا سلسلۂ سند ابوالحسن شاذری تک پہونچتا تھا۔ اور ان کے بعد مختلف اولیاء سے گذرتا ہوا امام علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک پہنچ جاتا تھا۔

یہ بات ناگفتہ نہ رہ جائے کہ یہ حلقات تمام تر روحانی ہوتے تھے اور ان کا فتتاح شیخ قرآن مجید کی تلاوت سے کیا کرتے تھے جس کے بعد قصیدہ کا مطلع پڑھا جاتا تھا اور تمام مرید اسے دہراتے تھے۔ اسلئے کہ سب کو یہ قصائد و اذکار حفظ ہوتے تھے دوران کا بیشتر حصہ دنیا کی مذمت اور آخرت کی ترغیب پر مشتمل ہوتا تھا۔ شیخ کی تلاوت کے بعد ان کے داہنی طرف بیٹھا ہوا مرید اس کا اعادہ کرتا تھا اس کے بعد پیشیخ نئے قصیدہ کا مطلع پڑھتے تھے اور سب اس کو دہراتے تھے یونہی ہر شخص ایک ایک آیت کی تلاوت کرتا تھا اور پھر قصیدہ پر سبکو اجتماعی طور پر حال آنے لگتا تھا۔ جہاں قصیدہ کی دھن پر سب داہنے بائیں جھومتے تھے اور جب شیخ کھڑے ہوتے تھے تو سارے مریدان کے ساتھ کھڑے ہوجاتے تھے اور وہ گھوم گھوم کر ایک ایک مرید کو دیکھتے تھے۔ اور ہر طرف سے آہ آہ کی آواز آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ طبل بجایا جارہا ہے اور بعض افراد کی حرکتیں جنونی انداز کی ہوتی تھیں اور یہ ساری آوازیں ایک منظم نغمہ کی شکل میں بلند ہونے کے بعد کافی دیر کے بعد تھم جاتی تھیں اور شیخ آخری قصیدہ پڑھتے تھے جس کے بعد لوگ ان کے سر اور شانہ کا بوسہ دے کر بیٹھ جاتے تھے۔

میں نے بھی ان لوگوں کے ساتھ بعض حرکتوں میں حصہ لیا۔ لیکن میں فطرتاً مطمئن نہیں تھا بلکہ میں ان باتوں کو اس عقیدہ سے بالکل متضاد پاتا تھا جو میں نے سعودیہ سے حاصل کیا تھا کہ غیر خدا سے توسل نہیں ہو سکتا۔

میں گویا خاک پر گر پڑا۔ میرے آنسو جاری ہو گئے اور میں حیرت زدہ دو طوفانوں کے درمیان کھڑا تھا۔ ایک طرف صوفیت کا ماحول جہاں ایسی روحانیت جو انسان کے دل میں خوف خدا، زہد اور اولیاء و صالحین کے ذریعہ تقرب کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف وہ وہابیت کا طوفان جس نے یہ تعلیم دی ہے کہ یہ سب شرک

ہے اور شرک کو خدا معاف نہیں کر سکتا۔ اور جب پیغمبر رسول اللہ ہونے کے بعد کام نہیں آ سکتے اور ان سے توسل نہیں ہو سکتا تو ان اولیاء صالحین کی کیا حقیقت ہے۔

اگرچہ شیخ نے مجھے ایک منصب بھی عنایت کر دیا تھا کہ مجھے قفقہ میں اپنا وکیل بنا دیا تھا لیکن میں اندر سے مکمل طور پر مطمئن نہیں تھا اگرچہ کبھی کبھی صوفیت کی طرف مائل ہو جاتا تھا۔ لیکن ہمیشہ سوچتا رہتا تھا کہ میں اس طریقہ کا احترام تو کر رہا ہوں لیکن خدا کے اس حکم کی مخالفت کر رہا ہوں کہ "اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو نہ پکارو" اس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے اور جب کوئی شخص یہ کہتا تھا کہ پروردگار کا ارشاد ہے کہ "ایمان والو اللہ سے ڈرو اور وسیلہ تلاش کرو" تو فوراً سعودی علماء کا سکھایا ہوا جواب دہرا دیتا تھا کہ وسیلہ عمل صالح ہے۔

بہر حال میں نے وہ وقفہ انتہائی اضطراب کے عالم میں گذارا ہے جبکہ میرے پاس بہت سے مرید حاضری دیا کرتے تھے۔ اور ہم رات بھر حال قال کی محفلیں جمایا کرتے تھے۔ ہمارے ہمسایہ کے لوگ ہماری اس آہ آہ سے عاجز تھے لیکن کھل کر اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی عورتوں کے ذریعہ میری اہلیہ سے شکایت کی اور جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے اپنے مریدوں سے کہا کہ وہ ان حلقات کو اپنے گھروں میں لے جائیں اور یہ کہہ کر حاضری سے معذرت کر لی کہ میں تین مہینہ کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہوں اور میں اپنے اہل و عیال اور اقربا کو رخصت کر کے خانۂ خدا کے ارادے سے نکل پڑا۔ اسی پر میرا اعتماد تھا اور اسکے علاوہ میرا کوئی دوسرا خدا نہیں تھا۔

توفیق آمیز سفر

مصر: لیبیا کے دارالحکومت طرابلس میں میرا اتنا ہی قیام رہا کہ میں مصری سفارتخانہ سے مصر کا ویزا حاصل کرلوں۔ چنانچہ اس کے دوران بعض دوستوں سے ملاقات بھی ہوئی اور انھوں نے اس راہ میں میری مدد بھی کی۔ قاہرہ کا راستہ جو تقریباً تین شب وروز میں طے ہوتا ہے میں نے ٹیکسی سے طے کیا جس میں چار مصری اور تھے جو لیبیا میں کام کرتے تھے اور اپنے وطن واپس جارہے تھے۔ دوران سفر میں ان سے باتیں کرتا رہا اور انھیں قرآن سناتا رہا جس کی بناء پر انھوں نے مجھ سے اظہار محبت کیا۔ اور ہر شخص نے اپنے گھر قیام کرنے کی دعوت دی۔ میں نے ان کے درمیان سے ایک شخص کا انتخاب کیا جس کا نام احمد تھا اور میرا نفس اس کے زہد و تقویٰ سے مطمئن تھا۔ اس نے بھی باقاعدہ میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ قاہرہ میں میں نے بیس دن گذارے۔ جس میں مشہور موسیقار الطرش سے ان کے مکان پر ملاقات کی اس لئے کہ میں نے اخبارات و رسائل میں ان کے حسن اخلاق و تواضع کا تذکرہ پڑھا تھا اس سے میں بہت متاثر تھا۔ لیکن میری ملاقات صرف بیس منٹ جاری رہ سکی اس لئے کہ لبنان جانے کے لئے ایرپورٹ جارہے تھے۔

قاہرہ میں ہی میں نے مشہور قاری جن سے میں بے حد متاثر تھا شیخ عبدالباسط محمد عبدالصمد سے ملاقات کی تین دن ان کے ساتھ قیام رہا اور مختلف موضوعات پر ان کے اقربا و اصدقاء سے میں تبادلۂ خیال کرتا رہا اور وہ لوگ جرأت، صراحت اور معلومات کی کثرت سے بے حد متاثر ہوئے۔ وہ لوگ حب فن کے بارے میں بحث کرتے

تھے تو میں اسکے کمال کا اظہار کرتا تھا اور جب زہد و تصوف کی باتیں کرتے تھے تو میں تیجانیہ اور مدینہ طریقوں سے اپنے تعلق کا اظہار کرتا تھا۔ اور جب مغرب کی گفتگو کرتے تھے تو پیرس، لندن، ہالینڈ، اٹلی اسپین کے قصے بیان کرتا تھا۔ جنہیں گرمیوں کی چھٹی کے دوران دیکھا تھا۔ اور جب حج کی گفتگو چھیڑی تو میں نے یہ خبر بھی سنائی کہ میں ایک مرتبہ حج کر چکا ہوں اور اب عمرہ کے لئے جا رہا ہوں اور میں نے ان مقامات کا تذکرہ کیا جن سے سات سات حج کرنے والے بھی باخبر نہیں تھے جیسے غار حرا، غار ثور، قربان گاہ اسماعیل، اور جب وہ لوگ علوم اور اختراعات کی بات کرتے تھے تو میں اس کے اعداد و مصطلحات کا حوالہ دیکر ان کی علمی تشنگی کو دور کرتا تھا۔ اور جب سیاست کا ذکر چھیڑتے تھے تو میں اپنی ذاتی رائے سے یہ کہہ کر انھیں خاموش کر دیتا تھا کہ خدا صلاح الدین الیوبی پر رحمت نازل کرے کہ اس نے ہنسنا تو در کنار اپنے لئے مسکراہٹ کو بھی حرام قرار دے لیا تھا اور جب مقربین نے یہ کہہ کر ملامت کی کہ سرکار دو عالم ہمیشہ مسکراتے نظر آتے تھے تو جواب دیا کہ میں کیوں کر مسکرا سکتا ہوں جب کہ مسجد اقصیٰ پر دشمنان خدا کا قبضہ ہے اور خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ مسکراؤں گا جب تک اسے آزاد نہ کرا لوں یا مر نہ جاؤں۔

ان اجتماعات میں جامعہ ازہر کے شیوخ بھی حاضر ہوتے تھے اور میرے ضبط احادیث و آیات و دلائل محکم سے متاثر بھی ہوتے تھے اور یہ پوچھا کرتے تھے کہ میں کس جامعہ سے فارغ التحصیل ہوں تو میں نہایت فخر سے جواب دیتا تھا کہ میں جامعہ زیتونہ کا طالب علم ہوں جو ازہر سے پہلے قائم ہوا تھا اور فاطمیین جامعہ ازہر کی تاسیس کیلئے تونس ہی سے گئے تھے۔ میں نے جامعہ ازہر کے بہت سے علماء سے ملاقات کی جنہوں نے مجھے کتابیں بھی دیں۔ اور ایک دن جب کہ ازہر کے ایک

ذمہ دار کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا، مصری مجلس انقلاب کے ایک رکن آئے اور انہوں نے اس مسئول کو مصر کی ایک کمیٹی کی طرف سے منعقد ہونے والے اسلامی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی اور انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ میں ان کے ساتھ جاؤں چنانچہ میں نے اس جلسہ میں شرکت کی اور ازہری عالم اور خاد رشنودہ کے درمیان بٹھایا گیا۔ لوگوں نے مجھ سے تقریر کا بھی مطالبہ کیا۔ اور میں نے نہایت آسانی سے یہ کام انجام دیدیا۔ اس لئے کہ میں مجالس اور ثقافتی اجتماعات میں تقریروں کا عادی ہو چکا تھا۔

ان تمام بیانات کا ماحصل یہ ہے کہ میرا شعور برابر ترقی کر رہا تھا اور مجھ میں یہ غرور بھی پیدا ہو چلا تھا کہ اب میں بھی عالم ہو گیا ہوں اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ علماء ازہر نے میرے علم کی شہادت دی تھی اور مجھ سے یہ کہا تھا کہ آپ جیسے حضرات کو یہاں ازہر میں ہونا چاہئے تھا۔ اور اس سے زیادہ قابل فخر اعزاز یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے مجھے اپنے آثار کی زیارت کا شرف عنایت فرمایا جب قاہرہ میں مسجد راس الحسینؑ کے مسئول نے مجھ سے بیان کیا اور مجھے ایک ایسے حجرہ میں لے گیا جس کو اس کے علاوہ کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔ اور اندر جانے کے بعد دروازہ بند کر کے وہ خزانہ کھولا جس میں سے رسول اللہ کی قمیص اور دوسرے آثار نکال کر مجھے زیارت کرائی۔ اور میں وہاں سے انتہائی متاثر اور اشکبار واپس آیا۔ جبکہ اس مسئول نے مجھ سے کسی رقم کا بھی مطالبہ نہیں کیا بلکہ انکار کر دیا اور میرے اصرار پر صرف ایک معمولی رقم لیکر مجھے اس بات کی بشارت اور مبارکباد دی کہ میں رسول اکرمؐ کی بارگاہ کا ایک مقبول انسان ہوں۔ اس واقعہ نے میرے دل پر بیحد اثر کیا اور میں متعدد راتوں میں وہابیوں کے اس بیان پر غور کرتا رہا کہ "رسول مر گئے اور ان کا قصہ تمام ہو گیا"۔ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں تھی بلکہ مجھے اس عقیدہ کے مہمل ہونے کا یقین پیدا ہو گیا کہ اگر راہ خدا میں قتل

ہونے والا شہید مردہ نہیں ہوتا بلکہ زندہ رہتا ہے اور پروردگار سے رزق حاصل کرتا ہے تو وہ کیوں کر مردہ ہو سکتا ہے جو سید الاولین والآخرین ہے اور یہ شعور قوت و وضاحت کے اعتبار سے اور بھی ترقی کرتا رہا۔ ان تعلیمات کی بنیاد پر جو صوفیوں سے حاصل ہوئی تھیں جہاں اولیاء و شیوخ میں یہ صلاحیت پائی جاتی تھی کہ نظام کائنات پر اثر انداز ہو سکیں کہ یہ صلاحیت انہیں ان کے پروردگار نے عطا کی ہے کہ انہوں نے اس کی اطاعت کی ہے اور اس نے حدیث قدسی میں وعدہ کیا ہے کہ "میرے بندے میری اطاعت کر تو میرا نمونہ بن جائے گا۔ اور جس چیز کے بارے میں کہہ دے گا وہ ہو جائے گی۔" میرے داخل میں عقائد کی جنگ جاری رہی اور میں نے مختلف مساجد کی زیارت کرنے اور ان میں نماز ادا کرنے کے بعد مصر میں قیام کا سلسلہ تمام کر دیا۔ ہر مسلک کی مسجد میں نماز ادا کی۔ اور سیدہ زینبؑ اور سیدنا حسین کی زیارت کی اور تیجانی زاویہ کی بھی زیارت ہوئی جس کی داستان بیحد طویل ہے۔

بحری جہاز کی ایک ملاقات

بحری جہاز سے ریزرویشن کے مطابق میں اسکندریہ پہونچا اور وہاں سے مصری جہاز سے بیروت کا سفر اختیار کیا۔ میں اپنے کو نہایت اضطراب کے عالم میں جسمانی اور فکری اعتبار سے خستہ حال پا رہا تھا۔ اور اپنی برتھ پر لیٹے ہوئے فکر کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا اور جہاز دو تین گھنٹوں سے رواں دواں تھا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اچانک اٹھ گیا۔ جب میرے برابر والے مسافر کی آواز کانوں میں آئی "معلوم ہوتا ہے یہ بھائی بہت تھک گئے ہیں۔" میں نے کہا کہ ہاں میں صبح سویرے قاہرہ سے اسکندریہ تک جہاز میں سوار ہونے کے لئے آگیا اور رات کو بہت کم سو سکا میں نے ان کے لہجہ سے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ مصری نہیں ہیں اور میرے دخل در معقولات کی عادت نے مجھے

آمادہ کیا میں ان کا تعارف حاصل کر دں تو میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے ان کا تعارف حاصل کیا تو معلوم ہوا کہ وہ عراقی ہیں اور ان کا نام منعم ہے بغداد یونیورسٹی کے استاد ہیں۔ اور ازہر میں ڈاکٹریٹ کی تھیسس جمع کرنے کے لئے قاہرہ آئے تھے۔

ہماری گفتگو کا آغاز مصر، عالم عرب و اسلام، عربوں کی شکست اور یہودیوں کی فتح سے ہوا۔ یہ گفتگو انتہائی دردناک تھی۔ میں نے دوران کلام یہ کہا کہ شکست کا اصل سبب عرب اور مسلمانوں کا مختلف حکومتوں مختلف گروہوں اور مختلف مذاہب میں تقسیم ہو جانا ہے کہ وہ اتنی کثرت عدد کے باوجود دشمنوں کی نگاہ میں کوئی وزن اور اعتبار نہیں رکھتے ہیں۔

ہم نے مصر اور مصریوں کے بارے میں بہت سی باتیں کیں اور دونوں ہزیمت کے اسباب پر متفق تھے اور میں نے یہ اضافہ کیا کہ میں ان تقسیمات کا سخت مخالف ہوں۔ یہ استعمار نے ہمارے درمیان پیدا کرائی ہیں تاکہ ہم پر قبضہ کرنا اور ہمیں ذلیل کرنا آسان ہو جائے، لیکن ہم آج بھی مالکی اور حنفی کے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں اور میں نے ایک انتہائی افسوسناک قصہ بیان کیا جو میرے ساتھ اس وقت پیش آیا جب میں قاہرہ کی مسجد ابوحنیفہ میں داخل ہوا اور حاضرین کے ساتھ باجماعت نماز عصر ادا کی تو نماز کے بعد جو شخص پہلو میں کھڑا ہوا تھا اس نے انتہائی غصہ سے کہا کہ تم نے ہاتھ کیوں نہیں باندھا؟ میں نے ادب و احترام سے جواب دیا کہ میں مالکی ہوں اور مالکی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو مالک کی مسجد میں جا کر نماز پڑھو۔ میں وہاں سے اس صورت حال سے بیزار ہو کر باہر نکل آیا اور میری حیرتوں میں اور اضافہ ہو گیا۔

میری ان باتوں پر عراقی استاد نے مسکرا کر کہا کہ اور میں تو شیعہ ہوں میں اس خبر سے چونک گیا۔ اور میں نے نہایت بے اعتنائی سے کہا کہ اگر معلوم ہوتا

کہ تم شیعہ ہو تو میں تم سے بات بھی نہ کرتا۔

اس نے کہا کیوں ؟

میں نے کہا اس لئے کہ تم لوگ مسلمان نہیں ہو۔ تم لوگ علی بن ابی طالبؑ کی عبادت کرتے ہو۔ اور تم میں جو معتدل ہیں وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں لیکن رسالت پیغمبرؐ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور جبریل کو گالیاں دیتے ہیں کہ انھوں نے خیانت سے کام لیا ہے اور رسالت کو علیؑ کے بجائے محمدؐ کے حوالے کر دیا ہے۔

میں نے اس طرح اپنے بیانات کو جاری رکھا اور میرا ساتھی کبھی مسکراتا تھا اور کبھی لاحول پڑھتا تھا۔ اور جب میری گفتگو تمام ہوئی تو اس نے از سر نو یہ سوال کیا کہ آپ استاد ہیں اور طلاب کو درس دیتے ہیں ؟

میں نے کہا ہاں۔

اس نے کہا جب اساتذہ کی فکر کا یہ انداز ہے تو عوام سے کیا کہا جائے جنکے پاس کوئی ثقافت نہیں ہوتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ اس کا مقصد کیا ہے ؟ اس نے کہا کہ معاف فرمایئے گا یہ غلط الزامات آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے۔

میں نے کہا کہ تاریخ کی کتابوں اور لوگوں کے درمیان شہرت سے

اس نے کہا کہ لوگوں کی شہرت چھوڑیئے، آپ نے تاریخ کی کون سی کتاب پڑھی ہے ؟ میں نے کتابیں شمار کرنا شروع کیں۔ احمد امین کی فجر الاسلام، ضحیٰ الاسلام، ظہر الاسلام وغیرہ۔

اس نے کہا کہ احمد امین شیعوں کے لئے کس طرح سند ہو گئے۔ عدل وانصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کے نظریات انھیں کے مصادر سے دریافت کئے جاتے۔

میں نے کہا کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں ایسی بات کے بارے میں تحقیق کروں

جو خواص وعوام کے درمیان مشہور ہوں۔ انہوں نے کہا کہ احمد امین نے خود عراق کا دورہ کیا ہے اور میں ان اساتذہ میں سے تھا جن سے انہوں نے نجف میں ملاقات کی ہے اور جب ہم لوگوں نے ان کی تحریروں پر شیعوں کے بارے میں اعتراض کیا تو انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ میں آپ لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور آج پہلے پہل شیعوں سے ملاقات کر رہا ہوں، تو ہم نے کہا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ جب آپ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں تو آپ کو ایسی بدترین باتوں کے لکھنے کا کیا حق ہے؟

اس کے بعد اس نے اس بات کا اضافہ کیا کہ اگرچہ قرآن ہمارے لئے سند ہے لیکن ہم یہود ونصاریٰ کے عقائد کی غلطی پر قرآن سے استدلال کریں تو کیا فائدہ ہوگا جب کہ وہ لوگ قرآن کو نہیں مانتے ہیں۔ ہماری دلیل اسی وقت قوی اور محکم ہوگی جب کہ ہم ان کے اعتقادات کو انہیں کی کتابوں سے نقل کریں۔ (داز باب شہ شاہد من اہلہا")

ہمارے ساتھی کے اس بیان نے ہمارے دل پر وہی اثر کیا جیسے کسی پیاسے کو آب سرد وشیریں مل جائے اور میں نے اپنے داخل میں ایک انقلاب محسوس کیا۔ دشمنی سے تنقید کی طرف۔ اس لئے کہ میں ایک صحیح منطق اور مستحکم دلیل کے سامنے کھڑا تھا میں نے کوئی جھجک محسوس نہیں کی اور کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ لوگ ہمارے پیغمبرؐ کی رسالت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ تمام شیعوں کا یہی عقیدہ ہے اور آپ کے لئے کیا زحمت ہے اگر آپ براہ راست تحقیق کریں اور اپنے بھائیوں کے بارے میں بدگمانی چھوڑ دیں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور اگر آپ حقائق کی معرفت چاہتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو عراق کے دورہ کی دعوت دیتا ہوں تاکہ آپ علماء شیعہ سے ملاقات کریں

۔ کوشش کے کذب وافترا کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

میں نے کہا کہ یہ تو میری آرزو ہے کہ میں کبھی عراق کی زیارت کروں اور اس کے اسلامی آثار کو دیکھوں جو عباسی خلفاء اور بالخصوص اسکے سربراہ ہارون رشید نے چھوڑے ہیں۔ لیکن اولاً تو میرے امکانات محدود ہیں اور میں عمرہ کے لئے جا رہا ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میرے پاسپورٹ میں عراق میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں نے آپ کو دعوت دی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں بیروت سے بغداد تک آمد و رفت اور عراق میں قیام کے جملہ اخراجات کا ذمہ دار ہوں اور آپ میرے گھر میں میرے مہمان ہوں گے۔ اور جہاں تک عراق میں داخلہ کی اجازت کا سوال ہے تو اس کام کو اللہ کے حوالے کر دیں اگر یہ بات مقدر میں ہے تو یہ کام ہو کر رہے گا۔ اور ہم خود بیروت پہنچنے کے بعد کوشش کریں گے کہ اجازت حاصل کر لیں۔

میں اس کی ان باتوں سے بیحد خوش ہوا اور میں نے یہ وعدہ کر لیا کہ انشاءاللہ کل جواب دوں گا۔

جہاز میں کیبن سے نکل کر ہوا خوری کے لئے میں چھت کی طرف گیا تو میرے ذہن میں ایک نئی فکر تھی اور میری عقل اس سمندر میں گم ہو گئی تھی جس نے آفاق کو پر کر دیا تھا۔ اور میں اس خدا کی حمد کی تسبیح کر رہا تھا جس نے کائنات کو پیدا کیا، مجھے اس منزل تک پہونچا دیا۔ میں یہ دعا کر رہا تھا کہ مجھے شر اور اہل شر سے محفوظ رکھے اور ہر خطا و لغزش سے بچائے رہے۔ میرے ذہن میں سارا سلسلۂ حادثات گردش کر رہا تھا۔ وہ سعادتیں جو میں نے بچپنے سے آج تک دیکھی تھیں اور جن سے بہترین مستقبل کی آرزو رکھتا تھا اور یہ احساس پیدا کرتا تھا کہ عنایت الٰہی میرا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

میں ایک مرتبہ مصر کی طرف متوجہ ہوا جس کے بعض ساحل ابھی بھی نظر آرہے

تھے میں نے اس سرزمین کو الوداع کہا جہاں قیص پیغمبرؐ کو بوسہ دیا تھا جو میری زندگی کی عزیز ترین یادگار ہے۔ اس کے بعد میں اس شیعہ کی باتوں پر غور کرنے لگا جس نے میرے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانے کا ارادہ ظاہر کر کے مجھے بے حد خوش کر دیا تھا کہ میں عراق کی زیارت کروں گا جس کا نقشہ میرے ذہن میں ہارون اور مامون کے قصوں ہی نے بنایا ہے جس نے اس دارالحکومت کی تاسیس کی تھی جہاں ہر دور میں مغرب کے طلاب علوم تحصیل علم کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ عراق قطب ربانی شیخ صمدانی عبدالقادر جیلانی کا ملک ہے جن کی شہرت ساری کائنات میں ہے اور جن کی طریقت کا چرچا ہر بستی اور ہر علاقہ میں ہے۔ میرے اس خواب کی تعبیر پروردگار کی جدید ترین مہربانی ہے۔ اب میں خیال اور امیدوں کے سمندر میں تیر رہا تھا یہاں تک کہ جہاز والوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ مسافرین محترم شب کے کھانے کے لئے تشریف لے آئیں۔ میں ڈائننگ ہال کی طرف چلا تو یہاں لوگ حسب عادت ایک دوسرے کو ڈھکیل کر آگے بڑھنے کی فکر میں تھے اور ایک شور ہنگامہ برپا تھا۔ اچانک میرے شیعہ ساتھی نے میرا دامن پکڑ کر کھینچا اور کہا کہ اپنے کو زحمت میں نہ ڈالئے ہم تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی زحمت کے کھالیں گے اور میں تو آپ کو تلاش ہی کر رہا تھا اس کے بعد اس نے پوچھا کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے، میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا کہ آیئے پہلے نماز پڑھیں اس کے بعد کھانے کے لئے جائیں گے اس وقت تک جگہ خالی ہو جائے گی۔ میں نے اس رائے کو پسند کیا اور ایک خالی جگہ پر جا کر وضو کیا۔ اور اپنے ساتھی کو امام بنا کر آگے بڑھا دیا تاکہ دیکھوں کہ یہ کس طرح نماز پڑھتا ہے اس کے بعد میں اپنی نماز کا اعادہ کر لوں گا۔

اس نے مغرب کی نماز شروع کی اور جب قرأت و دعا کو تمام کیا تو میری رائے بدل گئی۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میں صحابہ کرام میں کسی کے پیچھے پڑھ رہا ہوں جنکے

ورع و تقدس کے بارے میں بہت کچھ پڑھتا رہا ہوں۔

نماز کے بعد اس نے دعا میں طول دیا اور ایسی دعائیں پڑھیں جنکو میں نے اس سے پہلے اپنے ملک میں یا کسی دوسرے ملک میں کبھی نہیں سنا تھا۔ میرا دل اس وقت بہت خوش ہوتا تھا جب وہ محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات پڑھتا تھا۔ اور ان کی صحیح ثنا و صفت کرتا تھا۔ میں نے نماز کے بعد دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے آثار ہیں اور پتہ چلا کہ وہ میری بصیرت و ہدایت کیلئے اللہ سے دعا کر رہا ہے۔

ہم لوگ ڈائننگ ہال میں اس وقت داخل ہوئے جب مجمع جا چکا تھا۔ اس نے پہلے مجھے بٹھایا۔ اس کے بعد خود بیٹھا۔ ہمارے لئے کھانے کی دو پلیٹیں لائی گئیں۔ اس نے پلیٹوں کو تبدیل کر دیا۔ اس لئے کہ ہماری پلیٹ میں گوشت کم تھا اور اس طرح اصرار کرنا شروع کیا جیسے میں اسی کا مہمان ہوں۔ اس نے آداب اکل و شرب کے بارے میں ایسی روایتیں بیان کیں جو میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ مجھے اس کے اخلاق بیحد اچھے لگے۔ ہم نے اس کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اور اس نے دعا میں اتنا طول دیا کہ مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور میں نے اللہ سے دعا کی کہ اسکے بارے میں میرے خیالات کو بدل دے۔ اس لئے کہ بعض خیالات گناہ بن جاتے ہیں۔ لیکن کون جانتا تھا۔ رات کو میں سویا تو خواب میں عراق کی راتیں دیکھ رہا تھا، اور اس وقت بیدار ہوا جب اس نے نماز فجر کے لئے بیدار کیا۔ ہم نے نماز پڑھی اور پھر بیٹھ کر اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ ہم دوبارہ آکر سو گئے اور جب اٹھے تو دیکھا کہ وہ اپنی سیٹ پر تسبیح لئے ہوئے ذکر خدا کر رہا ہے۔ بیحد خوشی محسوس ہوئی اور میرا دل مطمئن ہو گیا اور میں نے پروردگار سے استغفار کیا۔ ہم کھانا کھا رہے تھے جب اعلان ہوا کہ جہاز ساحل سے قریب تر ہو رہا ہے اور عنقریب دو گھنٹے کے بعد ہم بیروٹ کے پورٹ پر پہنچ جائیں گے۔

اس نے مجھ سے پوچھا کیا آپ غور کر چکے اور آپ نے کیا فیصلہ کیا ؟

میں نے کہا کہ اگر پروردگار نے ویزہ کی سہولت دلوا دی تو بظاہر کوئی مانع نہیں ہے اور میں نے اس کی دعوت کا شکریہ ادا کیا۔

ہم بیروت وارد ہوئے رات وہاں گذاری پھر دمشق کا سفر کیا جہاں پہنچتے ہی عراق کے سفارت خانہ گئے۔ اور ناقابل تصور حد تک عجلت کے ساتھ ویزہ حاصل کر لیا۔ اور وہاں سے اس عالم میں نکلے کہ وہ مجھے مبارکباد دے رہا تھا اور اس کی مدد پر اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

عراق کا پہلا سفر

ہم نے نجف کی ایک عالمی سروس کی ایرکنڈیشنڈ بس سے دمشق سے بغداد سفر کیا جس وقت ہوا کا درجہ حرارت چالیس ڈگری تھا۔ بغداد پہونچنے کے بعد فوراً ہم نے اپنے میزبان کے گھر کا رُخ کیا۔ ان کے ایرکنڈیشنڈ گھر میں پہنچ کر راحت ملی درانہوں نے ایک عراقی کرتا (دشداشہ) لاکر دیا کچھ میوے اور کھانے کا سامان لاکر کھا اور گھر کے افراد ادب واحترام سے سلام کرنے کے لئے آنے لگے۔ ان کے لدنے اس طرح معانقہ کیا جیسے مجھے پہلے سے پہچانتے ہوں اور ان کی والدہ سیاہ عا اوڑھے ہوئے دروازہ کے قریب آکر کھڑی ہو گئیں اور وہیں سے سلام کیا اور خوش آمدید کہا۔ اور میرے دوست نے ان کی طرف سے یہ معذرت کی کہ ہمارے یہاں اجنبی انسان سے مصافحہ حرام ہے۔ مجھے بے حد تعجب ہوا اور میں نے دل ہی ل میں کہا کہ جن کو ہم دین سے خارج سمجھتے ہیں وہ ہم سے زیادہ دین کے پابند ہیں دراس کے علاوہ ہم نے سفر کے دوران جو دن ان کے ساتھ گذارے ان میں بلند علاق، عزت نفس اور کرامت وشہامت کا مکمل مشاہدہ کیا۔ ایسی تواضع اور ایسا ورع حواس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اب محسوس ہوتا تھا کہ میں مسافر نہیں ہوں ملکہ اپنے گھر میں ہوں۔ رات کے وقت ہم لوگ سونے کے لئے پشت بام پر گئے اور میں خرشب تک یہی سوچتا رہا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا بیدار ہوں۔ کیا واقعاً میں بغداد میں حضرت عبدالقادر جیلانی کے ہم سایہ میں قیام پذیر ہوں۔ میرے دوست نے یہ محسوس کر کے مسکرا کر پوچھا کہ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں تیونس والوں کا عقیدہ کیا ہے اور میں نے ان کے کرامات ومقامات کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا جو ہمارے

یہاں برابر بیان ہوتے رہتے تھے کہ وہ دائرہ کرامت کے قطب ہیں اور جس طرح یہ سیدالانبیاء ہیں وہ سیدالاولیاء ہیں اور ان کا یہ کہنا حق بجانب ہے کہ تمام لوگ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور کعبہ میرے خیمہ کا طواف کرتا ہے۔

میں مسلسل اپنے دوست کو سمجھانا چاہتا تھا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے مریدوں کے پاس آکر ان کے امراض کا علاج کرتے ہیں اور ان کی پریشانیوں کو دور کرتے ہیں میں قصداً یا بے خیالی میں ان وہابی عقائد کو بالکل بھول چکا تھا جس میں یہ تمام باتیں شرک باللہ تھیں۔ میں نے جب یہ محسوس کیا کہ میرے دوست پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے تو میں یہ سوچنے لگا کہ شاید میرا ایمان ہی صحیح نہیں ہے اور میں نے ان سے ان کی رائے کے بارے میں پوچھا۔ میرے دوست نے ہنس کر کہا کہ رات کو سویئے تکان سفر میں آرام کیجئے کل انشاء اللہ ہم لوگ شیخ کی زیارت کریں گے۔ میں اس بات پر بیحد خوش ہوا اور میرے دل کی آرزو تھی کہ صبح ابھی طالع ہو جائے۔ لیکن تکان سفر نے اتنا اثر کیا کہ میں طلوع آفتاب تک سوتا رہا اور میری نماز بھی قضا ہو گئی اور میرے دوست نے بتایا کہ میں نے بارہا جگانے کی کوشش کی لیکن جب کوئی فائدہ نہیں ہوا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔

عبدالقادر جیلانی اور موسیٰ کاظمؒ

صبح کے ناشتہ کے بعد ہم باب الشیخ تک گئے اور اس جگہ کو دیکھا جس کی زیارت کا مدتوں سے اشتیاق تھا اور پھر بے تابانہ میکر قدم بڑھنے لگے اور میں اس شان سے داخل ہوا جیسے میں آغوش رحمت میں پناہ لے رہا ہوں۔ میرے دوست مسلسل میرے ساتھ رہے۔ اور میں ان زائرین میں شامل ہو گیا جو اس مقام کی طرف اسی طرح بڑھ رہے تھے جیسے حجاج بیت اللہ کا ہجوم ہوتا ہے۔ بعض لوگ مٹھائیاں لٹا رہے تھے اور لوگ ان کو اٹھانے کے لئے مقابلہ کر رہے تھے۔ میں نے بھی دو مٹھائیاں حاصل کریں۔ ایک کو فوراً برکت کے لئے کھا لیا۔ اور ایک کو یادگار کے طور پر جیب میں چھپا لیا۔ وہیں نماز ادا کی۔ بقدر امکان دعا کی اور پانی پیا گویا زمزم کا پانی پی رہا ہوں۔ اور چاہتا تھا کہ میرا دوست اتنی دیر انتظار کرے کہ میں اپنے تیونس کے بعض دوستوں کو وہ خط لکھ دوں جس پر شیخ عبدالقادر کے روضہ کی تصویر بنی تھی اور جسے میں نے وہیں سے خریدا تھا کہ اپنے اصدقاء و اقرباء پر یہ ثابت کر سکوں کہ میری بلند ہمتی نے مجھے وہاں تک پہونچا دیا ہے جہاں ان میں سے کوئی نہیں پہونچا ہے۔ اس کے بعد ہم نے شہر کے ایک شعبی ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا اور دوست مجھے ٹیکسی سے کاظمین لے گیا۔ یہ لفظ مجھے اس گفتگو سے معلوم ہوا جو میرے دوست نے ٹیکسی ڈرائیور سے کی تھی اور جیسے ہی ہم گاڑی سے اتر کر چلے ہمیں ایک بہت بڑا مجمع دکھائی دیا۔ جس میں سب کے سب مرد و زن اطفال و بزرگ ایک ہی رخ پر جا رہے تھے۔ مجھے رسم حج کی یاد آ گئی لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میری منزل کیا ہے یہاں تک کہ مجھے سنہرا گنبد اور سنہرا مینار دکھائی

دیا جس سے آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شیعوں کی کوئی مسجد ہے اسلئے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ لوگ اپنی مسجدوں کو سونے چاندی سے مزین کرتے ہیں۔ جو کہ اسلام میں حرام ہے۔

میں وہاں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لیکن اپنے دوست کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے بے اختیار داخل ہو گیا۔ ہم پہلے دروازے سے داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ بڑے بزرگ لوگ دروازے کے بوسے لے رہے ہیں۔ میں نے اپنے نفس کو اس تختی کو پڑھ کر تسلی دی جس پہ یہ لکھا ہوا تھا کہ بے پردہ عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اور حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب عورتیں اس شان سے نکلیں گی کہ لباس پہنے ہوں گی اور برہنہ ہوں گی۔ ہم اس مقام تک پہونچے جہاں ہمارا دوست اذن دخول پڑھ رہا تھا۔ اور ہم دروازے کو دیکھ رہے تھے اور اس سونے چاندی کو دیکھ رہے تھے جس نے اسکے صفحات کو پر کر دیا تھا۔ اور ہر طرف آیات قرآنی کے نقوش تھے۔ میں اپنے دوست کے ساتھ چلتا رہا اور مسلسل ان بیانات کی بنا پر چوکنا رہا جو میں نے بعض کتابوں میں پڑھے تھے اور جن میں شیعوں کو کافر ثابت کیا گیا تھا۔ میں نے روضہ کے اندر ایسے نقش و نگار دیکھے جن کا تصور بھی نہیں کیا تھا اور دہشت زدہ رہ گیا۔ گویا کسی غیر مانوس اور غیر معروف عالم میں پہنچ گیا ہوں۔ میں بار بار بددلی سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو ضریح کے گرد طواف کر رہے تھے اور اس کے ارکان کو بوسہ دے رہے تھے۔ جب کہ دوسرے لوگ نماز بھی پڑھ رہے تھے

مجھے فوراً پیغمبر اسلام کی حدیث یاد آگئی کہ "خدا یہود و نصاری کا برا کرے کہ انھوں نے اپنے اولیا کی قبروں کو مسجد بنا لیا ہے"

میں اپنے دوست سے دور ہو گیا جب دیکھا کہ اس نے داخل ہوتے ہی گریہ شروع کر دیا پھر امام کو نماز کے لیے میں نے ... کی تحیت کے

کے قریب کھڑا ہو گیا. جو ضریح پر معلق کی گئی تھی۔ میں نے اس کو پڑھا تو اس میں اجنبی
م تھے جن کو میں سمجھ نہ سکا. آخر میں ایک گوشہ میں کھڑا ہو کر صاحب قبر کے لئے فاتحہ
رھا کر خدایا اگر یہ میت مسلمان ہو تو اس پر رحمت نازل فرما کر تو اس کے حالات کو
مجھ سے بہتر جانتا ہے۔

میرا دوست مجھ سے قریب آیا اور آہستہ سے کان میں کہا کہ اگر تمہارے
س کوئی حاجت ہے تو اس مقام پر اللہ سے طلب کرو کہ ہم لوگ انکو باب الحوائج
کہتے ہیں۔

میں نے اس کے قول کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ ان بوڑھے لوگوں
کو دیکھتا رہا جن کے سروں پر سیاہ و سفید عمامہ تھے اور جن کی پیشانیوں پر سجدوں
کے آثار تھے اور ان کی ہیبت کو ان ڈاڑھیوں نے اور بڑھا دیا تھا جن کو انہوں
نے چھوڑ رکھا تھا اور ان سے خوشبو نکل رہی تھی عالم یہ تھا کہ جب بھی کوئی شخص داخل
ہوتا تھا تو بے ساختہ رونے لگتا تھا. تو میں نے اپنے اندر یہ سوال اٹھایا کہ کیا یہ سارے
آنسو جھوٹے ہیں. اور کیا یہ ہو سکتا ہے کہ سارے بوڑھے بزرگ خطا کار ہوں؟ میں اسی
حیرت اور دہشت کے عالم میں باہر نکل آیا جب کہ میرا دوست احتراماً الٹے پاؤں چل
رہا تھا تاکہ قبر کی طرف پشت نہ ہونے پائے.

میں نے اس سے پوچھا کہ یہ صاحب قبر کون ہے؟ اس نے کہا کہ امام موسیٰ
کاظمؑ ہیں ۔۔۔ میں نے پوچھا کہ یہ امام موسیٰ کاظمؑ کون ہیں؟

اس نے کہا سبحان اللہ آپ اہلسنت نے مغز کو چھوڑ دیا اور چھلکوں کو پکڑ
لیا۔ میں نے غصہ میں آکر کہا کہ اس لفظ کا مطلب کیا ہے تو اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے
کہا کہ بھائی آپ جب سے عراق میں داخل ہوئے ہیں برابر عبد القادر جیلانی کا ذکر
کر رہے ہیں ... کو ... میں ... کو آپ نے اس قدر اہمیت دے رکھی ہے

میں نے فوراً پورے فخر کے ساتھ جواب دیا کہ یہ ذریت پیغمبرؐ میں ہیں اور اگر پیغمبرؐ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو عبدالقادر جیلانی ہوتے۔

اس نے کہا کہ برادر سماوی! کیا آپ تاریخ اسلامی سے باخبر ہیں؟ میں نے بلا تردد جواب دیا جی ہاں! حالانکہ حقیقتاً میں تاریخ اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس لئے کہ ہمارے اساتذہ اور معلمین ہم کو اس کام سے اس لئے روکتے تھے کہ یہ تاریخ سیاہ اور تاریک ہے اور اس کے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ میرے ایک استاد جو بلاغت کا درس دیا کرتے تھے ایک دن نہج البلاغہ کا خطبہ شقشقیہ پڑھا رہے تھے اور میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اس کے مضامین سے حیرت زدہ ہوا جا رہا تھا۔ اور میں نے ہمت کر کے یہ سوال کیا، کیا واقعاً یہ امام علیؑ کا کلام ہے تو انھوں نے کہا کہ یقیناً! اور ان کے علاوہ ایسی بلاغت کس سے ممکن ہے اور اگر یہ ان کا کلام نہ ہوتا تو محمد عبدہ جیسے علماء اسلام اسکی شرح کیوں کرتے تو میں نے کہا کہ امام علیؑ تو ابوبکر و عمر کو یہ الزام دیتے ہیں کہ انہوں نے ان کے حق خلافت کو غصب کر لیا ہے؟ تو میرے استاد کو جلال آگیا اور انہوں نے شدت سے ڈانٹتے ہوئے آئندہ ایسے سوالات پر کالج سے نکال دینے کی تہدید کی، اور فرمایا کہ ہم بلاغت کے مدرس ہیں تاریخ کے مدرس نہیں ہیں ہماری نظر میں اس تاریخ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جس کے صفحات فتنوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگوں سے سیاہ ہیں۔ اور جب خدا نے ہماری تلواروں کو ان کے خون سے پاک رکھا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو بھی ان کی برائیوں سے پاک رکھیں گے میں اس توجیہ سے مطمئن نہیں ہوا۔ اور میرا غصہ اس استاد پر برقرار رہا جو بے معنی بلاغت کا درس دے رہا تھا۔ اور میں نے کئی مرتبہ تاریخ اسلامی پڑھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن میرے پاس مصادر اور امکانات کی کمی تھی اور میں نے اپنے کسی عالم کو تاریخ کو اہمیت دیتے

یتے نہ دیکھا تھا بلکہ گویا سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اسے لپیٹ کر رکھ دیا جائے۔ اسی لئے کسی کے پاس مکمل تاریخ کی کوئی ایک کتاب نہ تھی اور اسی لئے جب میرے دوست نے تاریخ کے بارے میں سوال کیا تو میں نے صرف ہٹ دھرمی کے طور پر کہہ دیا اور میری زبان حال یہ کہہ رہی تھی کہ تاریخ ایک سیاہ و تاریک تاریخ ہے جس کا کوئی فائدہ فتنہ و فساد اور اختلافات و تناقضات کے علاوہ نہیں ہے۔

میرے دوست نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ عبدالقادر جیلانی کب پیدا ہوئے اور کس دور کے آدمی ہیں؟

میں نے کہا کہ تقریباً چھٹویں یا ساتویں صدی کے۔

اس نے کہا کہ ان کے اور رسول اللہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ تو میں نے کہا صدی کا

اس نے کہا کہ اگر ایک صدی میں کم سے کم دو نسلیں گذرتی ہیں تو ان کے اور ل کے درمیان بارہ نسلوں کا فاصلہ ہوگا؟

میں نے کہا بیشک۔

اس نے کہا لیکن حضرت موسیٰ بن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن فاطمہ زہراؑ نسب ان کے جد رسول اللہ تک چار ہی پشتوں میں پہنچ جاتا ہے یا یوں کہئے کہ وہ دوسری صدی ہجری میں پیدا ہونے والے شخص ہیں تو اس طرح رسول اللہ سے قریب کون ہوگا؟

میں نے بے ساختہ جواب دیا کہ یقیناً یہ قریب تر ہوں گے لیکن ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔

اس نے کہا کہ اصل حاصل غزل یہی ہے اور اسی لئے میں نے کہا تھا کہ آپ لوگوں نے مغز کو چھوڑ دیا ہے اور چھلکوں کو لے لیا ہے تو آپ برا نہ مانیں میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ ہم باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک مرتبہ ایک علمی مجلس تک پہونچے

جہاں طلباء و اساتذہ آپس میں تبادلۂ خیالات کر رہے تھے ہم وہاں بیٹھ گئے اور ہمارا دوست جیسے کسی کو تلاش کرنے لگا کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر ہمیں سلام کیا اور ہم سمجھ گئے کہ یہ اس کا جامعہ کا دوست ہے۔ اس نے کسی شخص کے بارے میں سوال کیا اور ہم نے جوابات سے اندازہ لگایا کہ وہ ڈاکٹر ہے جو عنقریب آنے والا تھا۔ اتنے میں میرے دوست نے کہا کہ میں آپ کو یہاں اس لئے لایا ہوں کہ میں آپ کی ملاقات ایک ایسے ڈاکٹر سے کراؤں گا جو تاریخ میں ایکسپرٹ ہے اور یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر ہے۔ اس نے عبدالقادر جیلانی کے بارے میں تھیسس لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے اور اس کی ملاقات آپ کے حق میں مفید ہو سکتی ہے میں تاریخ کا ماہر نہیں ہوں۔

ہم نے تھوڑا بہت کولڈ ڈرنک پیا تھا کہ وہ پروفیسر صاحب آگئے۔ ہمارے دوست نے اٹھ کر سلام کیا اور مجھ کو ان کے سامنے پیش کر کے یہ تقاضا کہ وہ مجھے عبدالقادر جیلانی کی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیں۔ ڈاکٹر نے ہمارے لئے ٹھنڈا شربت منگایا اور ہم سے ہمارے نام شہر اور پیشہ کے بارے میں پوچھا اور یہ سوال کیا کہ تمہارے ملک میں عبدالقادر جیلانی کی شہرت کیسی ہے؟

میں نے ان سے بہت سی باتیں بتائیں اور یہ بھی کہا کہ ہمارے یہاں بے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شب معراج جب جبریل ایک مقام پر جا کر ٹھہر گئے تو حضور کو عبدالقادر جیلانی اپنے کاندھوں پر لے گئے اور حضور نے یہ سند دی کہ میرے قدم تمہاری گردن پر ہیں اور تمہارے قدم قیامت تک تمام اولیاء کی گردن پر رہیں گے۔

ڈاکٹر صاحب ہماری یہ باتیں سن کر بہت ہنسے اور میں یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ ہنسی ان روایات پر ہے یا کسی اور بات پر ہے۔ تھوڑے سے مباحثہ کے بعد انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے ریسرچ کے دوران سات سال میں لاہور، ترکی، مصر، برطانیہ

ران تمام مقامات کا سفر کیا ہے جہاں عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب مخطوطات
ہے اور ان سب کی تصویریں بھی حاصل کی ہیں لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہ مل سکا
ہ رسول اللہ کی اولاد سے تھے۔ صرف ان کی اولاد میں سے کسی شخص کا ایک شعر ہے
س میں رسول اللہ کو جد کہا گیا ہے اور بعض علماء نے اس کی تفسیر بھی پیغمبر کی اس
حدیث سے کی ہے کہ "میں ہر پرہیز گار کا جد ہوں" اور پھر مزید یہ بتایا کہ صحیح تاریخ کی
پر عبدالقادر کی اصل ایرانی ہے اور وہ اصلاً عربی نہیں ہیں۔ وہ ایران کے ایک شہر
ان میں پیدا ہوئے اور اسی کی طرف منسوب ہیں۔ وہاں سے بغداد آئے اور وہیں
حاصل کیا۔ اور پھر وہیں درس دینے لگے جس وقت کہ وہاں کے اخلاقی حالات بعید
ب تھے۔ انہوں نے زہد کا راستہ اختیار کیا تو لوگوں نے ان سے محبت کرنا شروع کر دی
مرنے کے بعد ان کے نام پر ایک طریقۂ قادریہ ایجاد کر دیا جس طرح کہ عام طور پر
بیوں کے مرید کیا کرتے ہیں اور یقیناً اس اعتبار سے عرب کی حالت انتہائی افسوسناک
اچانک میرے ذہن میں وہابیت کی غیرت بھڑک اٹھی اور میں نے ڈاکٹر صاحب
کہا کہ آپ وہابی الخیال معلوم ہوتے ہیں اور انہیں کی طرح اولیاء اللہ کا انکار کرتے
۔ تو انھوں نے کہا کہ میں ہر گز وہابی الخیال نہیں ہوں اور مسلمانوں کی افسوسناک
یہی ہے کہ وہ ہمیشہ افراط یا تفریط کی منزل میں رہتے ہیں یا تمام ایسے خرافات پر ایمان
س گے جن کی کوئی عقلی یا شرعی دلیل نہ ہو یا تمام اشیاء کا انکار کر دیں گے۔ یہاں تک
پیغمبر کے معجزات اور احادیث کا بھی اقرار نہ کریں گے اگر ان کے خواہشات اور عقائد
م آہنگ نہ ہوں۔ اسی بعد المشرقین کا نتیجہ یہ ہے کہ صوفی اس امکان کے قائل ہو گئے کہ
لقادر جیلانی بیک وقت بغداد اور تیونس میں ہو سکتے ہیں کہ تیونس کے مریض کو شفاء
یں اور بغداد میں دجلہ میں ڈوبنے والے کو نکال لیں جو افراط کی منزل ہے اور
نہ کا انکار کر کے منزہ تو سل کو بھی شرک قرار دیا

جو تقریباً کی منزل ہے جبکہ ہم وہی چاہتے ہیں جو پروردگار نے کہا ہے کہ تم کو امت وسط بنایا گیا ہے تاکہ لوگوں کے گواہ بنو۔ مجھے استاد کا کلام بہت پسند آیا او میں نے بنیادی طور پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی باتوں سے اطمینان کا اظہار کر دیا تو انہوں نے عبد القادر جیلانی پر اپنی کتاب نکال کر مجھے بطور ہدیہ دی اور مجھے اپنے یہاں مہمان بننے کی دعوت دی جس میں نے معذرت کر لی اور ہم تیونس اور شمالی افریقہ کے بارے میں مختلف باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ہمارا دوست اپنے کام سے واپس آگیا اور ہم رات کے وقت گھر واپس آگئے جبکہ ہم نے سارا دن ملاقات اور مباحثات میں گذارا اور بے حد تھکان کے احساس کی بنا پر اپنے کو نیند کے سپرد کر دیا۔ صبح سویرے اٹھ کر میں نے نماز پڑھی اور اس کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ میرا دوست اس وقت اٹھا جب میں آدھی کتاب پڑھ چکا تھا۔ وہ بار بار مجھے ناشتہ کی دعوت دے رہا تھا لیکن میں انکار کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے مطالعہ مکمل کر لیا اور کتاب نے میرے اندر ایک ایسا شک پیدا کر دیا جو بہت دیر باقی نہیں رہ سکا اور عراق چھوڑنے سے پہلے پہلے زائل ہو گیا۔

شک اور سوال

میں اپنے دوست کے گھر میں تین دن مقیم رہا جس میں آرام بھی کیا اور مسلسل ان بیانات پر فکر بھی کرتا رہا جو ان لوگوں سے سنے تھے جن کا تازہ انکشاف ہوا تھا اور گویا کہ یہ لوگ سطح قمر پر آباد تھے تو کیوں ایسا ہوا کہ ہر شخص ان کے بارے میں وہی تذکرے کرتا تھا جو عیب دار اور توہین آمیز ہوں اور کیوں میں خود ان سے بیزار اور متنفر ہوں جب کہ میں انہیں پہچانتا بھی نہیں، شاید یہ ان پروپیگنڈوں کا نتیجہ ہے جو ان کے بارے میں بارہا سنا ہے کہ یہ لوگ علیؑ کی عبادت کرتے ہیں. اور اپنے ئمہ کو خدا کی جگہ پر رکھتے ہیں اور حلول کے قائل ہیں یا خدا کو چھوڑ کر پتھر کو سجدہ کرتے ہیں یا جیسا کہ میرے باپ نے حج کی واپسی پر بیان کیا تھا کہ یہ لوگ قبر پیغمبرؐ کے پاس وہاں نجاستیں ڈالنے کے لئے آتے ہیں اور ان کو سعودیوں نے رنگے ہاتھوں گرفتار کر کے پھانسی بھی دی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسی تیں سنیں اور شیعوں سے بیزار اور متنفر نہ ہوں یا ان سے جہاد نہ کریں لیکن میری مشکل یہ ہے کہ میں ان اخبار کی کس طرح تصدیق کروں جبکہ میں نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھا ہے اپنے کانوں سے بہت کچھ سنا ہے اور اب تو ان کے درمیان رہتے ہوئے ایک ہفتہ سے زیادہ گذر چکا ہے جبکہ میں نے ان سے سوائے منطقی کلمات کے اور کوئی بات نہیں سنی ہے۔ وہ کلمات جو عقل میں بلا کسی اجازت کے داخل ہو جاتے ہیں بلکہ مجھے ان کی عبادت، نماز، دعاء، اخلاق اور احترام علماء نے اس قدر متاثر کیا ہے کہ میں انھیں جیسا بننا چاہتا ہوں۔ اب میں اپنے دل ہی دل میں سوال کرنے لگا ہوں کہ کیا واقعاً یہ لوگ رسول اللہ سے نفرت کرتے ہیں جب کہ میں نے

بار ہا ان کے سامنے حضور کا تذکرہ کیا اور ہر مرتبہ ان لوگوں نے بلند آواز سے صلوات پڑھی کہ مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ سب منافق ہیں لیکن یہ خیال اس وقت ختم ہو گیا جب میں نے ان کی کتابوں کی ورق گردانی کی اور پیغمبرؐ کے بارے میں دیکھ احترام اور تقدیس کے کلمات دیکھے جو اپنی کتابوں میں کبھی نہیں دیکھے تھے۔ یہ لوگ قبل بعثت اور بعد بعثت پیغمبرؐ کی مکمل عصمت کے قائل ہیں جبکہ اہلسنت صرف تبلیغ قرآن میں معصوم مانتے ہیں اور باقی مقامات پر ایک خطا کار بشر قرار دیتے ہیں اور اکثر اوقات ان کی خطا اور صحابہؓ کی صحیح رائے کی مثالیں بھی دیتے ہیں جبکہ شیعہ اس بات کو شدت سے ٹھکرا دیتے ہیں کہ رسول اللہ غلطی کریں اور کوئی دوسرا شخص صحیح کہے تو ان حالات میں کس طرح میں اس بات کی تصدیق کر سکتا ہوں کہ یہ لوگ رسول اللہؐ کو ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن میں نے اپنے دوست سے اس موضوع پر گفتگو کی اور اس سے التماس کی بلکہ قسم دلائی کہ جواب بالکل صاف و صریح ہو جس کے نتیجہ میں یہ گفتگو سامنے آئی۔

— آپ لوگ علی کرم اللہ وجہہ کو بمنزلہ انبیاء سمجھتے ہیں اور جب ان کا ذکر آتا ہے تو علیہ السلام کہتے ہیں۔

— یقیناً ہم امیر المومنین اور ائمہ کے ذکر پر انہیں علیہ السلام کہتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حضرات انبیاء ہیں، یہ رسول کی ذریت اور ان کی وہ عترت ہیں جن پر صلوات بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی بنا پر ان پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا درست ہے۔

— برادر، ہم سوائے رسول اللہؐ اور انبیاء و سابقین کے کسی کے لیے صلوات وسلام کے قائل نہیں ہیں اور ہمیں علیؑ یا اولاد علیؑ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

— میری خواہش اور میرا تقاضا یہ ہے کہ آپ کچھ زیادہ پڑھیں تا کہ حقیقت

سے باخبر ہو جائیں۔

— برادر، میں کون سی کتابیں پڑھوں۔ کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ اہلِ یمین کی کتابیں بھی ہمارے لئے سند اور قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں کی کتابوں میں عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کا ذکر موجود ہے جبکہ قرآن حکیم جو کہ اصدق العالمین ہے خود عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے نقل کرتا ہے کہ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی۔

— آپ نے بالکل صحیح کہا۔ میں آپ سے کہہ بھی چکا ہوں اور پھر یہ چاہتا ہوں کہ عقل و منطق استعمال کریں اور قرآن کریم اور سنت صحیحہ سے استدلال کریں اس لئے کہ ہم سب مسلمان ہیں ہاں گفتگو اگر کسی یہودی یا عیسائی سے ہوتی تو طرز استدلال کچھ اور ہوتا۔

— میں کس کتاب میں حقیقت تلاش کروں جب کہ ہر مؤلف ہر فرقہ اور ہر مذہب اپنے برحق ہونے کا دعویدار ہے۔

— میں عنقریب بہت واضح دلیل پیش کروں گا جس میں مسلمانوں کے فرقوں میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ آپ ہمیں جانتے ہیں۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ علم میں اضافہ کرے۔ کیا آپ نے آیۂ کریمہ "ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً" کی تفسیر پڑھی ہے اس کے بارے میں تمام شیعہ اور سنی مفسرین کا اجماع ہے کہ جن اصحاب [illegible]طب بنایا گیا ہے وہ رسول اللہ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم آپ پر سلام کا طریقہ [illegible]نے ہیں لیکن صلوات کا طریقہ نہیں جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہو "اللّٰھمّ صلّ [illegible]محمد وآل محمد کما صلیت علی ابراھیم وآل ابراھیم فی العالمین انک حمیدٌ

بھیجئے" اور خبردار مجھ پر ناقص صلوات نہ پڑھنا۔
پوچھا گیا یا رسول اللہ! یہ ناقص صلوات کیا ہے؟ تو فرمایا کہ "اللھم صل علی محمد" کہہ کر خاموش ہو جاؤ اور یاد رکھو کہ اللہ کامل ہے تو کسی ناقص کو قبول نہیں کرتا۔ اور اسی لئے ان کے بعد صحابہ اور ان کے بعد تابعین کامل صلوات پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ امام شافعی نے ان کے بارے میں فرمادیا ہے کہ "اے اہلبیت رسول آپ کی محبت وہ فریضہ الٰہی ہے جس کو قرآن میں نازل کیا گیا ہے۔ آپ کی عظمت وشان کے لئے یہی کافی ہے کہ جو آپ پر صلوات نہ پڑھے اس کی نماز نماز نہیں ہے۔"

میرے دوست کا بیان میرے کانوں سے ٹکراتا جاتا تھا اور میرے دل میں اترتا جاتا تھا۔ بلکہ اس کا مثبت ردعمل بھی ہو رہا تھا اور اس وقت جب کہ میں نے یہ باتیں بعض کتابوں میں پڑھ لی ہیں تو اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ ہم رسول پر صلوات بھیجتے وقت ان کے آل واصحاب پر بھی صلوات پڑھیں گے لیکن علیؑ کو الگ سے علیہ السلام نہیں کہیں گے۔

میرے دوست نے کہا کہ آپ کی بخاری کے بارے میں کیا رائے ہے، کیا وہ شیعہ تھا؟

میں نے کہا وہ اہلسنت کے جلیل القدر امام تھے۔ اور ان کی کتاب کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ تو یہ سنکر وہ اٹھے اور اپنے کتب خانہ سے صحیح بخاری نکال کر کسی خاص صفحہ کو تلاش کرنے لگے اور مجھے پڑھنے کے لئے دیا کہ فلاں نے فلاں نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے۔ میں روایت کو دیکھ کر بھی تصدیق نہ کرسکا اور فرط حیرت سے یہ شک کرنے لگا کہ یہ صحیح بخاری ہے بھی یا نہیں یعنی بےچین ہو کر بار بار صفحہ اور جلد کو دیکھا اور جب میرے دوست نے کتاب کے بارے میں میرے شک کا احساس کیا تو دوسرا صفحہ کھول دیا جہاں یہ تھا کہ حضرت علی بن الحسین علیہما السلام

نے بیان کیا ہے تو میرا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ سبحان اللہ۔ اور وہ اس جواب سے مطمئن ہو کر باہر نکل گئے اور میں سوچتا رہا اور بار بار ورق گردانی کرتا رہا اور کتاب کی طباعت کے بارے میں جستجو کرتا رہا تو میں نے دیکھا کہ یہ کتاب مصر میں شرکت حلبی سے طبع اور نشر ہوئی ہے۔ خدایا۔ اب میں کیوں عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لوں جبکہ میرے سامنے صحیح ترین کتاب کی محسوس دلیل موجود ہے اور بخاری بہر حال شیعہ نہیں تھے بلکہ ائمہ اور محدثین اہلسنت میں سے تھے تو کیا میں اس حقیقت کو تسلیم کر لوں کہ علی علیہ السلام ہیں۔ لیکن خطرہ یہ ہے کہ اس حقیقت کے پیچھے بہت ہے اور حقائق آجائیں گے جن کا میں اعتراف نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنے دوست کے سامنے دو مرتبہ شکست خوردہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں عبد القادر جیلانی کے تقدس سے دست بردار ہو کر یہ تسلیم کیا کہ موسیٰ کاظم ان سے بہتر ہیں اور پھر یہ قبول کیا کہ علیؑ اس بات کے اہل ہیں کہ انہیں علی علیہ السلام کہا جائے۔ لیکن اب مزید کوئی شکست نہیں کھانا چاہتا۔ میں ہی وہ ہوں کہ کچھ دنوں پہلے مصر میں عالم کی حیثیت سے تھا جہاں علماء ازہر میرا احترام کرتے تھے اور آج اپنے نفس کو شکست خوردہ اور مغلوب دیکھ رہا ہوں اور وہ بھی ان لوگوں کے مقابلے میں جن کے بارے میں اعتقاد یہی ہے کہ وہ غلطی پر ہیں اس لئے کہ میری عادت ہو گئی ہے کہ میں لفظ شیعہ کو گالی سمجھوں۔

یہ عجیب غرور اور حب ذات کا جذبہ ہے۔ یہ تبختر، انانیت، فساد اور تعصب ہے۔ خدایا! مجھے عقل عطا فرما اور حقیقت کو تلخی کے باوجود قبول کرنے کی توفیق عطا فرما میری بصر اور بصیرت کو روشن کر دے۔ مجھے صراط مستقیم کی ہدایت فرما اور ان لوگوں میں قرار دیدے جو باتوں کو سن کر بہترین بات کا اتباع کرتے ہیں۔ پروردگار! مجھے حق کو حق دکھلا دے اور اس کے اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل کی شکل میں دکھلا دے اور اس سے اجتناب کی توفیق عطا فرما۔

میرا دوست مجھے گھر پر لے کر آیا اور میں راستہ بھر ان دعاؤں کو دہراتا رہا۔
یہاں تک کہ اس نے مسکرا کر کہا خدا ہمیں اور آپ کو اور سارے مسلمانوں کو ہدایت دے کہ اس نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا ہے کہ "جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم انھیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے اور اللہ نیک کردار لوگوں کے ساتھ ہے" اور جہاد ــــ اس آیہ میں علمی بحث کے معنی میں ہے جو انسان کو حقیقت تک پہنچا دے۔ اور اللہ ہر طالب حق کو حق کی ہدایت کرنے والا ہے۔

سفرِ نجف

ایک رات میرے دوست نے خبر دی کہ میں کل ان شاء اللہ نجف کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ نجف کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک علمی شہر ہے جہاں امام علی بن ابی طالبؑ کی قبر ہے۔ میں حیرت میں پڑ گیا کہ اسے امام علیؑ کی قبر کیوں کر معلوم ہو گئی جب کہ ہمارے شیوخ بتاتے ہیں کہ ان کی کوئی مشہور قبر نہیں ہے پھر بھی ہم ان کے ساتھ ایک عمومی گاڑی میں سوار ہو کر پہلے کوفہ پہنچے کہ مسجد کوفہ کی زیارت کریں جو اسلام کے قدیم ترین باقی آثار میں سے ہے وہاں میرے ساتھی نے تاریخی مقامات دکھلائے اور مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کا مزار دکھلایا اور مختصر لفظوں میں ان کی شہادت کی کیفیت بیان کی۔

اس کے بعد مجھے اس محراب میں لے گئے جہاں امام علیؑ کی شہادت ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہم نے ان کے اس گھر کی زیارت کی جس میں وہ اپنے دونوں فرزند سیدنا الحسنؑ اور سیدنا الحسینؑ کے ساتھ رہتے تھے۔ اس گھر میں وہ کنواں بھی ہے جس سے وہ حضرات پانی پیتے تھے اور وضو کرتے تھے۔ میں نے اس گھر میں چند ایسے روحانی لمحات گذارے کہ دنیا اور مافیہا سے غافل ہو گیا، اور صرف امام کے زہد اور ان کی سادی زندگی پر غور کرتا رہا جب وہ امیر المومنین تھے اور چوتھے خلیفہ راشد بھی تھے۔ میں اہل کوفہ کی تواضع اور شرافت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ میں جس گروہ کے پاس سے گذرا اس نے اٹھ کر ہمیں سلام کیا، اور ہمارا ساتھی ان میں سے بہت سے افراد سے واقف بھی تھا۔ ایک شخص جو وہاں کا مدیر تھا اس نے ہمیں اپنے گھر بلایا وہاں ہم نے اس کے بچوں سے ملاقات کی اور نہایت ہی خوشگوار رات گذاری جیسے ہم اپنے گھر اور خاندان

والوں کے درمیان ہوں۔ یہ لوگ جب بھی اہلسنت کا تذکرہ کرتے تھے تو برادران اہلسنت کہتے تھے جس سے میں بہت مانوس ہوا اور میں نے اس لفظ کی صداقت معلوم کرنے کیلئے بہت سے امتحانی سوالات بھی کئے۔

کوفہ سے ہم نجف گئے جو وہاں سے تقریباً دس کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے وہاں پہونچتے ہی ہمیں کاظمین کی یاد آگئی کہ دور سے روضہ کے مینار نظر آئے جو سنہرے گنبد کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ شیعہ زائرین کے طریقہ کے مطابق ہم اذن دخول پڑھ کر امام کے حرم میں داخل ہوئے اور وہاں ہم نے کاظمین سے زیادہ عجیب منظر دیکھا، میں عادتاً فاتحہ پڑھا جبکہ مجھے اس بات میں شک تھا کہ اس قبر میں امام علیؑ کا جسد اطہر ہے بلکہ اس گھر کی سادگی کو دیکھ کر جس میں آپ کوفہ میں رہا کرتے تھے یہ اطمینان ہوگیا کہ حضرت علیؑ اس سنہری اور روپہلی آرائش سے ہرگز راضی نہیں ہوسکتے جبکہ دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان بھوک سے مر رہے ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ خود وہاں بھی میں نے ایسے فقراء دیکھے جو خیرات مانگنے کے لئے ہر راہ گیر کے آگے ہاتھ پھیلا دیتے تھے۔

میری زبان حال یہ کہہ رہی تھی شیعو! تم غلطی پر ہو کم از کم اپنی غلطی کا اقرار کرلو کہ جس علیؑ کو رسول اللہ نے قبروں کو برابر کر دینے کے لئے بھیجا تھا اس کی قبر پر سونے چاندی کی کاری گری اگر شرک نہیں ہے تو کم سے کم ایسی عظیم غلطی ضرور ہے جس کو اسلام معاف نہیں کر سکتا۔

میرے ساتھی نے مٹی کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے سوال کیا کہ کیا آپ نماز پڑھیں گے۔ تو میں نے سختی سے جواب دیا کہ ہم قبروں کے پاس نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ اس نے کہا اچھا اتنی مہلت دیجئے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ میں اسکے انتظار میں ضریح پر معلق تختی کو پڑھنے لگا اور جالیوں کے درمیان سے اس کے

اندر دیکھا تو اس میں درہم و دینار اور ریال دلیرہ کے نوٹ بھرے ہوئے تھے اسکو زائرین وہاں کے تعمیری پروگرام میں حصہ لینے کے لئے برکت کے طور پر ڈال دیتے تھے میرا یہ خیال تھا کہ اتنی بڑی مقدار کئی مہینوں میں جمع ہوئی ہو گی۔ لیکن میرے ساتھی نے بتایا کہ یہاں کے متولین ہر رات نماز عشاء کے بعد اس ذخیرہ کو صاف کر دیا کرتے ہیں۔ میں وہاں سے نہایت ہی حیرت و دہشت کے عالم میں نکلا اور گویا میری آرزو تھی کہ کاش اسمیں سے کچھ مجھے مل جاتا یا کم سے کم ان فقرا و مساکین ہی پر تقسیم ہو جا جو وہاں بکثرت پائے جاتے تھے۔ میں چار دیواری کے ہر گوشہ میں دیکھ رہا تھا کہ لوگوں کی جماعتیں کہیں محو نماز ہیں اور کہیں خطباء کے بیانات سُن رہی ہیں اور بعض اطراف سے رونے کی آوازیں بھی بلند ہیں۔ پھر میں نے کچھ گروہوں کو دیکھا جو گریہ کے ساتھ سینہ زنی بھی کر رہے تھے اور میں نے چاہا کہ اپنے ساتھی سے دریافت کروں کہ انھیں کیا ہو گیا ہے جو گریہ و سینہ زنی کر رہے ہیں کہ ہمارے قریب سے ایک جنازہ بھی گذرا جس کے بارے میں یہ دیکھا کہ صحن کا ایک پتھر اٹھا کر میت کو سرداب میں اتار دیا گیا تو میں سمجھا کہ یہ رونا شاید اسی میت کے لئے تھا جو ان لوگوں کی نگاہ میں عزیز و محبوب رہی ہو گی۔

ملاقات علماء

میرا ساتھی مجھے حرم کے گوشہ کی ایک مسجد میں لے گیا جہاں مکمل طور پر قالین بچھا ہوا تھا۔ اور محراب میں نہایت ہی خوبصورت طریقہ سے آیات قرآنی نقش تھیں۔ میری توجہ بچوں کی اس جماعت کی طرف ہو گئی جو عمامے باندھے ہوئے محراب کے قریب مباحثہ کر رہے تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ مجھے یہ منظر انتہائی حسین دکھائی دیا۔ اور میں نے کبھی ایسے اہل علم نہیں دیکھے تھے جو تیرہ اور سولہ کی درمیانی عمر میں علماء کی شکل میں ہوں اور ان کا لباس اس انداز کا ہو جو انہیں آسمان کا چاند بنا دے۔

میرے ساتھی نے ان لوگوں سے سید کے بارے میں سوال کیا۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ نماز جماعت پڑھائیں گے۔ میں نے سمجھا کہ یہ سید کوئی بزرگ ہیں لیکن اتنا ضرور اندازہ ہو گیا کہ وہ علماء میں کوئی بزرگ ہیں۔ یہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قوم شیعہ کے عظیم ترین رہنما حوزۂ علمیہ کے زعیم و ذمہ دار سید الخوئی ہیں جبکہ مجھے یہ معلوم تھا کہ شیعوں میں سید ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نسل پیغمبرؐ سے ہو اور سید عالم ہو یا طالب علم سیاہ عمامہ باندھتا ہے جبکہ دوسرے علماء سفید عمامہ باندھتے ہیں اور انہیں شیخ کہا جاتا ہے اسکے علاوہ باقی اشراف جو علماء نہیں ہیں سبز عمامہ باندھتے ہیں۔ میرے ساتھی نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم تھوڑی دیر ان کے ساتھ بیٹھیں اور اس کے بعد سید کی ملاقات کے لئے جائیں گے۔ ان لوگوں نے خوش آمدید کہا۔ اور نصف دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ میں ایک ایک کے چہرہ کو بغور دیکھ رہا تھا اور ان کی پاکیزگی نفس اور پرہیزگاری کا احساس کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں پیغمبرؐ کی حدیث گردش کر رہی تھی کہ انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس کے ماں باپ یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں اور میں اپنے دل میں

سمجھ رہا تھا کیا شیعہ بنا دیتے ہیں۔ ان بچوں نے میرے وطن کے بارے میں سوال کیا تو میں نے بتایا کہ تیونس۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا وہاں بھی حوزات علمیہ پائے جاتے ہیں میں نے کہا کہ ہمارے یہاں اسکول اور کالج ہیں اس کے بعد چاروں طرف سے سوالات کی بوچھار ہو گئی جو نہایت ہی گہرے اور پریشان کن تھے۔ میں ان بچوں سے کیا کہوں جن سادہ لوگوں کو یہ خیال ہے کہ سارا عالم اسلام حوزۂ علمیہ ہے جہاں فقہ و اصول دین اور شریعت و تفسیر کی تعلیم دی جاتی ہے اور انھیں یہ خبر نہیں ہے کہ ہمارا عالم اسلامی اور ہمارے ممالک اس دور سے آگے بڑھ گئے ہیں کہ ہم نے قرآنی مکاتب کو ابتدائی اسکول میں تبدیل کر دیا ہے جس کی نگرانی عیسائی راہبات کے ہاتھوں میں ہے تو کیا میں ان سے کہہ دوں کہ یہ لوگ ہماری نسبت سے ابھی پچھڑے ہوئے ہیں۔

ایک بچہ نے مجھ سے سوال کیا کہ تیونس کا عمومی مذہب کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ مذہب مالکی اور یہ دیکھا کہ انہیں سے بعض بچے ہنس رہے ہیں۔ لیکن میں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس نے کہا کہ کیا آپ لوگ مذہب جعفری سے باخبر نہیں ہیں؟ تو میں نے کہا نہیں۔ یہ نیا نام کیا ہے ہم تو سوائے چار مذاہب کے کچھ نہیں جانتے ہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اسلام نہیں ہے۔

بچہ نے مسکرا کر کہا معاف کیجئے گا مذہب جعفری خالص اسلام ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق ؑ کے شاگرد تھے اور ابو حنیفہ نے انہیں کے بارے میں یہ کہا تھا کہ اگر شاگردی کے دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ میں خاموش ہو گیا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لئے کہ اس نے ایک ایسا نام لے لیا جس کو میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ لیکن میں نے شکر خدا کیا کہ ان کے امام جعفر صادق ؑ امام مالک کے استاد نہیں تھے، اور ہم تو مالکی ہیں حنفی

ہیں ہیں۔ اس نے کہا کہ مذاہب اربعہ میں سب نے ایک دوسرے سے علم لیا ہے۔ احمد بن حنبل نے شافعی سے۔ شافعی نے مالک سے، مالک نے ابو حنیفہ سے اور حضرت ابو حنیفہ نے حضرت جعفر صادقؑ سے لہٰذا یہ سب کے سب جعفر ابن محمدؑ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے جد کی مسجد میں اسلامی درس گاہ قائم کی تھی جہاں چار ہزار سے زیادہ محدث اور فقیہہ ان کی شاگردی کرتے تھے۔ میں اس بچہ کی ذہانت کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا جو تاریخی واقعات کو اس روانی سے بیان کر رہا تھا جیسے ہم لوگ قرآن کے سورہ حفظ کرتے ہیں۔ اور اس وقت میری مدہوشی میں اور اضافہ ہو گیا جب اس نے بعض تاریخی مصادر جلد اور باب کے حوالے کے ساتھ بیان کئے اور سلسلۂ بیان کو یوں جاری رکھا جیسے کوئی استاد اپنے شاگرد کو تعلیم دے رہا ہو۔ مجھے اس کے سامنے اپنی کمزوری کا احساس پیدا ہوا تو میں نے آرزو کی کہ کاش میں اپنے ساتھی کے ساتھ نکل گیا ہوتا اور ان بچوں کے درمیان نہ بیٹھا ہوتا۔ اب تو ان کے تاریخ فقہ کے ہر سوال کے جواب سے میں عاجز تھا یہاں تک کہ ایک بچہ نے پوچھ لیا کہ میں تو کس امام کا مقلد ہوں تو میں نے کہا کہ امام مالک کا۔ اس نے کہا کہ آپ اس مردہ امام کی کس طرح تقلید کرتے ہیں جس کے اور آپ کے درمیان چودہ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اگر آج آپ کوئی نیا مسئلہ دریافت کرنا چاہیں تو وہ آپ کو کس طرح بتائیں گے؟ میں نے تھوڑی دیر غور کیا اور کہا کہ آپکے جعفر بھی مر چکے ہیں تو آپ کس کی تقلید کرتے ہیں اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ یک زبان ہو کر فی الفور جواب دیا کہ ہم سید الخوئی کے مقلد ہیں اور وہی ہمارے امام فقہ ہیں۔ میں نہ سمجھ سکا کہ ان کی نظر میں خوئی اعلم ہیں یا جعفر صادق۔ تو میں نے چاہا کہ موضوع تبدیل کر دوں اس لئے میں نے دوسرے سوالات شروع کر دئے۔ نجف کی آبادی کتنی ہے۔ نجف اور بغداد کا فاصلہ کتنا ہے۔ کیا تم لوگ عراق کے علاوہ کوئی اور ملک بھی جانتے ہو۔ اور وہ جب کوئی جواب دیتے تھے

تو میں ایک نیا سوال پیش کر دیتا تھا تاکہ وہ مجھ سے سوال کرنے سے غافل ہو جائیں اسلئے کہ اب میرے پاس کوئی جواب نہیں رہ گیا تھا لیکن میں اس کمزوری کا اعتراف بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ میں اندر سے معترف تھا کہ جو علم، بزرگی اور شرافت میں نے مصر میں دیکھی تھی وہ سب یہاں بھاپ بن کر اڑ گئی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان بچوں سے ملنے کے بعد مجھے اس شعر کے معنی معلوم ہوئے کہ "جو شخص علم میں فلسفہ کا مدعی ہے اس سے کہہ دو کہ تم نے ایک شے کا تحفظ کیا ہے اور تمہارے ہاتھ سے بہت سی اشیاء نکل گئی ہیں۔"

میرا تصور یہ تھا کہ ان بچوں کی عقلیں ان مشائخ کی عقلوں سے بڑی ہیں جنکو میں نے ازہر میں دیکھا تھا۔ اور ان علماء کی عقلوں سے عظیم تر ہیں جن کو میں تیونس میں جانتا ہوں۔ اتنے میں سید الخوئی باوقار علماء کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے اور ان بچوں کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ بچوں نے بڑھ کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ان کے بیٹھتے ہی سارا مجمع بیٹھ گیا۔ اور انہوں نے ہر ایک سے مساکم اللہ بالخیر کہنا شروع کیا۔ اور سب نے ویسے ہی جواب دیا۔ یہاں تک کہ میرا نمبر آیا تو میں نے بھی ویسے ہی جواب دیا۔ پھر میرے ساتھی نے ان سے سرگوشی کرتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا کہ قریب آئیں اور مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دیا اور کہا کہ آپ سید سے بیان کریں کہ آپ نے تیونس میں شیعوں کے بارے میں کیا سنا ہے؟ تو میں نے کہا کہ مجھے ان حکایات کی ضرورت نہیں ہے جو یہاں وہاں سے سُنی ہیں۔ اب تو میں براہِ راست شیعوں کے عقائد جاننا چاہتا ہوں اور میرے پاس کچھ سوالات ہیں جن کے واضح جوابات جاننا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھی نے اصرار کیا کہ میں ان اعتقادات کا تذکرہ کروں تو میں نے کہا کہ ہمارے نزدیک شیعہ اسلام کے حق میں یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور موسیٰ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن شیعوں کے بارے میں سُنا جاتا ہے کہ وہ علیؑ کی عبادت کرتے ہیں اور بعض خدا کی

عبادت بھی کرتے ہیں تو علیؑ کو نبی کی منزل پر قرار دیتے ہیں۔ پھر میں نے جبریل والا قصہ سُنایا کہ انہوں نے خیانت کر کے رسالت کو علیؑ کے بجائے محمدؐ کے حوالہ کر دیا۔ سید کچھ دیر سر جھکائے سنتے رہے۔ اس کے بعد نظر اٹھا کر فرمایا کہ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہیں اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ دیکھو ان سادہ لوحوں کو غلط پروپیگنڈہ نے کس قدر غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ میں نے بعض لوگوں سے اس سے کچھ زیادہ ہی سُنا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس کے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا کہ میں دس سال کی عمر میں نصف قرآن کا حافظ ہو چکا تھا۔ انہوں نے فرمایا تو کیا آپ جانتے ہیں کہ اسلام کے تمام فرقے قرآن کریم پر متفق ہیں۔ اور جو قرآن ہمارے پاس ہے وہی قرآن آپ حضرات کے پاس بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ مجھے معلوم ہے۔

تو انھوں نے فرمایا کہ کیا آپ نے یہ آیات نہیں پڑھیں "کہ محمد صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں"، یا "محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے لئے شدید ترین ہیں"۔ یا یہ کہ "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں"۔

میں نے کہا کہ ہاں میں ان آیات سے باخبر ہوں تو فرمایا کہ ان آیات میں علیؑ کی رسالت کا ذکر کہاں ہے اور جب ہمارا قرآن محمد کو رسول کہتا ہے تو یہ افترا کہاں سے آیا؟

میں یہ سنکر خاموش ہو گیا تو مزید فرمایا کہ العیاذ باللہ جبریل کی خیانت کی داستان اس سے زیادہ بدتر ہے اس لئے کہ جبریل جب حضرت محمدؐ کے پاس بھیجے گئے تھے تو حضرت عمر چالیس سال کی تھی اور علیؑ اس وقت کمسن بچے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جبریل ایسی غلطی کریں کہ انھیں جوان محمدؐ اور کمسن علیؑ کا فرق بھی معلوم نہ ہو سکے۔

وہ خاموش ہو گئے اور میں ان کے اقوال کے بارے میں فکر کرتا رہا اور ان کی گفتگو کا تجزیہ کر کے اس سے لذت حاصل کرتا رہا جو گفتگو میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی تھی اور انھوں نے میری نگاہوں سے پردے اٹھا دیئے تھے اور میں اپنے نفس سے پوچھ رہا تھا کہ میں نے خود ایسی منطقی تحلیل کیوں نہیں کی۔

اس کے بعد سید الخوئی نے مزید فرمایا کہ میں مزید یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام کے تمام فرقوں میں شیعہ ہی ایک ایسا فرقہ ہے جو انبیاء اور ائمہ کی عظمت کا قائل ہے تو جب ہمارے ائمہ جو ہماری ہی طرح کے ایک انسان تھے وہ تمام خطاؤں سے محفوظ اور معصوم ہیں تو جبریل کیسے غلطی کریں گے جو ملک مقرب بھی ہیں اور خدا نے ان کو روح الامین بھی قرار دیا ہے۔

میں نے پوچھا کہ پھر یہ افترا آت کہاں سے آئے ہیں۔ تو انھوں نے بتایا کہ ان دشمنان اسلام کی طرف سے جو مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر کے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے تھے اور انہیں آپس میں ٹکرا دینا چاہتے تھے۔ ورنہ مسلمان شیعہ ہو یا سنی سب آپس میں بھائی بھائی ہیں سب خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں۔ سب کا قرآن ایک نبی ایک اور قبلہ ایک ہے۔ اختلاف فقہی مسائل میں ہے جس طرح کہ خود سنی مذاہب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ مالک کو ابو حنیفہ سے اختلاف ہے اور ابو حنیفہ کو شافعی سے۔ میں نے کہا کہ تو کیا یہ تمام باتیں افتراء ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ آپ بحمد اللہ صاحب عقل و فہم ہیں۔ آپ نے شیعوں کے علاقے دیکھے ہیں ان کے درمیان گردش کی ہے تو کیا کہیں ان الزامات کا کوئی اثر دیکھا ہے یا سنا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے تو صرف خیر ہی خیر دیکھا ہے۔ اور میں شکر خدا کرتا ہوں کہ میری ملاقات بحری جہاز میں استاد منعم سے ہو گئی اور میں انہیں کی وجہ سے عراق آگیا اور یہاں بہت سی باتوں سے باخبر ہو گیا۔

میری یہ گفتگو سنکر استاد منعم نے مسکرا کر کہا کہ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت علیؑ کی کوئی قبر بھی ہے۔

میں نے انہیں روکا اور یہ کہنا شروع کیا کہ میں نے تو بہت سی نئی باتیں ان بچوں سے بھی سیکھی ہیں اور میرے ذہن میں یہ آرزو پیدا ہو گئی ہے کہ کاش مجھے موقع ہوتا تو میں انہیں کی طرح حوزہ علمیہ میں تعلیم حاصل کرتا۔ سید نے فرمایا اہلاً وسہلاً اگر آپ طلب علم کے خواہش مند ہیں تو حوزہ آپ کا ذمہ دار ہے اور ہم آپ کے خدمتگذار۔ حاضرین نے اس تجویز کا استقبال کیا۔ خصوصاً میرے ساتھی منعم کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ میں نے کہا کہ میں شادی شدہ ہوں اور میرے دو بچے ہیں۔ سید نے فرمایا کہ میں غذا، لباس، مکان اور تمام ضروریات کا ذمہ دار ہوں مقصد طلب علم ہے۔

میں نے تھوڑی دیر غور کیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ یہ بات کوئی معقول نہیں ہے کہ پانچ سال کالج میں استاد رہنے کے بعد میں یکبارگی شاگرد بن جاؤں ایسا فیصلہ اتنی آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے سید الخوئی کی اس پیشکش کا شکریہ ادا کیا۔ اور یہ کہا کہ میں عمرہ سے واپسی پر وطن پہنچ کر غور کروں گا۔ لیکن مجھے چند کتابوں کی ضرورت ہے۔ سید نے کتابوں کے لئے حکم دیدیا تو علماء کی ایک جماعت کھڑی ہو گئی۔ ور مختلف اشاک کھل گئے۔ چند لمحے نہیں گذرے تھے کہ میرے سامنے ستر سے زیادہ کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور ہر شخص ایک دورہ کتاب دے کر کہتا کہ یہ میری طرف سے ہدیہ ہے۔

میں نے دیکھا کہ ان تمام کتابوں کا لے جانا ممکن نہیں ہے خصوصاً جبکہ میں سعو جا رہا ہوں جہاں پر کتا کا داخلہ اس لئے ممنوع ہے کہ ملک میں اپنے

مذہب کے خلاف دوسرے عقائد نہ پھیل جائیں لیکن میں ان کتابوں کے بارے میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کر سکتا تھا جیسی کتابیں میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھیں۔ تو میں نے اپنے ساتھی اور دیگر حاضرین سے یہ کہا کہ میرا سفر بہت طویل ہے۔ دمشق، اردن سعودیہ اور واپسی میں اور طویل ہو جائے گا کہ مصر اور لیبیا ہوتے ہوئے تیونس واپس جانا ہے اور گراں باری کے علاوہ بہت سی حکومتوں میں کتابوں کا داخلہ ممنوع بھی ہے تو سید نے فرمایا کہ آپ اپنا پتہ دیدیں تو ہم ان کتابوں کو بھجوا دیں گے۔ میں نے اس نظریہ کو پسند کیا اور اپنا کارڈ جس پر تیونس کا پتہ لکھا ہوا تھا ان کے حوالے کر دیا اور ان کے احسانات کا شکریہ بھی ادا کیا۔ پھر جب میں رخصت ہو کر اٹھنے لگا تو وہ میرے ساتھ اٹھے مجھے سلامتی کی دعا دی اور کہا کہ جب میرے جد رسول اکرمؐ کی قبر کے قریب جائیے گا تو میرا سلام کہدیجئے گا۔ اس فقرہ سے حاضرین اور میں خود بیحد متاثر ہوئے اور میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہے اور میں نے دل میں کہا کہ معاذ اللہ کیا یہ بھی غلط کار ہو سکتے ہیں کیا ایسے لوگ بھی جھوٹے ہو سکتے ہیں۔ ان کی ہیبت وعظمت اور خاکساری آواز دے رہی ہے کہ یہ شرافت کے خاندان سے ہیں تو میں بے ساختہ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگا جبکہ وہ مجھ سے مسلسل انکار کرتے رہے۔ میرے ساتھ سارا مجمع اٹھا سب نے مجھ سے سلام کیا اور بعض بچے جو مجھ سے بحث کر رہے تھے میرے ساتھ چلے اور مجھ سے خط وکتابت کے لئے عنوان طلب کیا جو میں نے انہیں دیدیا۔

اب ہم دوبارہ کوفہ آئے ایک ایسے شخص کی دعوت پر جو سید الخوئی کی بزم میں موجود تھے اور ہمارے ساتھی منعم کے دوست تھے۔ جن کا نام ابو شبر تھا ہم انکے گھر میں وارد ہوئے اور دانشور نوجوانوں کی ایک جماعت کے ساتھ تمام رات محو گفتگو رہے انہیں کے درمیان بعض نوجوان سید محمد باقر صدر کے شاگرد تھے۔ اور انھوں نے ان سے

ملاقات کا مشورہ دیا اور اس بات کی ذمہ داری لی کہ دوسرے دن ان سے ملاقات کا وقت لے لیں گے۔ میرے ساتھی منعم نے اس پیش کش کو پسند کیا لیکن اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ وہ خود نہ رہ سکیں گے اس لئے کہ انھیں بغداد میں ایک کام ہے جس میں حاضری ضروری ہے۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ منعم کی واپسی تک تین چار دن ابو شبر کے مکان میں رہیں گے۔

نماز صبح کے بعد منعم بغداد کے لئے روانہ ہو گئے اور ہم سونے کے کمرہ میں چلے گئے۔ اس رات ہم نے ان دانشوروں سے بہت کچھ سیکھا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے حوزۂ علمیہ سے مختلف علوم حاصل کئے ہیں۔ فقہ و شریعت کے علاوہ انہیں اقتصاد، اجتماع، سیاست، تاریخ، لغت اور فلکیات وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔

ملاقات السیّد محمد باقر الصدرؒ

سید ابو شبر کی رفاقت بالآخر مجھے سید محمد باقر الصدر کے گھر کی طرف لے چلی۔ راستہ میں انہوں نے مشہور علماء اور تقلید وغیرہ کے بارے میں بہت سے معلومات فراہم کئے اور جب ہم سید محمد باقر الصدر کے مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مکان طلاب علوم سے بھرا ہوا ہے اور ان میں اکثریت نوجوان معمّمین کی ہے۔

سید نے اٹھ کر ہمیں سلام کیا اور خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اور پھر تیونس اور جزائر اور وہاں کے مشہور علما خضر حسین اور طاہر بن عاشور وغیرہ کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا۔ میں ان کی گفتگو سے بے حد مانوس ہوا اور ان کے چہرہ کی جلالت اور ہم نشینوں کے درمیان ان کے احترام کے باوجود میں نے کوئی اجنبیت نہیں محسوس کی جیسے میں انہیں پہلے سے پہچانتا تھا اور میں نے اس جلسہ سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اس لئے کہ میں طلباء کے سوالات بھی سن رہا تھا اور ان کے جوابات بھی اور اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ زندہ علماء کی تقلید کی قدر و قیمت کیا ہے جو تمام مشکلات کا براہ راست اور واضح جواب فراہم کرتے ہیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ شیعہ مسلمان اللہ کے عبادت گذار اور رسالت پیغمبر پر ایمان رکھنے والے ہیں اگرچہ میرے دل میں شیطان یہ وسوسہ پیدا کرتا رہا تھا کہ میں جو کچھ دیکھتا رہا ہوں وہ سب ڈرامہ معلوم ہوتا ہے اور شاید کہ تقیہ اور اظہار خلاف واقع کا نتیجہ ہو۔ لیکن بہت جلد یہ شک زائل ہو گیا اور وسوسے فنا ہو گئے اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ دسیوں افراد جن کو میں نے دیکھا یا سنا ہے سب اسی ڈرامے کے اجزاء ہوں۔ پھر اس تمثیل کی ضرورت

بھی کیا ہے۔ میں کون ہوں اور ان کی نگاہ میں میری اہمیت کیا ہے کہ میرے واسطے تقیہ استعمال کریں پھر ان کی سیکڑوں سال پرانی کتابیں اور جدید ترین کتابیں سب اپنے مقدمہ میں وحدانیت خدا اور رسالت رسول کا تذکرہ کرتی ہیں اور اس وقت جب کہ میں عراق اور خارج عراق کے مشہور مرجع تقلید السید محمد باقر الصدر کے گھر میں ہوں تو دیکھ رہا ہوں کہ جب بھی پیغمبر کا نام آتا ہے سارا مجمع یک آواز ہو کر کہتا ہے "اللّٰھم صلّ علیٰ محمد وآل محمد"۔

تھوڑی دیر کے بعد وقت نماز آ گیا اور ہم ان کے ساتھ ہمسایہ کی ایک مسجد میں گئے اور وہاں انھوں نے نماز ظہر و عصر پڑھائی اور میں نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے میں صحابۂ کرام کے درمیان کھڑا ہوں اس لئے کہ دونوں نمازوں کے درمیان ایک نمازی نے ایسی دردناک آواز سے دعا پڑھی جیسے جادو کر دیا ہو یہ دعا سراپا تمجید تھی۔ دعا کے خاتمہ پر مجمع سے آواز بلند ہوئی "اللّٰھم صلّ علیٰ محمد وآل محمد"۔

نماز کے بعد سید محراب میں بیٹھ گئے اور بعض لوگوں نے سلام کر کے خفیہ اور علانیہ سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ سید بعض سوالات کے جوابات آہستہ دیتے تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ نجی قسم کے مسائل ہیں اور سوال کرنے والا جواب لیکر ہاتھوں کو بوسہ دیکر چلا جاتا تھا۔

میں نے دل میں کہا کہ خوش قسمت ہیں یہ لوگ جن کو ایسا عالم جلیل مل جائے جو ان کے مشکلات کو حل کر دے اور ان کے مسائل کے درمیان زندگی گزارے۔

سید کی وہ محفل جس میں میں نے عنایت و اہتمام اور حسن ضیافت کا اس قدر مشاہدہ کیا کہ گویا اپنے گھر والوں کو بھول گیا اور یہ محسوس کیا کہ میں اگر ایک مہینہ ان کے ساتھ رہ جاؤں تو یقیناً ان کے حسن اخلاق اور تواضع و کرم کی بنا پر شیعہ ہو جاؤں گا۔ میں جب ان کی طرف نگاہ کرتا تھا تو وہ مسکرا کر گفتگو کرتے تھے۔ اور برابر ضروریات کے بارے میں سوال کرتے رہتے تھے۔ میں چار دن قیام کے دوران سوائے سونے کے اوقات کے

کسی موقع پر ان سے جُدا نہ ہوتا تھا۔ حالانکہ ان کے پاس زائرین اور مختلف اطراف علماء کا ہجوم رہتا تھا۔ میں نے وہاں سعودی افراد کو بھی دیکھا جب کہ میرا تصور بھی نہیں تھا کہ حجاز میں بھی شیعہ ہیں اسی طرح بحرین، قطر، لبنان، شام، ایران، افغانستان ترکی اور افریقہ کے علماء بھی دیکھے۔ ان کے ساتھ سید گفتگو بھی کرتے تھے اور ان کے ضروریات کو پورا بھی کرتے تھے کہ ہر باہر نکلنے والا مسرور و دلشاد نکلتا تھا۔ یہ بات بلا بیان نہ رہ جائے کہ میں نے وہاں ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہے جس کو تاریخ میں محفوظ کر دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ مسلمانوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ حکم خدا کو نظر انداز کر کے کس خسارہ کا سامنا کیا ہے۔

سید محمد باقر الصدر کے پاس چار افراد آئے جن کے لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ عراقی ہیں۔ ان میں ایک شخص کو چند سال قبل اپنے دادا سے ایک مکان میراث میں ملا تھا اور اس مکان کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ ڈالا جو خود بھی وہاں موجود تھا۔ تاریخ معاملت کے ایک سال کے بعد دو بھائی آئے اور انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ مرنے والے کے شرعی وارث ہیں۔ چاروں سید کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور ہر ایک اپنے اوراق واسناد دکھلا رہا تھا۔ سید نے تمام اوراق کو دیکھنے کے بعد اور چند لمحے گفتگو کرنے کے بعد ایک عادلانہ فیصلہ کر دیا کہ خریدار کو مکان میں تصرف کرنے کا حق ہے اور بیچنے والے کو چاہیے کہ دونوں بھائیوں کو ان کا حصہ دیدے

یہ فیصلہ سُن کر سب نے کھڑے ہو کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور آپس میں معانقہ کرنے لگے۔ میں یہ منظر دیکھ کر دہشت زدہ رہ گیا۔ اور میں نے ابوشبر سے پوچھا کیا قصہ تمام ہو گیا؟ انہوں نے کہا ہاں۔ ہر ایک کو اس کا حق مل گیا۔ میں نے کہا سبحان اللہ اس آسانی کے ساتھ اور اتنے مختصر سے وقت میں چند لمحوں میں اتنے بڑے

جھگڑے کا فیصلہ ؛ ایسے معاملات تو ہمارے ملکوں میں کم سے کم دس سال میں طے ہوتے ہیں جب بعض صاحبان معاملہ مرجاتے ہیں اور ان کی اولاد ان کی جگہ پر آجاتی ہے اس کے بعد عدالت اور وکیلوں کو اتنی فیس دینا پڑتی ہے کہ جو بعض اوقات خود مکان کی قیمت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ابتدائی عدالت سے اپیل تک اور اپیل سے تجدید نظر تک اور آخر میں سب راضی بھی نہیں ہوتے ہیں۔ جبکہ زحمت، مصارف، رشوت اور بغض و عداوت سب برداشت کرچکے ہوتے ہیں۔ ابو شبر نے جواب دیا یہی حال ہمارے ملکوں میں بھی ہوتا ہے بلکہ بدتر ہے۔ میں نے کہا یہ کیسے ؟ انھوں نے کہا کہ اگر لوگ اپنے مقدمہ کو سرکاری عدالت میں لے جانا چاہتے ہیں تو یہی حال ہوتا ہے جو آپ نے بیان کیا لیکن جب مرجع دین کی تقلید کرتے ہیں اور اسلامی احکام کی پابندی کرتے ہیں تو اپنے مقدمات کو اسی کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ چند لمحوں میں فیصلہ کردیتا ہے اور "صاحبان عقل کے لئے اللہ سے بہتر کس کا حکم ہوسکتا ہے"۔ سید الصدر نے ان سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ جب کہ سرکاری عدالت میں جائیے تو سر بھی مونڈ لیا جاتا ہے۔ میں اس تعبیر پر خوش ہوا کہ ہمارے یہاں بھی یہی تعبیر رائج ہے اور میں نے کہا سبحان اللہ میں ابھی تک اپنے مشاہدات کو جھٹلا رہا ہوں اور اگر یہ منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتا تو تصدیق نہ کرتا۔

ابو شبر نے کہا کہ برادر یہ تو بہت سادہ سا مسئلہ تھا۔ یہاں ایسے پیچیدہ مسائل آتے ہیں جن میں درمیان میں خونریزی کا معاملہ بھی ہوتا ہے اور مراجع چند گھنٹوں میں اس کا فیصلہ کردیتے ہیں تو میں نے حیرت سے کہا کہ کیا عراق میں دو حکومتیں ہیں، سرکاری حکومت اور رجال دین کی حکومت۔ تو انھوں نے کہا کہ نہیں حکومت تو صرف سرکاری ہے لیکن شیعہ مومنین اپنے مرجع دین کی تقلید کرتے ہیں جس کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ حکومت بعثی ہے اسلامی نہیں ہے

وہ اس کے احکام پر صرف وطنی معاملات، ٹیکس، شہری حقوق اور شخصی احوال پر عمل کرتے ہیں کہ اگر کسی متدین مسلمان کا جھگڑا کسی بے دین مسلمان سے ہو جائے تو اسے مجبوراً سرکاری عدالت ہی میں جانا پڑتا ہے اس لئے کہ بے دین مسلمان رجال دین کے فیصلہ کو قبول نہیں کرے گا۔ لیکن اگر فریقین پابند شریعت ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں پیدا ہوتا ہے اور مرجع دین کا فیصلہ فریقین کے لئے حرف آخر ہوتا ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر مرجع کے مقدمات اسی دن طے ہو جاتے ہیں جبکہ عدالتوں کے مقدمات مہینوں اور برسوں میں طے ہوتے ہیں۔

اس حادثہ نے میرے دل میں احکام الٰہیہ کی اہمیت کا شعور پیدا کرادیا اور میں قرآن مجید کے اس ارشاد کے معنی سمجھ گیا "جو خدائی قانون کے خلاف فیصلہ کریں وہ کافر ہیں ظالم ہیں اور فاسق ہیں۔" جس طرح کہ میرے نفس میں ان مدعیوں کے خلاف نفرت وعداوت کا شعور بھی بیدار ہوا جو اللہ کے عادلانہ احکام کو انسان کے بنائے ہوئے ظالمانہ احکام سے بدل دیتے ہیں اور اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پوری بے حیائی کے ساتھ احکام الٰہیہ کا مذاق بھی اڑاتے ہیں اور انہیں وحشیت و بربریت کا نام دیتے ہیں کہ انہیں چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ زناکار کو سنگسار کیا جاتا ہے اور قاتل کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ خدا جانے یہ ہماری مذہبی وراثت سے بیگانہ نظریات کہاں سے ہماری صفوں میں آگئے۔ بیشک یہ مغرب اور دشمنان اسلام کی دین ہے جنہیں معلوم ہے کہ احکام الٰہیہ کا نفاذ ان کے خاتمہ کا اعلان ہے، اس لئے کہ وہ سب چور، خائن زناکار، مجرم اور قاتل ہیں اور اگر ان پر احکام الٰہیہ منطبق کر دیئے جائیں تو آج سب کو ان سے راحت مل چکی ہوتی۔

ہمارے اور سید محمد باقر الصدر کے درمیان ان دنوں مختلف باتیں ہوتی رہیں جہاں میں ہر چھوٹی بڑی بات کے بارے میں سوال کرتا تھا اور دیگر رفقا سے صحابہ اور ائمہ

اثنا عشر کے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات کی تحقیق کرتا تھا۔

میں نے سید اسعد رسے پوچھا کہ اذان میں علی ولی اللہ کی شہادت کیوں دی جاتی ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام اللہ کے ان منتخب بندوں میں سے تھے جنھیں خدا نے انبیاء کے بعد پیغام الٰہی کا بوجھ اٹھانے کے لیے منتخب کیا تھا اور یہ سب انبیاء کے اوصیاء تھے۔ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور علی بن ابی طالبؑ حضرت محمدؐ کے وصی تھے۔ ہم انھیں اللہ و رسول کی دی ہوئی فضیلت کی بنا پر تمام صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس قرآن و سنت کے بیانات کے علاوہ عقلی دلائل بھی موجود ہیں۔ جن میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ روایتیں متواتر ہیں اور شیعہ اور سنی دونوں راستوں سے صحیح ہیں۔ ہمارے علماء نے اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں لیکن جب اموی حکومت نے یہ چاہا کہ اس حقیقت کو محو کر دیں اور علیؑ اور اولاد علیؑ کا خاتمہ کر دیں اور نتیجہ اس منزل تک پہنچا کہ انھیں منبروں سے گالیاں دی جانے لگیں اور لوگوں کو جبراً اس ظلم پر آمادہ کیا جانے لگا تو شیعہ اور پیروان علیؑ نے ان کی ولایت کی شہادت دینا شروع کر دی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ کسی مسلمان کو کسی ولی خدا کو برا بھلا کہنے کا حق نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ظالم حکومت کے خلاف ایک چیلنج تھا تاکہ عزت اللہ و رسول اور صاحبان ایمان کے لئے رہے اور یہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک تاریخی ثبوت بن جائے جس سے علیؑ کی حقانیت اور دشمنوں کے باطل ہونے کا علم ہوتا ہے۔ ہمارے فقہا کا طریقہ یہ رہا ہے کہ اذان و اقامت میں بطور استحباب اس شہادت کا اعلان کرتے رہے ہیں نہ اسلئے کہ یہ اذان و اقامت کا جز ہیں اسلئے کہ جزئیت کی نیت سے تو اذان اور اقامت بھی باطل ہو جاتی ہے اور مستحبات عبادات و معاملات بیحد شمار ہیں جن کے فعل پر مسلمان کو ثواب ملتا ہے اور ترک پر عتاب نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر شہادت وحدانیت

ورسالت کے بعد مستحب ہے کہ مسلمان یہ بھی کہے اشہد ان الجنۃ حق والنار حق وان اللہ یبعث من فی القبور ــــــــ لیکن یہ جزء اذان نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارے علمار کی تعلیم ہے بر بنائے تحقیق افضل خلفار ابوبکر صدیق ہیں اس کے بعد عمر فاروق ہیں۔ اس کے بعد سیدنا عثمان اور اس کے بعد سیدنا علی ؟ تو سید نے قدرے خاموشی کے بعد فرمایا کہ وہ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں لیکن شرعی دلائل سے ثابت نہیں کر سکتے ہیں یہ قول ان صریح بیانات کا مخالف ہے جو خود انکی صحیح اور معتبر کتابوں میں پائے جاتے ہیں کہ افضل الناس ابوبکر ہیں اس کے بعد عثمان ہیں اور علی کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ انہیں عام معمولی انسانوں میں قرار دیا گیا ہے یہ تو بعد کے علمار ہیں جنہوں نے خلفار راشدین کے ذکر کی بنیاد پر انہیں بھی شامل کر لیا ہے۔

اس کے بعد میں نے اس سجدہ گاہ کے بارے میں سوال کیا جس کو تربت حسینی کہا جاتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ہم خاک پر سجدہ کرتے ہیں خاک کو سجدہ نہیں کرتے ہیں جیسا کہ بعض غلط پروپیگنڈہ کرنے والوں کا خیال ہے۔ سجدہ فقط اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اور اہلسنت کے درمیان اتفاقی ہے کہ سجدہ کے لئے بہترین شے زمین یا زمین سے اگنے والی چیز ہے۔ جو کھائی نہ جاتی ہو اسکے علاوہ کوئی شے قابل سجدہ نہیں ہے۔ خود پیغمبر بھی خاک اور کھجور کے ٹکڑے کو سجدہ گاہ بنا کر اس پر سجدہ کرتے تھے اور اصحاب کو بھی یہی تعلیم دی تھی۔ چنانچہ وہ بھی خاک اور ریت پر سجدہ کرتے تھے اور کپڑے پر سجدہ کرنے سے منع فرمایا تھا۔ یہ ہمارے یہاں بالکل واضحات میں ہے۔ اس کے بعد امام زین العابدین نے اپنے پدر بزرگوار امام حسینؑ کی خاک قبر سے سجدہ گاہ بنائی کہ یہ خاک طیب وطاہر تھی۔ اور اس سرزمین پر سید الشہدار کا خون بہا تھا اور یہ رسم شیعوں میں آج تک باقی رہ گئی ہے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ سجدہ صرف خاک کربلا پر ہوگا بلکہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہر پاک مٹی یا پتھر پر سجدہ ہو سکتا ہے جس طرح کہ کھجور وغیرہ کی

چٹائی پر بھی ہو سکتا ہے
امام حسینؑ کا ذکر آگیا تو میں نے کہا کہ شیعہ روتے کیوں ہیں؟ سینہ زنی کیوں کرتے ہیں؟ اور اپنے کو اتنا کیوں مارتے ہیں کہ خون جاری ہو جائے، جب کہ اسلام میں یہ عمل حرام ہے۔ اور رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو منھ پر طمانچے ملے گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی دعوت دے۔
سید نے فرمایا کہ بے شک یہ حدیث صحیح ہے لیکن یہ ماتم حسینؑ پر منطبق نہیں ہوتی ہے۔ جو شخص انتقام خون حسینؑ کا نعرہ لگاتا ہے وہ حسینؑ کے راستہ پر چلتا ہے اس کی دعوت جاہلیت کی دعوت نہیں ہے پھر شیعہ بھی انسان ہیں ان میں عالم بھی ہیں اور جاہل بھی ہیں اور سب کے پاس جذبات ہیں۔ پھر جب یہ جذبات امام حسینؑ اور ان کے گھر پر وارد ہونے والے مصائب قتل، بےحرمتی اور اسیری کی یاد میں بھڑک جاتے ہیں تو ان کا اظہار ان طریقوں سے کیا جاتا ہے لہٰذا وہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں کہ ان کی نیت فی سبیل اللہ ہے اور اللہ ہر عمل پر باعتبار نیت ثواب دیتا ہے۔ ابھی میں نے چند دنوں پہلے جمال الدین ناصر کی موت پر مصری حکومت کی رپورٹ پڑھی تھی جس میں یہ درج تھا کہ اس خبر کو سن کر لوگوں نے آٹھ طریقوں سے خودکشی کر لی۔ کسی نے اپنے کو چھت سے گرا دیا اور کسی نے اپنے کو ریل کے نیچے ڈال دیا۔ مجروحین اور زخمیوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ ان مثالوں کا مقصد ان جذبات کو بیان کرنا ہے جو بعض اوقات بھڑک جایا کرتے ہیں تو اگر کچھ مسلمان جمال الدین ناصر کی موت پر جو بالکل طبیعی اعتبار سے واقع ہوئی تھی اپنے کو قتل کر دیں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ مذہب اہلسنت غلط ہے اور نہ برادران اہلسنت کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے برادران شیعہ کو غلط کار قرار دیں صرف اس بات پر کہ انھوں نے مصائب امام حسینؑ کا احساس کیا ہے اور برابر کر رہے ہیں اور ان پر اس لئے آنسو بہا رہے ہیں کہ خود رسول اکرمؐ نے بھی اپنے اس فرزند پر گریہ کیا ہے اور ان کے ساتھ جبرئیل بھی شریک گریہ رہے ہیں۔

میں نے کہا کہ یہ شیعہ اپنے اولیاء کی قبروں کو سونے چاندی سے کیوں مرصع کرتے ہیں، جبکہ یہ عمل اسلام میں حرام ہے؟

تو سید صدر نے فرمایا کہ یہ بات نہ شیعوں میں منحصر ہے نہ اسلام میں حرام ہے برادران اہلسنت میں عراق، مصر، ترکی وغیرہ میں کتنی مسجدیں ہیں جو سونے چاندی سے مزین ہیں۔ خود مدینہ منورہ میں مسجد رسولؐ میں سونے کا کام ہے اور مکہ مکرمہ میں خانۂ کعبہ کو ہر سال سونے کے کام کا غلاف پہنایا جاتا ہے جس پر لاکھوں ریال خرچ ہوتے ہیں لہٰذا یہ بات صرف شیعوں سے متعلق نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ علماء سعودیہ کا کہنا ہے کہ قبروں کو بوسہ دینا اور اللہ کے نیک بندوں کو پکارنا شرک ہے تو آپ کی رائے کیا ہے؟ سید محمد باقر الصدر نے فرمایا کہ اگر قبروں کو مس کرنا اور اولیاء اللہ کو پکارنا اس نیت سے ہے کہ وہ مستقل طور پر نفع و نقصان کے مالک ہیں تو یہ یقیناً شرک ہے۔ لیکن مسلمان موحد ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ نفع و نقصان کا مکمل اختیار صرف پروردگار کے ہاتھوں میں ہے وہ اولیاء اور ائمہ علیہم السلام کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا چاہتا ہے اور یہ شرک نہیں ہے جس پر شیعہ اور سُنی دونوں رسول اکرمؐ کے زمانہ سے آج تک متفق ہیں سوائے سعودیہ کے وہابی علماء کے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ اپنے تازہ ترین مذہب کی بنا پر اجماع مسلمین کے مخالف ہیں۔ اور انہوں نے اس عقیدہ کی بنا پر مسلمانوں میں ایک فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ انہیں کافر قرار دے رہے ہیں اور ان کے خون کو مباح بنائے ہوئے ہیں۔ بوڑھے بوڑھے حجاج بیت اللہ کو صرف اس لئے سزا دیتے ہیں کہ اس نے السلام علیک یا رسول اللہ کہہ دیا ہے۔ کسی آدمی کو ضریح اقدس کو مس کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہمارے علماء کے ان سے متعدد مناظرے ہو چکے ہیں لیکن وہ لوگ اپنے اعتقاد و استکبار پر اڑے ہوئے ہیں۔

ہمارے شیعہ عالم سید شرف الدین نے جب عبدالعزیز آل سعود کے زمانہ میں حج
بیت اللہ کیا اور انھیں دیگر علماء کے ساتھ عید الضحیٰ کی مبارک باد دینے کے لئے
قصر شاہی میں مدعو کیا گیا تو جب مبارکباد دیں ان کی باری آئی تو انہوں نے بادشاہ
سے مصافحہ کیا اور اسے ایک ہدیہ غلاف میں لپیٹا ہوا قرآن مجید پیش کیا۔
ابن سعود نے اسے لے کر سر پر رکھا اور احتراماً بوسے دیئے۔ سید شرف الدین
نے فرمایا کہ آپ اس جلد کو کیوں بوسے دے رہے ہیں اور اس کی کیوں
تعظیم کر رہے ہیں، یہ تو ایک بکری کی کھال ہے۔ تو بادشاہ نے جواب دیا
کہ میرا مقصد جلد کی تعظیم نہیں ہے اس قرآن کریم کی تعظیم ہے جو اس کے
اندر ہے۔ تو سید شرف الدین نے فرمایا کہ احسنت ہم جب حجرہ پیغمبرؐ کی
جالیوں یا دروازوں کو بوسہ دیتے ہیں تو ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ لوہا ہے
جس کا کوئی نفع و نقصان نہیں ہے لیکن ہمارا مقصود ماورائے حدید ہوتا
ہے اور ہم اس سے پیغمبرؐ کی تعظیم کرنا چاہتے ہیں۔ جس طرح آپ نے جانور
کی کھال کو بوسہ دیکر قرآن مجید کی تعظیم کا اظہار کیا ہے۔ یہ سنکر حاضرین نے
نعرہ تکبیر بلند کیا اور کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے اس وقت بادشاہ نے
مجبوراً حجاج کو آثار پیغمبرؐ سے برکت حاصل کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن
اس کے بعد آنے والے بادشاہ نے پھر پرانا قانون نافذ کر دیا جس کا مطلب
یہ ہے کہ مسئلہ لوگوں کے مشرک ہو جانے کا نہیں ہے۔ مسئلہ سیاسی ہے جس
کی بنیاد مسلمانوں کی مخالفت اور ملک و سلطنت کے استحکام کے لئے ان کا
قتل عام ہے جس کی تاریخ بہترین گواہ ہے۔ آخر میں میں نے ان سے
صوفی طریقوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے مختصر لفظوں میں فرمایا
کہ ان کے بعض پہلو مثبت ہیں اور بعض منفی۔ مثبت پہلو۔ نفس کی تربیت اور

اس کا سادہ زندگی اور لذات دنیا کے مقابلہ میں زہد سے آشنا کرتا ہے تاکہ وہ عالم ارواح کی طرف بلندی حاصل کر سکے۔ اور منفی پہلو گوشہ نشینی اور میدان زندگی سے فرار ہے اور ذکر خدا کا لفظی اعداد میں محدود کر دینا ہے اور اسلام مثبت پہلوؤں کی یقیناً تائید کرتا ہے لیکن منفی پہلوؤں کو یکسر رد کرتا ہے اور ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ اسلام کے اصول اور تعلیمات مثبت ہیں۔ لہٰذا وہ ایسے اعمال کو برداشت نہیں کر سکتا جن میں منفی پہلو بھی پائے جاتے ہیں۔

شک و حیرت

سید محمد باقر الصدر کے جوابات واضح اور مطمئن کرنے والے تھے لیکن ایسے جوابات اس شخص کے دل کی گہرائیوں میں کیسے اتر سکتے ہیں جس نے اپنی عمر کے بیس سال تقدیس و احترام صحابہ بالخصوص خلفاء راشدین کے ماحول میں گذارے ہوں جن کے سربراہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہوں اور اس نے عراق میں وارد ہونے کے بعد سے ان کا نام بھی نہ سنا ہو بلکہ ایسے عجیب و غریب نام سنے ہوں جو کبھی نہیں سنے تھے۔ اور بارہ اماموں کا ذکر سنا ہو جن کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ پیغمبرؐ نے اپنی وفات سے پہلے ہی حضرت علیؑ کی خلافت پر نص کردی تھی بھلا میں کس طرح اس بات کی تصدیق کر سکتا تھا کہ تمام مسلمان اور وہ صحابہ کرام جو رسول اکرمؐ کے بعد خیر البشر تھے حضرت علیؓ کے خلاف متحد ہو جائیں جبکہ ہم کو بچپنے سے یہ سکھایا گیا ہے کہ صحابہ کرام حضرت علیؓ کا احترام کرتے تھے اور ان کے حق کا اعتراف کرتے تھے کہ وہ حضرت فاطمہ زہرا کے شوہر تھے اور حضرت حسنؓ و حسینؓ کے پدر بزرگوار اور باب مدینہ علم تھے۔ جس طرح کہ سیدنا علیؓ حضرت ابوبکر کے حق سے باخبر تھے کہ وہ سب سے پہلے اسلام لائے اور غار میں رسول اکرمؐ کے ساتھ رہے جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور رسول اکرمؐ نے مرض الموت میں انہیں امام جماعت بنایا اور یہ فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو وہ ابوبکر ہی ہوتے اور اسی بنیاد پر مسلمانوں نے انہیں خلیفہ بنایا تھا جس طرح کہ حضرت علیؓ سیدنا عمر کے حق سے بھی باخبر تھے جن کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو عزت دی اور جنہیں رسول اللہؐ نے فاروق کا لقب دیا اور وہ سیدنا عثمان کے حق سے بھی باخبر تھے جن سے ملائکہ شرماتے تھے اور جنہوں

نے تنگ دستی کے عالم میں لشکر مرتب کیا تھا اور جن کو رسول اکرمؐ نے ذوالنورین کا لقب
دیا تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے برادران شیعہ ان حقائق سے بے خبر ہوں اور ان
شخصیتوں کو ایسے معمولی افراد بنا دیں جن کو ہوا و ہوس اور طمع دنیا اتباع حق سے روک
دے اور وہ وفات کے بعد ہی رسول اکرمؐ کے احکام کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں جبکہ
ان کی زندگی میں ان کے احکام کی اطاعت کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے
کی فکر میں رہتے تھے اور عزت۔ اسلام کے لئے اپنے گھرانہ کو قربان کر دینے کے لئے
آمادہ تھے بلکہ اپنے قریبی قرابتداروں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ یہ نا ممکن ہے کہ یکبارگی
طمع دنیا انہیں گمراہ کر دے اور وہ منصب خلافت پر آنے کے لئے رسول اکرمؐ کے احکا
پس پشت ڈالدیں۔ بیشک میں ان خیالات کی بنا پر شیعوں کی تمام باتوں کی تصدیق
نہیں کر سکتا تھا اگرچہ بہت سی باتوں سے مطمئن بھی ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں شک
اور حیرت کی درمیانی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ شک وہ جسے علماء شیعہ نے میرے
دماغ میں پیدا کر دیا تھا۔ اس لئے کہ ان کا کلام معقول اور منطقی تھا اور حیرت اس
بات پر کہ میں اس امر کی تصدیق نہیں کر سکتا تھا کہ صحابہ کرام اخلاق کی اس منزل
تک گر جائیں کہ ہم جیسے عام انسان بن جائیں۔ نہ ان میں انوار رسالت کی چمک
رہ جائے اور نہ انہیں ہدایت محمدی مہذب بنا سکے۔

خدایا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہ اس منزل پر ہوں
شیعہ کہتے ہیں؟ میں یہ تو فیصلہ نہ کر سکا لیکن اس شک و حیرت نے میرے ذہن میں
یہ اعتراف پیدا کرا دیا کہ کچھ باتیں پس پردہ ہیں جن کا دریافت کرنا حقیقت تک
پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔

میں اپنے ساتھی منعم کی واپسی پر کربلا چلا گیا۔ اور وہاں امام حسین
کے ان مصائب کو محسوس کیا جن کا احساس شیعوں میں دور قدیم سے پایا جا رہا ہے

وہاں پہونچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ شہید کربلا امام حسینؑ ابھی زندہ ہیں اور لوگ پروانہ وار ان کی ضریح کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اور اس سوزش قلب اور فریاد و فغاں کے ساتھ گریہ کر رہے ہیں کہ اس کا نمونہ میں نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ گویا امام حسینؑ ابھی شہید ہوئے ہیں۔ میں نے خطباء کو بھی دیکھا کہ وہ واقعات کربلا کو بیان کرکے سامعین کے شعور کو گرما رہے ہیں۔ اور شور گریہ اور شیون بلند ہے اور کوئی شخص اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتا ہے یہ حالات دیکھ کر میں نے بھی بے حد گریہ کیا اور عنان نفس میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس گریہ کے بعد میں نے ایک نفسانی سکون کا احساس کیا جو اس سے پہلے کبھی محسوس نہ کیا تھا اور گویا کہ میں دشمنان حسینؑ کی صفوں میں تھا اور آج اتباع و اصحاب حسینؑ کی صفوں میں آگیا ہوں جو ان پر جان قربان کرنے کے لئے تیار تھے اس وقت خطیب حر بن یزید کی داستان بیان کر رہا تھا جو لشکر یزید کی طرف سے امام حسینؑ کے قتل پر مامور تھا لیکن سامنے آکر رک گیا اور معرکہ میں لرزنے لگا اور جب کسی نے پوچھا کہ کیا آپ موت سے ڈر رہے ہیں تو اس نے کہا کہ لا واللہ میں اپنے نفس کو جہنم و جنت کے درمیان پا رہا ہوں اور اس کے بعد گھوڑے کو ایڑ لگاکر لشکر حسینؑ کی طرف یہ کہہ کر چلا کہ فرزند رسولؐ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ — یہ سن کر میں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا اور شدت گریہ سے زمین پر گر پڑا اور گویا کہ میں حر کی منزل میں تھا۔ اور امام حسینؑ کو آواز دے رہا تھا کہ فرزند رسولؐ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ فرزند رسولؐ میری خطا کو معاف کر دیں۔ خطیب کی آواز بیحد موثر تھی۔ اور لوگوں کے نالہ و شیون کی آواز بیحد بلند تھی۔ میرے دوست نے میرے گریہ کی آواز سنی اور مجھے گلے سے لگا لیا۔ اور حالت گریہ میں مجھے سینے سے لگاکر اس طرح اظہار محبت شروع کر دیا جس طرح ایک مادر مہربان اپنے بچے پر مہربانی کرتی ہے۔ اس کی زبان پر مسلسل یا حسینؑ یا حسینؑ کی آواز تھی۔ یہی وہ چند لمحے تھے جن میں

میں نے حقیقی گریہ اور واقعی شیون کا احساس کیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ میرے آنسو میرے قلب اور میرے جسم کو اندر سے دھو رہے ہیں اور میں رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کے معنی محسوس کر رہا تھا " اگر تمہیں ان باتوں کا علم ہوتا جن کا مجھے ہے تو تمہاری ہنسی کم اور گریہ زیادہ ہو جاتا "۔

میں تمام دن انتہائی دل تنگ رہا۔ میرے دوست نے مسلسل تسلی دی اور میرے واسطے ٹھنڈے شربت وغیرہ کا انتظام کیا لیکن میری اشتہا بالکل ختم ہو چکی تھی اور میں برابر یہ تقاضا کر رہا تھا کہ میرے سامنے مقتل حسینؑ کا تذکرہ کرے اس لئے کہ میں اس واقعہ سے مکمل طور پر بے خبر تھا۔ اور میرے شیوخ اس واقعہ کا تذکرہ صرف اس انداز سے کیا کرتے تھے کہ جن دشمنان اسلام اور منافقین نے سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؑ کو قتل کیا تھا انھوں نے ہی سیدنا حسینؑ کو بھی قتل کیا ہے اور مجھے اس کے علاوہ کچھ نہیں معلوم تھا بلکہ ہم روز عاشورا جشن منایا کرتے تھے کہ یہ اسلامی عید ہے جس میں مال کی زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، عمدہ کھانے پکائے جاتے ہیں اور بچے بزرگوں کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں تاکہ ان سے عیدی لیکر مٹھائیاں اور کھلونے خرید سکیں۔

بیشک بعض دیہاتوں میں یہ رواج تھا کہ لوگ اس دن آگ روشن کرتے تھے۔ اور کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ کوئی خوشی یا شادی کی تقریب نہیں کرتے تھے لیکن ہم اسے صرف آبائی تقلید سمجھتے تھے اور ہمارے لئے اس کی کوئی دوسری تفسیر نہیں تھی۔ ہمارے علماء فضائل عاشورا کی روایات بیان کرتے تھے اور اس کی برکتوں اور رحمتوں کا حیرت انگیز انداز تک تذکرہ کیا کرتے تھے۔

ہم نے اس کے بعد سیدنا الحسینؑ کے بھائی سیدنا العباسؑ کی زیارت کی۔ ہمیں معلوم بھی نہ تھا کہ یہ کون ہیں لیکن ہمارے ساتھی نے ان کی جرأت اور شجاعت کی داستان

بیان کی۔ اس کے بعد ہم نے متعدد علماء کرام سے ملاقات کی جن کے نام تفصیلاً یاد نہیں ہیں صرف چند القاب یاد ہیں بحرالعلوم، سید الحکیم، کاشف الغطاء، آل یاسین، طباطبائی فیروز آبادی، اسد حیدر وغیرہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ بزرگ علماء تھے جن کے چہرے سے ہیبت و وقار کے آثار نمایاں تھے اور شیعہ ان کا شدت سے احترام کرتے تھے اور انھیں اپنے اموال کا خمس لاکر دیتے تھے۔ اور اس کے ذریعہ حوزہ ہائے علمیہ اور مدارس دین کا ادارہ کرتے تھے اور مختلف ممالک سے آئے ہوئے طلاب علوم کی کفالت کرتے تھے۔ یہ حضرات اپنے مقام پر بالکل مستقل تھے اور ان کا حکام کا کسی طرف سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ برخلاف ہمارے علماء کے کہ وہ حکام کی اجازت کے بغیر فتوی ابھی نہیں دے سکتے تھے کہ وہی ان کے معاشیات کے کفیل اور ان کے تقرر اور معزولی کے صاحب اختیار تھے۔

گویا یہ ایک نئی دنیا تھی جس کا میں نے انکشاف کیا تھا اور خدا نے میرے لئے اس کے دروازے کھول دیئے تھے جب کہ اس سے پہلے میں اس سے سخت متنفر تھا اور اب اپنے کو بالکل ہم آہنگ کر دیا تھا۔ اس نئی دنیا نے میرے افکار میں انقلاب پیدا کر دیا اور مجھ میں بحث و تمحیص اور فکر و نظر و تحقیق کا جذبہ پیدا ہو گیا تاکہ میں واقعی حقیقت کو دریافت کر سکوں یہ جذبات میرے ذہن میں اس وقت سے گردش کر رہے تھے جب سے میں نے سرکار دو عالم کی یہ حدیث پڑھی تھی "عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک کے علاوہ سب جہنمی ہوں گے۔

میری گفتگو ان ادیان کے بارے میں نہیں ہے جنھیں ہر ایک اپنی حقانیت اور دوسرے کے باطل پر ہونے کا دعویدار ہے۔ میں تو اس حدیث کو پڑھ کر حیرت و استعجاب میں پڑ جاتا تھا۔ نہ خود حدیث کے بارے میں بلکہ ان مسلمانوں کے بارے میں جو برابر اس حدیث کو پڑھتے ہیں۔ خطبوں میں دہراتے ہیں اور اس کے قریب سے

نہایت آرام سے گذر جاتے ہیں اور نہ کوئی تحلیل کرتے ہیں اور نہ اس کے مضمون کا تجزیہ کرتے ہیں کہ اس طرح فرقہ ناجیہ کا پتہ لگائیں اور راہ حق کو دریافت کرلیں۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ ہر فرقہ اس بات پر مطمئن ہے کہ وہی ناجی ہے۔ اور حدیث کے ذیل میں یہ فقرہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ رسول اکرمؐ سے دریافت کیا گیا کہ وہ فرقہ کون ہے؟ تو آپ فرمایا کہ جس راستہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں تو کیا کوئی فرقہ ایسا ہے جو کتاب و سنت سے تمسک کا مدعی نہ ہو اور اس صفت کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ یہ اگر امام مالک، ابوحنیفہ، شافعی، یا احمد بن حنبل سے دریافت کیا جائے تو ان میں سے کون کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور شے سے متمسک ہے۔ اس کے بعد شیعوں کے فرقوں سے دریافت کیا جائے جن کے فساد مذہب کا عقیدہ ہمارے درمیان رائج ہے تو کیا وہ اس کے سوا کوئی اور جواب دیں گے کہ ہمارا تمسک کتاب الٰہی اور سنت صحیحہ سے ہے جس کے راوی اہلبیت رسولؐ ہیں اور گھر والے گھر کے حالات سے بہتر واقف ہوتے ہیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سب ہی اپنے دعوے کے مطابق برحق ہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔ حدیث شریف تو اس کے بالکل برعکس ہے مگر یہ کہ اسے وضعی اور جعلی قرار دیدیا جائے۔ لیکن اس بات کا بھی امکان نہیں ہے کہ حدیث دونوں فرقوں کے درمیان متفق علیہ اور متواتر ہے۔۔۔ تو کیا اس کے مفہوم کو بے معنی قرار دیدیا جائے؟ لیکن یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ رسول اللہ کی شان میں بے معنی کلام کرنے کی جسارت کی جائے جبکہ وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو وحی الٰہی ہوتی ہے۔ اور ان کے تمام کلمات حکمت و عبرت ہیں۔۔۔ تو اب ہمارے سامنے ایک ہی بات رہ گئی کہ ہم اس امر کا اقرار کرلیں کہ ان میں ایک فرقہ حق ہے اور باقی سب باطل۔۔۔ گویا حدیث حیرت و استعجاب کے ساتھ بحث و تمحیص کی دعوت بھی دیتی ہے کہ ہر مدعی نجات اپنے راستہ کے بارے میں تحقیق کرے اور

اور اس کے بعد اس پر باقی رہنے کا فیصلہ کرے۔

اس بنیاد پر میرے دل میں شیعوں سے ملاقات کرنے کے بعد ایک شک اور حیرت پیدا ہو گیا کہ شاید یہی حق کہتے ہوں اور انہیں کا بیان حامل صداقت ہو تو پھر میں کیوں نہ تحقیق و تفتیش کروں جب کہ قرآن حکیم نے مسلسل بحث و تمحیص کی دعوت دی ہے اور یہ وعدہ کیا ہے کہ "جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت دینگے"۔ "جو لوگ باتیں سنکر بہترین بات کا اتباع کرتے ہیں انہیں کو خدا نے ہدایت دی ہے اور وہی صاحبان عقل ہیں"۔ اور رسول اکرمؐ نے بھی فرمایا ہے کہ "تم اپنے دین کے بارے میں اسقدر تحقیق کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں لہذا بحث تحقیق ایک واجب شرعی ہے جس کی ذمہ داری ہر مکلف پر ہے۔

اس فیصلہ اور اس عزم صادق کا وعدہ میں نے اپنے نفس اور عراق میں اپنے شیعہ رفقاء سے اس وقت کر لیا جب میں ان سے رخصت ہو رہا تھا اور انکی جدائی سے شدت کے ساتھ متاثر تھا کہ انہوں نے مجھ سے محبت کی تھی اور میں نے ان سے محبت کی تھی اور انکو مخلص عزیز دوست کی شکل میں خدا حافظ کہا تھا۔ انہوں نے میری خاطر بڑا وقت قربان کیا تھا جبکہ نہ کوئی خوف تھا نہ طمع یہ سارا کام فقط مرضی پروردگار کے لئے ہو رہا تھا کہ حدیث شریف میں یہ فقرہ وارد ہوا ہے کہ "اگر اللہ تمہاری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو تمہارے حق میں اس پوری دنیا سے بہتر ہے جس پر آفتاب کی روشنی پڑتی ہے۔

میں نے ۲۰ دن عراق میں شیعوں اور انکے ائمہؑ کے جوار میں گذارنے کے بعد اس علاقہ کو خیرباد کہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میں نے کوئی حسین اور لذیذ خواب دیکھا تھا جس کو تاہی مدت کے صدمہ کے ساتھ اس علاقہ سے رخصت ہوا کہ مجھ سے وہ دل جدا ہو گئے جس میں میری محبت تھی اور وہ قلوب الگ ہو گئے جو محبت اہلبیتؑ کے جذبہ کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ اب میں بیت اللہ اور قبر سرکار دو عالمؐ کے ارادہ سے حجاز کی طرف سفر کر رہا تھا۔

سفر حجاز

میں جدہ وارد ہوا تو میں نے اپنے ایک دوست بشیر سے ملاقات کی جو میری آمد سے بے حد خوش ہوئے اور انھوں نے مجھے اپنے گھر میں مہمان کیا۔ اور میرا بیحد احترام کیا۔ وہ اپنے خالی اوقات میرے ساتھ تفریح اور مزارات کی زیارت میں گذار کرتے تھے ہم انہیں کے ساتھ عمرہ کے لئے گئے اور وہاں کے چند روز تقویٰ اور عبادت الٰہی کے ماحول میں گذارے میں نے ان سے اپنی تاخیر کی معذرت کرتے ہوئے سفر عراق کا تذکرہ کیا اور وہاں سے حاصل ہونے والے جدید ترین انکشافات کا تذکرہ کیا۔ تو وہ اگرچہ روشن فکر اور باخبر آدمی تھے لیکن انہوں نے برجستہ کہا کہ ہاں شیعوں کے یہاں بعض علماء بزرگ ہیں جن کا مسلک یہی ہے لیکن ان میں سے بعض فرقے بالکل منحرف اور کافر ہیں جو ہمارے لئے مسلسل مشکلات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔

میں نے ان مشکلات کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگ قبروں کے گرد نماز ادا کرتے ہیں۔ جنۃ البقیع میں گروہ در گروہ داخل ہوتے ہیں اور وہاں گریہ و بکا اور نوحہ و زاری کرتے ہیں۔ اپنے پاس پتھر کے ٹکڑے رکھتے ہیں۔ اور انہیں پر سجدے کرتے ہیں اور جب احد میں حضرت حمزہ کی قبر پر جاتے ہیں تو وہاں گریہ و بکا اور سینہ زنی کرتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ آج ہی شہید ہوئے ہیں۔ اسی لئے حکومت سعودیہ نے مزارات میں ان کا داخلہ بند کر دیا ہے۔

میں یہ سنکر مسکرا دیا اور میں نے کہا کہ کیا انہیں اسباب کی بناء پر یہ لوگ دین سے منحرف ہو گئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اور بھی بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً یہ لوگ زیارت قبر نبی کے لئے آتے ہیں تو حضرت ابو بکر و عمر کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر

ان پر لعنت کرتے ہیں اور بعض ان قبروں پر غلاظت ڈال دیتے ہیں۔

ہمیں اپنے دوست کے اس بیان نے اپنے والد محترم کے اس بیان کو یاد دلا دیا جو انہوں نے حج سے واپسی پر ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن ان کا بیان یہ تھا کہ غلاظت قبر پیغمبرؐ پر ڈالدیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ منظر انہوں نے خود نہیں دیکھا تھا لیکن ان کا ارشاد تھا کہ ہم نے سعودی پولیس کو بعض حجاج کو ڈنڈوں سے مارتے دیکھا اور جب اس عمل پر اظہار نفرت کیا تو پولیس والوں نے بتایا کہ یہ تو مسلمان نہیں ہیں۔ یہ شیعہ ہیں اور یہ قبر رسولؐ پر ڈالنے کے لئے غلاظتیں اپنے ساتھ لے آتے ہیں ان کا فرمانا تھا کہ ہم نے بھی یہ سنکر شیعوں پر لعنت کی اور ان کے منھ پر تھوک دیا۔

آج میں دوبارہ یہ شکایت اپنے سعودی دوست سے سن رہا تھا جس کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور اس کا بیان یہ تھا کہ غلاظت قبر ابوبکر و عمر پر ڈالی جاتی ہے تو مجھے دونوں روایتوں کی صحت کے بارے میں شبہ پیدا ہو گیا اس لئے کہ میں نے خود بھی حج کیا ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس حجرہ میں رسول اکرمؐ اور ابوبکر و عمر کی قبریں ہیں اس کا دروازہ مقفل ہے اور کوئی شخص اس دروازے یا جالی کے قریب بھی نہیں جا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس میں کسی شے کے ڈالنے کا امکان پیدا ہو جائے۔

اولاً تو اس لئے کہ اس میں کوئی سوراخ یا راستہ نہیں ہے اور ثانیاً اس لئے کہ سعودی سپاہیوں کا پہرہ اتنا سخت ہوتا ہے کہ وہ قریب جانے والوں کی کوڑوں سے مرمت کرتے رہتے ہیں اور حجرہ کے اندر دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے ہیں تو اس میں کسی شے کے ڈالنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

غالباً اصل راز یہ ہے کہ بعض شیعوں کو کافر کہنے والے سپاہیوں نے جب یہ دیکھا کہ اس تہمت کا کوئی جواز نہیں ہے تو اس طرح کا افسانہ تیار کر لیا کہ مسلمانوں کو ان سے

کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے یا کم سے کم وہ ان کی اہانت پر خاموش رہیں اور اپنے وطن واپس جا کر یہ قصے بیان کریں کہ شیعہ قبر پیغمبر پر غلاظت پھینکتے ہیں اور اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں۔

یہ بالکل ویسا ہی افسانہ ہے جیسا کہ بعض معتبر افراد نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم لوگ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک نوجوان کو اژدہام کی کثرت کی بنا پر ابکائی آئی اور اس نے قے کر دی تو سعودی پولیس نے اسے مارنا شروع کر دیا کہ یہ نجاست لیکر آیا تھا۔ اور لوگوں نے بھی اس امر کی گواہی دیدی۔ نتیجہ میں اسے اسی دن قتل کر دیا گیا۔

میرے ذہن میں یہ افسانے گردش کر رہے تھے اور میں اپنے سعودی دوست کے دلائل کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ آخر شیعوں کے کافر ہونے کی کیا وجہ ہے؟ صرف یہی بات کہ یہ گریہ وزاری کرتے ہیں یا پتھر پر سجدہ کرتے ہیں یا قبروں کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔ تو ان امور میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کے کافر ہونے کا کیا جواز ہے، جب کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ حج بیت اللہ بھی کرتے ہیں۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی انجام دیتے ہیں۔

میں اپنے دوست سے کوئی جھگڑا یا بحث نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کی کہ اللہ ہمیں اور انہیں دونوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے اور ان دشمنان خدا پر لعنت کرے جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔

میرا یہ دستور تھا کہ میں عمرہ یا زیارات کے دوران جب بھی خانہ کعبہ کا طواف کرتا تھا تو نماز پڑھ کر اپنے پورے وجود کے ساتھ یہ دعا کرتا تھا کہ رب کریم میری بصیرت کو کشادہ کر دے اور مجھے حقیقت تک پہنچنے کی ہدایت فرما دے۔

میں نے مقام ابراہیمؑ کے پاس کھڑے کر اس آیۂ کریمہ کو ذہن میں گردش دی کہ "اللہ کے بارے میں اس طرح جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے کہ اس نے تمہیں منتخب بنایا ہے اور دین میں کسی طرح کی زحمت نہیں رکھی ہے۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا راستہ ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے اعمال کا گواہ رہے اور تم تمام لوگوں کے گواہ رہو ــــ لہٰذا نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اللہ سے وابستہ رہو کہ وہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مولا ہے۔" (حج آیت ۷۸)

میں اس وقت اپنے سرکار بلکہ بنص قرآن پدر بزرگوار حضرت ابراہیمؑ سے مناجات کر رہا تھا کہ "میرے پدر بزرگوار جس نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ آج آپ کی اولاد مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے کوئی یہودی ہے تو کوئی عیسائی اور کوئی مسلمان پھر یہود بھی آپس میں ۷۱ فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور نصاریٰ بھی بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور مسلمان بھی تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں جن میں سے ایک کے علاوہ سب جہنمی ہیں جیسا کہ آپ کے فرزند حضرت محمدؐ نے خبر دی ہے کہ آپ کے عہد پر صرف ایک فرقہ باقی رہنے والا ہے تو کیا یہ کوئی سنت الٰہیہ ہے جیسا کہ قدریہ فرقہ کا خیال ہے کہ خدا ہی نے یہ طے کر دیا ہے کہ انسان یہودی، عیسائی یا مسلمان بن جائیں ــــ یا ملحد و بیدین یا مشرک ہو جائیں ــــ یا یہ محبت دنیا کا اثر ہے کہ لوگ تعلیمات الٰہیہ سے دور ہو گئے ہیں اور لوگوں نے خدا کو بھلا دیا ہے تو اس نے بھی انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

میری عقل اس قضا و قدر کی تائید تو نہیں کر سکتی ہے کہ اس نے اس گمراہی کو مقدر کر دیا ہے بلکہ میرا ایمان یا یقین تو یہ ہے کہ اس نے پیدا کر کے نیک و بد کی ہدایت کر دی ہے۔ اور رسولوں کو بھیج کر مشکل مسائل کو واضح کر دیا ہے اور حق و باطل میں امتیاز قائم کر دیا ہے۔ اب یہ انسان ہے جسے زندگانی دنیا اور زینت دنیا نے گمراہ

کر دیا ہے اور وہ اپنی انانیت، جہالت، غرور و نخوت، عناد و بغاوت یا ظلم و شقاوت کی بنیاد پر حق سے کنارہ کش ہو گیا ہے اور اس نے شیطان کا اتباع کر کے رحمان سے دوری اختیار کر لی ہے۔ اس کی منزل دوسری منزل ہو گئی ہے اور اس کی غذا دوسری غذا قرآن حکیم نے اس صورت حال کی بہترین تعبیر اس طرح کی ہے کہ اللہ کسی پہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا ہے یہ انسان ہی ہیں جو اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں۔ (یونس آیت ۴۴)

پدر بزرگوار ـــــــ میں یہودیوں اور عیسائیوں کو کیا کہوں جنھیں ان کے عناد نے حق سے منحرف کر دیا ہے۔ اور وہ دلائل کے باوجود بہک گئے ہیں۔ میری فریاد تو اس امت مسلمہ کے بارے میں ہے جسے خدا نے آپ کے فرزند حضرت محمدؐ کے ذریعہ ظلمتوں سے نکال کر نور تک پہنچا دیا تھا۔ اور اسے بہترین امت قرار دیکر لوگوں کی رہنمائی کا فرمان سپرد کر دیا تھا آج وہ کچھ زیادہ ہی نذر اختلاف ہو گئی ہے اور اس میں کچھ زیادہ ہی تفریق و تقسیم ہو گئی ہے اور سب ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں جب کہ نبی کریم نے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں ہوشیار کر دیا تھا کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ کنارہ کش رہے ـــ تو پھر اس امت کو کیا ہو گیا ہے جو تفریق و تقسیم کا شکار ہو کر مختلف حکومتوں میں بٹ گئی ہے اور ہر ایک دوسرے کا دشمن اور دوسرے سے برسر پیکار ہے بلکہ دوسرے کو کافر بنانے کے لئے تیار ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے کو پہچانتا بھی نہیں ہے اور ساری زندگی کے لئے اس سے کنارہ کش رہتا ہے۔

آخر اس امت کو کیا ہو گیا ہے کہ خیر الامم ہونے کے بعد بدترین امت ہو گئی ہے اور شرق و غرب عالم پر حکومت کرنے کے بعد اور لوگوں کو ہدایت علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے آشنا بنانے کے بعد قلیل ترین اور ذلیل ترین امت ہو گئی کی زمینیں غصب ہو چکی ہیں اس کے قبائل آوارہ وطن ہو چکے ہیں، اس کی

مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور وہ اس کی آزادی پر قادر نہیں ہے اور آپ اس کے ممالک کی سیر کریں تو آپ کو تباہ کن افلاس، قاتل بھوک، بنجر زمینوں اور موذی امراض اور بد اخلاق کے علاوہ کچھ نظر نہ آئے گا۔ فکری اعتبار سے پسماندگی، ظلم واستبداد، گندگی اور حشرات الارض اس کی سرزمین کے امتیازات ہیں جبکہ یہ ہے کہ یورپ اور مشرق کے بیت الخلاء کا بھی مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ یورپ کے بیت الخلاء میں داخل ہونے والا صفائی اور بلور جیسی چمک کا مشاہدہ کرتا ہے اور ہمارے ملکوں میں مسافر بیت الخلاء میں داخل ہونے کی ہمت بھی نہیں کرتا ہے۔ جبکہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی کہ صفائی ایمان کا ایک حصہ ہے۔ اور کثافت شیطنت کی پیداوار ہے" —— تو کیا یہ ایمان ہمارے یہاں سے منتقل ہو کر یورپ چلا گیا ہے اور یہاں صرف شیطان کا قبضہ رہ گیا ہے۔

آخر مسلمانوں میں اپنے ملکوں میں اظہار عقیدہ کی آزادی کیوں نہیں ہے اور مسلمان کے چہرہ پر اسلام کی حکومت کیوں نہیں ہے۔ اور ان کی ڈاڑھی کیوں نظر نہیں آتی ہے۔ ان کا لباس اسلامی کیوں نہیں ہے جبکہ دوسری قومیں علی الاعلان شراب پی رہی ہیں، زنا کر رہی ہیں۔ بے حیائی عام ہے اور مسلمان انہیں روک بھی نہیں سکتا ہے۔ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی نہیں کر سکتا ہے۔ مجھے تو یہاں تک اطلاع ملی ہے کہ مصر اور مغرب جیسے اسلامی ممالک میں ماں باپ خود اپنی لڑکیوں کو فقر و فاقہ اور افلاس کی بنیاد پر زناکاری کے لئے بھیجتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ چند پیسے حاصل کر سکیں۔ فلاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خدایا —— ! تو کیوں اس امت سے اس قدر دور ہو گیا ہے اور تو نے اسے تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا ہے —— استغفراللہ —— یہ میرا

خیال خام ہے جس کے لئے میں توبہ کرتا ہوں۔ حقیقت امر یہ ہے کہ یہ امت تجھ سے دور ہو گئی ہے اور اس نے شیطان کے راستہ کو اختیار کر لیا ہے ــــ تیری حکمت عظیم اور تیری قدرت بلند ترین ہے۔ تو نے پہلے ہی کہہ دیا تھا "جو شخص یادِ خدا سے غافل ہوگا ہم اسے شیطان کے حوالے کر دیں گے اور وہی اس کا ہمدم و ہمنشین ہوگا"۔ (زخرف ۳۶) ــــ "محمد صرف اللہ کے رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ کیا وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پیچھے کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ تو یاد رکھو جو پلٹ جائے گا وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا ہے اور اللہ عنقریب شکر گذار افراد کو جزا عطا کرے گا۔" (آل عمران ۱۴۴)

بیشک امت اسلامیہ کا یہ انحطاط اور اس کی ذلت و مسکنت و پسماندگی دلیل ہے کہ وہ صراط مستقیم سے دور ہو گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک اقلیت یا ایک فرقہ کا راہ راست پر ہونا امت کی راہ عمل پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ خود رسول اکرم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ خدا تمھارے اوپر اشرار کو مسلط کر دے گا جس کے بعد نیک بندے دعا بھی کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔

پروردگا ہم تیرے احکام پر ایمان لائے ہیں اور تیرے رسول کا اتباع کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں گواہوں میں درج کر لے ــــ پروردگار! ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو صراط مستقیم سے منحرف نہ ہونے دینا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت خاص عطا فرمانا کہ تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔ پروردگار! ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے معاف نہ کر دیا اور رحم نہ کیا تو ہمارا شمار خسارہ والوں میں ہو جائے گا۔

اس کے بعد میں نے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور اپنے ہمراہ اپنے دوست

کا ایک خط اس کے ایک رشتہ دار کے نام لے آیا تا کہ اس کے یہاں میرا قیام رہے اور اس نے ٹیلیفون سے بھی اس امر کی اطلاع دیدی تھی چنانچہ اس کے عزیز نے میرا استقبال کیا اور مجھے خوش آمدید کہا اور میں وہاں پہونچنے کے فوراً بعد زیارت قبر پیغمبرؐ کے لئے روانہ ہو گیا۔ غسل زیارت کرنے، خوشبو لگانے اور بہترین اور پاکیزہ ترین لباس پہننے کے بعد میں نے روضۂ اقدس کا رخ کیا اس وقت موسم حج کی نسبت سے زائرین کا مجمع کم تھا لہٰذا میں قبر رسولؐ اور قبر ابو بکر و عمر کے سامنے سکون سے کھڑا ہو سکا جو کام ایام حج میں ممکن نہ تھا۔ میں نے چاہا کہ تبرک کے طور پر کسی ایک دروازہ کو ہاتھ لگاؤں کہ پہرہ دار نے مجھے جھڑک دیا اور وہ ہر دروازہ پر قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب میں نے دعا میں طول دیا اور یہ چاہا کہ اپنے احباب کی امانت (سلام) صاحب قبر تک پہونچا دوں تو پہرہ دار نے مجھے وہاں سے دور ہو جانے کا حکم دیا اور میں نے چاہا کہ اس موضوع پر گفتگو کروں لیکن بے فائدہ سمجھ کر خاموش ہو گیا۔

پھر میں روضۂ مطہر کی طرف واپس آیا اور وہاں بیٹھ کر بقدر امکان تلاوت قرآن میں مصروف ہو گیا۔ میں نے باقاعدہ قواعد و قوانین کے مطابق تلاوت شروع کی اور بار بار کلمات کی تکرار کرتا رہا اس احساس کی بنیاد پر کہ گویا رسل اعظمؐ میری تلاوت کو سن رہے ہیں اور میرا دل یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا واقعاً رسول اکرمؐ دوسرے انسانوں کی طرح مردہ ہو چکے ہیں اور اگر ایسا ہے تو ہم اپنی نمازوں میں بطور خطاب "السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ" کیوں کہتے ہیں۔! اور اگر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب خضر زندہ ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں بلکہ ہمارے صوفی مشائخ کا تو یہ ایمان ہے کہ ان کے شیخ حضرت احمد تیجانی یا حضرت عبد القادر جیلانی

بیٹے جاگتے ان کے پاس تشریف لاتے ہیں اور یہ کوئی خواب نہیں ہوتا ہے تو ہم صرف بخل رسول اکرمؐ ہی کے کرامات کے بارے میں کیوں کرتے ہیں۔ جب کہ وہ تمام کائنات اور مخلوقات سے بہر حال افضل ہیں لیکن پھر میرے نفس کو یہ سمجھ کر تسکین ہو رہی تھی کہ تمام مسلمان رسول اکرمؐ کے کرامات میں بخل سے کام نہیں لیتے ہیں بلکہ صرف وہابی فرقہ کے لوگ ہیں جن سے اب دھیرے دھیرے میرے دل میں نفرت پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی جس کے مختلف اسباب تھے۔ اور ان میں سے ایک سبب وہ بداخلاقی اور تندخوئی تھی جس کا مشاہدہ میں نے خود کیا تھا اور جس کا نشانہ وہ صاحبان ایمان تھے جو وہابیوں سے عقائد میں اختلاف رکھتے تھے۔

میں نے بقیع کی زیارت کی اور قبور اہلبیت کے قریب کھڑے ہو کر انکے ارواح طیبہ کے لئے فاتحہ پڑھ رہا تھا اور میرے پاس ایک بہت ہی بوڑھا انسان کھڑا ہوا رو رہا تھا جسکے گریہ سے میں نے یہ اندازہ کیا کہ یہ شیعہ ہے اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے روبقبلہ ہو کر نماز شروع کر دی کہ اچانک ایک سپاہی دوڑ کر آیا اور گویا کہ وہ اس مومن کے حرکات کی مسلسل نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے آتے ہی اسے ایک لات ماری جبکہ وہ غریب حالت سجدہ میں تھا اور وہ اسی حالت میں الٹ گیا اور چند منٹ تک بیہوش پڑا رہا لیکن سپاہی کی مارپیٹ اور گالم گلوچ کا سلسلہ جاری رہا۔ مجھے اس بوڑھے پر بے حد رحم آیا اور میرا خیال تھا کہ وہ مر چکا ہے لہٰذا میری غیرت نے مجھے للکارا اور میں نے مداخلت کرتے ہوئے اس سپاہی سے یہ کہا کہ حالت نماز میں کسی نمازی کو مارنا حرام ہے تو اس نے مجھے یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ خاموش رہو اور ان معاملات دخل نہ دو ورنہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔ اور جب میں نے اس کی آنکھ سے شرارت کے شعلے بھڑکتے

ہوے دیکھے تو خاموش ہو گیا۔ اور اپنے نفس کی ملامت کرنے لگا کہ میں ایک مظلوم کی مدد بھی نہیں کر سکتا اور پھر سعودیوں کے خلاف دل ہی دل میں اظہار غیظ و غضب کرنے لگا۔ جو لوگوں کے ساتھ آزادانہ طور پر ایسا برتاؤ کرتے ہیں اور انہیں کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں ہے۔

اس مقام پر جو زائرین موجود تھے ان میں سے بعض نے اس واقعہ پر لاحول پڑھی اور بعض نے کہا کہ یہ اسی برتاؤ کا حقدار تھا اس لئے کہ یہ قبروں کے پاس نماز پڑھ رہا تھا جب کہ یہ عمل حرام ہے۔

میں اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور میں نے ٹوک کر اس شخص سے کہا کہ یہ بات کس نے کہی ہے کہ قبروں کے پاس نماز حرام ہے۔

اس نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے ممانعت فرمائی ہے۔

میں نے بے خیالی میں یہ کہہ تو دیا کہ یہ رسول اللہ پر الزام ہے لیکن پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں حاضرین مجھ پر بھی نہ ٹوٹ پڑیں یا اس سپاہی کو نہ بلا لیں جو میرے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کرے جیسا اس مومن کے ساتھ کر چکا ہے اسلئے میں نے نہایت نرمی سے یہ کہا کہ اگر رسول اکرمؐ نے اس بات سے منع فرمایا ہے تو لاکھوں حجاج اور زائرین آپ کے حکم کی مخالفت کیوں کرتے ہیں اور خود آپ کی قبر مبارک یا حضرت ابوبکر و عمر کی قبر کے پاس مسجد نبوی میں نماز کیوں پڑھتے ہیں یا دنیا کی اور دوسری مسجدوں میں ایسا کیوں ہوتا ہے اور اگر یہ طے بھی ہو جائے کہ قبروں کے گرد نماز پڑھنا حرام ہے تو کیا اس کا علاج اسی شدت کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ سے اس اعرابی کا قصہ بیان کروں جس نے حضور اکرمؐ اور اصحاب کی موجودگی میں بلا کسی شرم و حیا کے مسجد پیغمبرؐ میں پیشاب کر دیا تھا اور جب اصحاب تلوار کھینچ کر اسے قتل کرنے کے

لئے بڑھے تو آپ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ایسا اقدام نہ کرو بلکہ اس پیشاب پر ایک ڈول پانی ڈال دو۔ تم آسانیاں پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو دشواریوں کے لئے نہیں۔ تمہارا کام نیکیوں کی بشارت دینا ہے نفرتیں پیدا کرنا نہیں ہے اور تمام اصحاب نے اس حکم کی تعمیل کی اور آپ نے اعرابی کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور نہایت ہی لطف و محبت کے ساتھ فرمایا کہ یہ جگہ خانۂ خدا ہے اور اس کا نجس کرنا جائز نہیں ہے۔ جس حسن عمل کو دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا اور ہمیشہ مسجد میں بہترین اور پاکیزہ ترین لباس کے ساتھ حاضری دینے لگا۔ اور کیوں نہ ہوتا پروردگار نے سچ کہا تھا کہ "پیغمبر اگر تم بد اخلاق اور تند خو ہوتے تو یہ سب تمہارے پاس سے ٹوٹ ٹوٹ کر چلے جاتے۔ (آل عمران آیت ۱۵۹)

میرے اس بیان سے بعض حاضرین بے حد متاثر ہوئے اور ایک شخص نے الگ لے جا کر مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

میں نے بتایا کہ تیونس کا!

اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ بھائی لِلّٰہ اپنے نفس کی حفاظت کیجئے اور یہاں اس قسم کی باتیں نہ کیجئے۔ میں آپ کو برائے خدا نصیحت کرتا ہوں بلکہ بعد میرے بغض و عداوت میں اور اضافہ ہو گیا کہ یہ لوگ جو اپنے کو حرمین کا محافظ کہتے ہیں وہ اللہ کے مہمانوں سے ایسی سختی کا برتاؤ کرتے ہیں اور کوئی شخص نہ اظہار خیال کر سکتا ہے اور نہ ان کے خیالات و اعتقادات کے خلاف کوئی واقعہ بیان کر سکتا ہے۔

میں اپنے اس نئے دوست کے گھر واپس آ گیا جس کے نام سے بھی واقف نہیں تھا۔ اس نے شام کا کھانا لا کر سامنے رکھا اور قبل اس کے کہ میں کھانا شروع کروں اس نے یہ سوال کر دیا کہ آپ کہاں چلے گئے تھے۔

میں نے اس سے پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا اور درمیان میں یہ بھی کہہ دیا کہ بھائی صاف بات یہ کہ اب مجھے وہابیوں سے سخت نفرت ہونے لگی ہے۔ اور میرا رجحان شیعوں کی طرف ہو رہا ہے۔

یہ سنکر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس نے کہا کہ آئندہ کوئی ایسی بات یہاں نہ کیجئے گا۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور میرے ساتھ کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں تا دیر انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سو گیا۔ صبح کو علی الصباح مسجد پیغمبرؐ کی اذان کی آواز سنکر اٹھا تو دیکھا کہ کھانا اسی طرح رکھا ہوا ہے اور صاحب خانہ واپس نہیں آیا ہے، مجھے یہ شبہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ شخص جاسوس تو نہیں ہے اس لئے میں فوراً اٹھا اور پھر اس کا گھر چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

میں نے تمام دن حرم پیغمبرؐ میں زیارت اور نمازیں گذارا۔ صرف ضروریات اور وضو کے لئے باہر نکلتا تھا اور پھر آکر مصروف عبادت ہو جاتا تھا۔ نماز عصر کے بعد میں نے خطیب کو دیکھا جو نمازیوں کی ایک جماعت کو درس دے رہا تھا۔ میں ادھر متوجہ ہو گیا اور آتا ہے یہ اندازہ کیا کہ یہ مدینہ کا قاضی ہے۔

وہ قرآن مجید کی بعض آیتوں کی تفسیر بیان کر رہا تھا اور جب درس تمام کر کے نکلنے لگا تو میں نے اسے روک کر سوال کیا کہ حضور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے: **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً** (سورہ احزاب آیت ۳۲)

یہ اہلبیت کون حضرات ہیں۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ ازواج پیغمبرؐ اور پھر ابتداء آیت کا حوالہ دیا "یا نساء النبی"

میں نے کہا کہ علماء شیعہ کا کہنا ہے کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ

کے ساتھ مخصوص ہے اور جب میں نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ آیت کی ابتدا نساء سے ہوئی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جب تک ازواج مخاطب تھیں صیغے سب مونث کے تھے۔ لستن۔ ان اتقیتن ۔ فلا تخضعن ۔ وقلن ۔ وقرن فی بیوتکن ۔ ولا تبرجن۔ واقمن الصلوٰۃ ۔ وآتین۔ واطعن اور جب آیت کا یہ ٹکڑا آیا جو اہلبیتؑ کے ساتھ مخصوص تھا تو صیغہ بدل گیا اور مذکر کے الفاظ استعمال ہونے لگے۔ "لیذھب عنکم"۔ "یطھرکم"۔

اس نے ایک مرتبہ چشمہ اٹھا کر مجھے غور سے دیکھا اور کہا کہ ایسے زہریلے افکار سے ہوشیار رہنا۔ شیعہ ہمیشہ اپنے خواہشات کے مطابق کلام الٰہی کی تاویل کر لیتے ہیں۔ ان کے پاس علیؑ اور اولاد علیؑ کے بارے میں ایسی آیتیں ہیں جن کو ہم جانتے بھی نہیں ہیں اور ان کے پاس ایک خاص قرآن ہے جس کو مصحف فاطمہ کہتے ہیں۔ لہٰذا خبردار ان کے دھوکے میں نہ آجانا۔

میں نے کہا کہ حضور بالکل مطمئن رہیں میں ان کی بہت سی باتوں کو جانتا ہوں اور پورے طور پر ہوشیار ہوں لیکن میں کچھ تحقیق کرنا چاہتا تھا۔

انہوں نے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ میں نے کہا "تیونس"۔

فرمایا آپ کا نام کیا ہے؟

میں نے کہا تیجانی۔

انہوں نے فاتحانہ انداز سے مسکرا کر فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ احمد تیجانی کون ہے۔

میں نے کہا کہ طریقت کے شیخ ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ جی نہیں وہ فرانسیسی استعمار کا ایک ایجنٹ ہے جسے

جزائر اور تیونس کے لئے معین کیا گیا ہے اور اگر آپ پیرس جائیں تو وہاں کی
نیشنل لائبریری میں خود جا کر فرانسیسی قاموس میں باب الف کا مطالعہ کریں آپ
دیکھیں گے کہ فرانس نے احمد تیجانی کو کیا مرتبہ دیا ہے اور انہوں نے فرانسیسی
حکومت کی کس قدر بے پناہ خدمت انجام دی ہے۔

میں یہ سنکر حیرت زدہ رہ گیا اور ان کا شکریہ ادا کر کے واپس آگیا۔

مدینہ میں میرا قیام مکمل ایک ہفتہ تک رہا جس میں چالیس نمازیں پوری
کیں اور مزارات کی زیارت کی۔ دوران قیام تمام حالات کو بڑی گہری نظر سے
دیکھتا رہا اور وہابیت سے میری نفرت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

مدینہ منورہ سے میں اردن آیا جہاں بعض ان دوستوں سے ملاقات
کی جن سے حج کانفرنس کے دوران تعارف حاصل ہوا تھا۔ میں ان کے ساتھ
تین دن قیام پذیر رہا۔ اور میں نے دیکھا کہ ان کے پاس تیونس والوں سے
کچھ زیادہ ہی شیعوں سے نفرت اور عداوت پائی جاتی ہے۔

وہی روایات وہی افسانے اور وہی پروپیگنڈے۔

میں نے جس سے بھی دلیل کے بارے میں پوچھا ہر ایک کا ایک ہی جواب
تھا کہ ہم برابر سنتے چلے آرہے ہیں۔ کسی نے نہ کسی شیعہ کو دیکھا تھا نہ شیعوں کی
کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ پوری زندگی میں کسی شیعہ سے ملاقات کی تھی۔

میں اردن سے شام آیا اور یہاں دمشق میں مسجد اموی کی زیارت
کی جس کے پہلو میں مرقد راس الحسینؑ ہے۔ اور وہیں صلاح الدین ایوبی
و سیدہ زینبؑ کی بھی زیارت کی اور بیروت سے براہ راست طرابلس آگیا۔

سفر چار دن سمندر میں رہا جہاں مجھے جسمانی اور فکری اعتبار سے قدرے
آرام ملا اور میں اپنے ذہن میں اپنے سفر کی اس پوری فلم کو دہرا رہا تھا جو خاتمہ

کے قریب پہنچ چکی تھی۔ میرے دل میں شیعوں کا احترام اور ان کی طرف رجحان اور اس کے مقابلہ میں وہابیوں سے بیزاری اور نفرت کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا کہ میں ان کی مکاریوں اور جعل سازیوں کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ میں نے خدا کی بے پناہ نعمتوں اور عنایتوں پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس بات کی دعا کی کہ وہ مجھے راہ حق کی ہدایت دیدے۔ میں اپنے وطن کی سرزمین پر اس عالم میں واپس آیا کہ اپنے اہل خانہ، اہل خاندان اور احباب و اصدقاء کے لئے سراپا شوق بنا ہوا تھا اور الحمد للہ سب کو بخیریت پایا۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے گھر میں داخل ہوتے ہی کتابوں کا انبار دیکھا جو مجھ سے پہلے پہنچ چکی تھیں اور میں نے جب کتابوں کو کھولا تو میرے دل میں ان حضرات کی محبت اور ان کے لئے جذبۂ احترام میں اور اضافہ ہو گیا جنہوں نے اپنے وعدہ کی مخالفت نہیں کی اور اس سے کہیں زیادہ کتابیں ارسال کر دیں جو وہاں مجھے بطور تحفہ دی گئی تھیں۔

آغازِ تحقیق

میں کتابوں کو دیکھ کر بیحد خوش ہوا اور میں نے انہیں ایک کمرہ میں لائبریری کی شکل میں مرتب کر دیا۔

چند روز آرام کرنے کے بعد مجھے کالج کی طرف سے نئے سال کا ٹائم ٹیبل ملا جس میں ہر ہفتہ مسلسل تین دن تدریس کے تھے اور چار دن برابر آرام کے۔

میں نے موقع کو غنیمت جانا اور موجودہ کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔

میں نے "عقائد الامامیہ" اور "اصل الشیعہ واصولہا" جیسی کتابیں پڑھیں تو میرا ضمیر شیعوں کے افکار اور عقائد کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا اور اسکے بعد میں نے سید شرف الدین الموسوی کی کتاب "المراجعات" پڑھی تو چند ہی صفحوں کے بعد کتاب سے ایسا عشق پیدا ہو گیا کہ سوائے مجبوری کے اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا بلکہ بعض اوقات تو اپنے ساتھ کالج تک لے کر چلا جاتا تھا۔ اس کتاب نے مجھے بالکل مبہوت بنا دیا تھا کہ شیعہ عالم نے کس صراحت کے ساتھ بات کہی ہے اور ان مسائل کو کتنی آسانی سے حل کیا ہے جو ایک سنی عالم اور شیخ ازہر کیلئے بھی انتہائی مشکل اور دشوار گذار تھے۔

میں نے اس کتاب میں اپنا مدعا حاصل کر لیا اس لئے کہ یہ ان کتابوں کے مانند نہیں تھی جن میں مولف جو چاہتا ہے لکھتا رہتا ہے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا ہے۔ یہ کتاب مختلف مذاہب کے دو بڑے علماء کی علمی بحث ہے جس میں ہر ایک دوسرے کی ہر چھوٹی بڑی بات کا محاسبہ اور مواخذہ کرتا ہے تاکہ قرآن و سنت سے صحیح طور پر استفادہ کیا جا سکے۔

درحقیقت اس کتاب نے وہی کام کیا ہے جو میں کر رہا تھا۔ کتاب ایک

جویائے حق کا کام کر رہی تھی جو حقیقت کو تلاش کر رہا ہو اور جہاں مل جائے قبول کر لینے کو تیار ہو۔

کتاب میرے حق میں بیحد مفید تھی۔ اور اس کا میرے اوپر احسان عظیم ہے۔

میں اس وقت اور حیرت زدہ رہ گیا جب میں نے کتاب میں یہ بحث دیکھی کہ صحابہ کرام رسول اکرمؐ کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ اور اس کی متعدد نشانیوں کے حوالے دیکھے جن میں ایک "روز پنجشنبہ" کا حادثہ بھی تھا۔ میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ حضرت عمر بن خطاب جیسا آدمی بھی رسول اکرمؐ کے احکام میں مداخلت کر کے ان پر ہذیان کا الزام لگائے گا۔ چنانچہ میں نے ابتداء میں ہی خیال کیا کہ یہ روایت شیعوں کی کتابوں میں ہو گی لیکن اس وقت میری حیرت و دہشت میں اور اضافہ ہو گیا جب میں نے دیکھا کہ عالم شیعہ نے اس روایت کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے اور میں نے یہ طے کر لیا کہ اگر یہ روایت صحیح بخاری میں نکل آئی تو میں بھی اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کروں گا۔

میں نے دار الحکومت کا سفر کیا اور وہاں جا کر صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، صحیح ترمذی، موطا امام مالک اور دوسری بہت سی مشہور کتابیں خرید لیں۔ اور گھر واپس آنے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ راستہ ہی سے مطالعہ شروع کر دیا۔ میں بس میں بیٹھا ہوا کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا اور روز پنجشنبہ کے حادثہ کو تلاش کر رہا تھا اور میرا دل یہ چاہتا تھا کہ یہ روایت کتاب میں نہ ملے۔ لیکن اس کے برخلاف روایت مل گئی اور میں نے اسے بار بار پڑھا اور ویسا ہی پایا جیسا کہ سید شرف الدین نے نقل کیا تھا۔ چنانچہ میرا دل چاہا کہ میں پورے واقعہ کا سرے سے انکار کر دوں اس لئے کہ میرے لئے یہ ماننا بہت مشکل تھا کہ حضرت عمر ایسا سنگین اقدام کر سکتے ہیں لیکن میں ان حقائق کی کیوں کر تکذیب کر سکتا تھا۔

جو ہمارے صحاح میں موجود تھے اور جن کی صحت پر ہم تمام اہلسنت والجماعت کا ایمان تھا۔ اور ان میں شک کرنا یا انکی تکذیب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے تمام اعتقادات کو ٹھکرا دیں۔ یہ بات اگر عالم شیعہ نے اپنی کتابوں سے نقل کی ہوتی تو میں ہرگز تصدیق نہ کرتا لیکن اب جب کہ ان صحاح سے نقل کی ہے جن کے انکار کی گنجائش نہیں ہے اور جنہیں ہم کتاب خدا کے بعد اصح الکتب مان چکے ہیں تو اب یہ بات ہمارے لئے لازمی ہو گئی ہے ورنہ یہ کتابیں مشکوک قرار پا جائیں گی اور ہمارے پاس احکام اسلامی کا کوئی قابل اعتماد ذریعہ نہ رہ جائے گا۔

کتاب خدا کے سارے احکام مجمل ہیں جن کی تفصیلات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ زمانہ زمانۂ رسولؐ سے صدیوں بعد کا ہے اور احکام دین سب انہیں صحاح کے ذریعہ بطور وراثت ہم تک پہونچے ہیں لہٰذا ان کے نظر انداز کر دینے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

میں نے اس طولانی اور دشوار گذار وادی بحث میں قدم رکھتے ہوئے یہ عہد کر لیا کہ میں صرف انہیں صحیح احادیث پر اعتماد کروں گا جن پر اہلسنت اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہو اور ان احادیث کو نظر انداز کر دوں گا جن کو کسی ایک فریق نے بیان کیا ہوگا۔ اس معتدل اور درمیانی انداز بحث سے میں تمام جذباتی محرکات، مذہبی تعصبات اور قومی یا وطنی رجحانات و میلانات سے دور رہ سکوں گا۔ اور شک کی راہوں کو طے کر کے یقین کی بلندیوں تک پہنچ سکوں گا جو حقیقتاً طریق حق اور صراط مستقیم ہے

عمیق تحقیقات کا آغاز

صحابہ ــــ اہلسنت اور شیعوں کی نظر میں

منزل حقیقت تک لے جانے والی بحثوں میں سے سب سے اہم بحث جو اس تعمیر میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے صحابہ کی زندگی، ان کے حالات، ان کے اعمال، اور ان کے عقائد کا مسئلہ ہے اس لئے کہ وہی ہر معاملہ میں ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور انھیں سے ہم نے اپنا دین لیا ہے اور احکام خدا کی معرفت کی روشنی حاصل کی ہے۔

علماء اسلام نے سابق میں بھی اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے انکی سیرت اور ان کے کردار کے بارے میں بحث کی ہے اور مختلف کتابیں تالیف کی ہیں۔ مثلاً "اُسدُ الغابة فی تمییز الصحابة"۔ "الاصابة فی معرفة الصحابة"۔ اور "میزان الاعتدال" وغیرہ جن کتابوں نے ان کی حیات کا تجزیہ کیا ہے اور ان کے بارے میں بحث کی ہے لیکن یہ تمام بحثیں صرف اہلسنت والجماعت کے نقطۂ نگاہ سے ہیں۔

اس مقام پر سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ سابق علماء عام طور سے تاریخ و تحریر میں وہ انداز اختیار کرتے تھے جو اموی اور عباسی حکام کے خیالات کے مطابق ہوں جن کی دشمنیٔ اہلبیت شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہے۔ اس بناء پر یہ انتہائی ناانصافی ہے کہ ان کے بیانات پر اعتماد کر لیا جائے اور دوسرے علماء اسلام کے بیانات کو یکسر نظرانداز کر دیا جائے جنہیں ان حکومتوں نے

پامال کیا ہے، آوارہ وطن بنا دیا ہے یا موت کے گھاٹ اتار دیا ہے صرف اس بلا کہ یہ حضرات اہلبیتؑ کے پیرو تھے اور انھوں نے ان ظالموں اور بے راہرو حکومتوں کے خلاف صدائے انقلاب بلند کی تھی۔

ان تمام مسائل میں بنیادی ذمہ داری صحابہ کی ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس بات میں جھگڑا ڈال دیا کہ رسول اللہ وہ تاریخی نوشتہ لکھدیں جو انہیں قیامت تک گمراہی سے بچائے رہے اور ان کے اسی جھگڑے نے امت اسلامیہ کو اس فضیلت سے محروم کر دیا اور گمراہی کے اس گڑھے میں ڈھکیل دیا۔ جس کے نتیجہ میں تقسیم، تفرقہ، جنگ و جدال، کمزوری اور آخر میں تباہی اور بربادی منظر عام پر آگئی۔

انھیں صحابہ نے خلافت میں جھگڑا ڈالا اور پھر حزب حاکم اور حزب اختلاف میں تقسیم ہو گئے۔ اور اس کے نتیجہ میں امت پسماندہ ہو کر شیعۂ علیؑ اور شیعۂ معاویہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔

انھیں صحابہ کرام نے کتاب و سنت کی تفسیر میں اختلاف پیدا کیا جس کے بعد مذاہب، فرقے، ملتیں اور گروہ وجود میں آئے۔ اور اس کے زیر اثر علم کلام کے مدرسے، افکار کے جھگڑے اور طرح طرح کے فلسفے منظر عام پر آئے جنہیں سیاسی محرکات نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے خوب خوب سہارا دیا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اگر صحابہ نہ ہوتے تو مسلمانوں میں نہ کوئی اختلاف ہوتا نہ کوئی تفرقہ اور جو کچھ بھی تفرقہ پیدا ہوا ہے یا پیدا ہو گا سب کا تعلق انھیں صحابہ کے بارے میں اختلاف سے ہے ورنہ تمام مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک، قبلہ ایک اور قرآن ایک ہی ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ اختلاف کا سلسلہ روز اوّل وفات پیغمبرؐ کے بعد سقیفۂ بنی ساعدہ میں صحابہ کے اختلاف سے شروع ہوا ہے اور

آج تک جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔

میں نے علماء شیعہ سے گفتگو کے دوران یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کی نظر میں اصحاب کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم ان اصحاب کی ہے جو نیک کردار، خدا و رسول کے مکمل طور پر سچا ماننے والے اور رسول کے ہاتھوں پر مرنے تک کے لئے بیعت کرنے والے، اقوال میں انکے ساتھی اور اعمال میں ان کے مخلص تھے۔ ان میں کسی طرح کا اختلاف نہیں پیدا ہوا اور حضور کے بعد بھی اپنے عہد پر قائم رہے۔ انہیں اصحاب کی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مدح کی گئی ہے۔ اور انہیں کی ثنا و صفت کا اعلان مختلف اوقات میں پیغمبرؐ اسلام نے کیا ہے۔

شیعہ ان اصحاب کا نہایت ہی احترام اور تقدیس کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں جس طرح کہ اہلسنت ان کے اعزاز و احترام کے قائل ہیں۔

دوسری قسم ان اصحاب کی ہے جنہوں نے اسلام کو گلے لگایا خوف یا رغبت سے رسولؐ اکرم کا اتباع کیا، اور برابر آپ پر اپنے اسلام کا احسان جتاتے رہے۔ بلکہ بعض اوقات تو آپ کو اذیت بھی دیتے رہے آپ کے اوامر و نواہی کا اتباع کرنے کے بجائے نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اپنے اجتہاد کا راستہ کھولتے رہے یہاں تک کہ قرآن نے کبھی ان کی سرزنش کی اور کبھی انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ بلکہ مختلف آیات میں ان کی منافقت کا اعلان کیا اور رسول اکرمؐ نے بھی مختلف احادیث میں ان سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرمائی۔ شیعہ حضرات ان اصحاب کا ان کے اعمال و افعال کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں اور الگ سے کسی تقدیس اور احترام کے قائل نہیں ہیں۔

تیسری قسم ان منافق اصحاب کی ہے جو مکاریوں کی بنا پر رسول اکرمؐ کے ساتھ رہے۔ اسلام کا اظہار کیا اور باطن میں کفر کو چھپائے رہے۔ رسول اکرمؐ سے نزدیک صرف اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے آئے اور ان کے بارے میں خدا نے ایک مکمل سورہ نازل فرما دیا۔ اور مختلف مقامات پر ان کی مذمت کی اور جہنم کے آخری طبقے کی تنبیہ کی۔ رسول اکرمؐ نے بھی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ان سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی اور بعض اصحاب کو ان کے نام اور ان کی علامتوں سے بھی باخبر کر دیا اور یہی وہ افراد ہیں جن پر شیعہ اور سنی دونوں لعنت کرتے ہیں اور ان سے دونوں ہی بیزار ہیں۔

ان تینوں قسموں کے علاوہ صحابہ کی ایک اور قسم بھی ہے جنہیں قرابت اور جسمانی و روحانی فضیلت کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ انہیں خدا و رسولؐ نے ان خصوصیات سے نوازا ہے جہاں تک کوئی دوسرا پہنچ نہیں سکتا۔ انہی کو اہلبیتؑ کہا جاتا ہے جن سے خدا نے ہر رجس کو دور رکھا ہے۔ اور انہیں مکمل طریقہ سے پاک اور پاکیزہ بنایا ہے۔ (سورہ احزاب ۳۳)

انہیں پر رسول اکرمؐ کی طرح صلوات کو واجب قرار دیا ہے اور انہیں کے لئے خمس میں ایک حصہ قرار دیا ہے۔ (انفال ۴۱)

انہیں کی محبت کو رسالت کا اجر قرار دیکر تمام مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ (شوریٰ ۲۳)

اور یہی وہ اولی الامر ہیں جنکی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ (نساء ۵۹)

اور یہی راسخون فی العلم ہیں جو تاویل قرآن سے باخبر اور محکم اور متشابہ کے جاننے والے ہیں۔ (آل عمران ۷)

اور یہی وہ اہل ذکر ہیں جنہیں رسول اکرمؐ نے حدیث ثقلین میں قرآن کا ساتھی

بنا کر دونوں سے تمسک کرنے کو واجب قرار دیا ہے (کنز العمال جلد اول ص۴۴۔ مسند احمد جلد ۵ ص۱۸۲)

یہی وہ افراد ہیں جنہیں کشتی نوح کی مثال بنایا گیا ہے کہ جو اس سفینہ پر سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو الگ ہو گیا وہ ڈوب گیا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص۱۵۱، صواعق محرقہ ص۱۸۲ و ص۲۳۴)۔

صحابہ کرام خود بھی اہلبیتؑ کی قدر و منزلت سے باخبر تھے اور ان کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ شیعہ ان اہلبیت کو تمام اصحاب پر فوقیت دیتے ہیں اور ان کے بارے میں ان کے پاس نصوص صریحہ کے مختلف دلائل بھی موجود ہیں۔

اہلسنت والجماعت اگرچہ اہلبیتؑ کے احترام و تعظیم اور تفضیل کے قائل ہیں لیکن صحابہ کی اس تقسیم کے قائل نہیں ہیں۔ اور نہ اصحاب میں منافقین کا شمار کرتے ہیں بلکہ صحابہ ان کی نظر میں سب کے سب رسول اکرمؐ کے بعد تمام مخلوقات سے بالاتر ہیں اور اگر کوئی تقسیم ہے تو صرف اسلام میں سبقت اور راہ خدا میں مجاہدات کے اعتبار سے ہے۔ اسی لئے پہلی منزل میں خلفاء راشدین کو فضیلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد عشرہ مبشرہ کے باقی چھ افراد کو رکھا گیا ہے جن کو ان کے خیال میں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ جب رسولؐ اور آل پر صلوات بھیجتے ہیں تو بلا استثناء تمام اصحاب کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔

یہی وہ حقائق ہیں جن کو میں نے علماء اہلسنت سے سیکھا ہے اور یہی وہ معلومات ہیں جن کو میں نے تقسیم صحابہ کے بارے میں علماء شیعہ سے حاصل کیا ہے اور اسی بات نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں اپنی بحث کا آغاز صحابہ کے بارے میں عمیق ترین گفتگو سے کروں۔ اور میں نے پروردگار سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر اسکی توفیق شامل حال رہے تو تمام جذبات سے الگ ہو کر غیر جانبدارانہ انداز سے بحث کروں گا اس طرح

کر دونوں فرقوں کی باتیں سنوں گا اور جو بہتر ہوگا اس کا اتباع کروں گا۔

اس سلسلہ میں میری دو بنیادیں ہیں۔ ۱۔ منطق سلیم کا قانون اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کتاب خدا اور سنت پیغمبرؐ کی تفسیر میں صرف ان باتوں پر اعتبار کروں گا جو فریقین کے درمیان متفق علیہ ہوں گی۔

۲۔ عقل جو انسان کے لئے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اسکے ذریعہ اللہ نے اسے تمام مخلوقات سے افضل و بہتر قرار دیا ہے کہ جب بھی کسی بات پر احتجاج کرنا ہوتا ہے تو اسی کا حوالہ دیکر فرماتا ہے کہ کیا ان کے پاس عقل نہیں ہے؟ کیا یہ فہم نہیں رکھتے ہیں؟ کیا یہ تدبر سے کام نہیں لیتے ہیں؟ اور کیا انہیں کچھ نہیں دکھائی دیتا ہے۔

بحث سے پہلے میرے اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ میں اللہ، ملائکہ۔ صحیفے اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ حضرت محمدؐ کو اس کا بندہ اور رسول سمجھتا ہوں اور اسلام کو اس کا پسندیدہ دین قرار دیتا ہوں۔

اس سلسلہ میں میرا اعتماد کسی صحابی پر نہیں ہے چاہے وہ کیسی ہی قرابت یا منزلت کا مالک کیوں نہ ہو۔ میں نہ اموی ہوں اور نہ عباسی نہ فاطمی۔ میرا مسلک نہ سُنی ہے نہ شیعہ۔ میں نہ ابوبکر، عمر و عثمان سے عداوت رکھتا ہوں نہ علیؑ سے۔ حد یہ ہے کہ حضرت حمزہ کے قاتل وحشی سے بھی نہیں کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا اور اسلام پرانے معاملات کو ختم کر دیتا ہے اور رسول اکرمؐ نے بھی اسے معاف کر دیا ہے؟

اور جبکہ میں نے حقیقت کی تلاش کرنے میں اپنے نفس کو اس مہلکہ میں ڈال دیا ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ تمام سابق افکار سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ تو رحمت خدا کے سہارے میری بحث کا آغاز صحابہ کے موقف اور انکے اعمال و افعال سے ہوگا۔

۱

صحابہ۔ صلح حدیبیہ میں

اس قصہ کا اجمال یہ ہے کہ ۶ھ میں رسول اکرمؐ اپنے چودہ سو اصحاب کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے مدینہ سے نکلے اور سب کو حکم دیا کہ تلواروں کو نیام میں رکھیں۔ ذی الحلیفۃ میں سب نے احرام باندھا اور تقلید کے ساتھ قربانی کو ساتھ لے کر چلے تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ زیارت اور عمرہ کی نیت سے آرہے ہیں اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن قریش کو اپنے غرور اور نخوت کی بناء پر یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں عرب کو یہ احساس نہ پیدا ہو جائے کہ محمدؐ نے طاقت کے زور پر مکہ میں قریش کی شان و شوکت کو توڑ دیا ہے۔ اسلئے سہیل بن عمرو بن عبدودّ العامری کی سرکردگی میں ایک وفد بھیجا اور یہ مطالبہ کیا کہ پیغمبرؐ اسلام اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال ان کے لئے تین دن کے واسطے مکہ خالی کر دیا جائے گا۔ اور وہ اطمینان سے عمرہ کر لیں گے۔

اس سلسلہ میں کچھ سنگین شرطیں بھی رکھیں لیکن حضور اکرمؐ نے مصلحت اسلام کے لئے سب کچھ قبول کر لیا۔ لیکن بعض اصحاب کو آپ کے تصرفات اچھے نہیں معلوم ہوئے اور انہوں نے ان اقدامات کا شدت سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ عمر بن خطاب نے آکر کہا کیا آپ واقعاً نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک! انہوں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک! ایسا ہی ہے۔۔

انہوں نے کہا تو پھر ہم یہ ذلت کیوں برداشت کر رہے ہیں ؟

آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا جبکہ وہ میرا سرپرست بھی ہے اور ــــ مددگار بھی۔

انہوں نے کہا کیا آپ نے ہم سے نہیں کہا تھا کہ ہم خانہ خدا کا طواف کریں گے ؟

آپ نے فرمایا بیشک کہا تھا لیکن کیا یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال۔ تو عمر نے کہا کہ نہیں۔

فرمایا تو پھر تم خانہ خدا تک جاؤ گے بھی اور طواف بھی کرو گے۔

اس کے بعد عمر بن خطاب ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کیا یہ واقعاً نبی برحق نہیں ہیں ؟ انہوں نے کہا۔ ہیں!۔ تو عمر نے وہ سارے سوالات ان سے بھی کئے جو رسول اللہ سے کر چکے تھے۔ اور انہوں نے بھی تقریباً ویسے ہی جوابات دیئے اور کہا کہ اے شخص وہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کی مخالفت نہیں کر سکتے ہیں لہٰذا ان کے احکام کی اطاعت کرو۔

اس کے بعد جب صلح نامہ مکمل ہو گیا تو آپ نے اصحاب کو حکم دیا کہ اٹھو قربانی دو اور سر کے بال کاٹ دو لیکن کوئی ایک شخص بھی نہیں اٹھا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین مرتبہ اس حکم کی تکرار کی اور جب کوئی تعمیل کرنے والا نہیں پیدا ہوا تو خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور جب باہر آئے تو کسی سے بات بھی نہیں کی اور خود اپنے دست مبارک سے اونٹ کو نحر کر دیا اور بال کاٹنے والے کو بلا کر سر کے بال کٹوا دیئے۔ اس کے بعد جب اصحاب نے یہ منظر دیکھا تو با دل ناخواستہ اٹھے جانور ذبح کیا اور اس طرح ایک دوسرے کے سر کے بال کاٹنے لگے جیسے گلا ہی کاٹ دیں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط۔ باب الشروط فی الجہاد جلد ۲ ص ۱۲۲)

صحیح مسلم اب صلح حدیبیہ)۔

یہ صلح حدیبیہ کا اجمالی قصہ ہے جس پر تمام شیعہ اور سنی علماء متفق ہیں۔ اور جس کا تذکرہ طبری۔ ابن اثیر اور ابن سعد جیسے تمام اصحاب تاریخ اور سیرت نے کیا ہے۔

میں اس مقام پر ٹھہرنا چاہتا ہوں کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ایسے واقعات کو پڑھوں اور متاثر نہ ہوں یا مجھے نبی اکرم ص کے سامنے اصحاب کی جسارت پر تعجب نہ ہو۔ کیا کوئی عقلمند اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ صحابہ تمام احکام رسول کی تعمیل و تنفیذ کیا کرتے تھے۔ جبکہ یہ واقعہ اس قول کی تکذیب اور ایسی باتوں کی تردید کے لئے موجود ہے اور کیا کوئی صاحب عقل یہ تصور کر سکتا ہے کہ نبی کے سامنے ایسے تصرفات معمولی ہیں یا ان تصرفات میں آدمی کو معذور قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ قرآن مجید کا کھلا ہوا اعلان ہے "پیغمبر ص آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ لوگ صاحب ایمان نہیں بن سکتے ہیں جب تک کہ اپنے تمام اختلافات میں آپ سے فیصلہ نہ کرائیں اور جب آپ فیصلہ کر دیں تو اپنے نفس میں کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں اور سراپا تسلیم بن جائیں۔ (نساء ۶۵)

کیا عمر بن خطاب نے اس مقام پر اپنے نفس کو رسول اکرم ص کے حوالہ کر دیا تھا۔ اور کیا کسی طرح کی تنگی کا احساس نہیں کیا تھا؟ کیا انہیں حب پیغمبر ص میں تردد نہیں تھا اور کیا وہ رسول اکرم ص کے جوابات سے مطمئن ہو گئے تھے؟ اور انہوں نے دوبارہ ابوبکر سے یہی سوالات نہیں کئے تھے؟ اور کیا وہ ابوبکر کے جواب اور ان کی نصیحت سے مطمئن ہو گئے تھے۔

مجھے تو یقین نہیں ہے ورنہ وہ یوں کیوں کہتے کہ میں نے اس گستاخی کے لئے بہت سے اعمال انجام دیئے ان اعمال کو تو اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں

میں تو یہ بھی نہیں جانتا ہوں کہ باقی اصحاب نے بھی تین دفعہ تکرار کے باوجود حضور کے احکام کی اطاعت کیوں نہیں کی۔

سبحان اللہ۔ میں تو ان باتوں کی تصدیق کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا کہ صحابہ رسول اکرمؐ کے حکم کو نظر انداز کرنے میں اس منزل تک پہنچ جائیں گے۔ اور اگر یہ قصہ صرف شیعوں نے نقل کیا ہوتا تو میں اسے بھی صحابہ کرام کے خلاف ان کے الزامات کا ایک حصہ قرار دے دیتا لیکن مشکل یہ ہے کہ قصہ اپنی صحت اور شہرت کے اعتبار سے اس منزل پر ہے کہ اہلسنت کے تمام محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے۔ اور میں نے چونکہ یہ طے کر لیا ہے کہ متفق علیہ مسائل کو تسلیم کر لوں گا۔ اس لئے میرے پاس سوائے تسلیم اور تحیر کے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہوں اور ان صحابہ کے بارے میں کیا عذر تلاش کروں جنہوں نے بعثت سے اب تک تقریباً بیس سال رسول اکرمؐ کے ساتھ گذارے ہیں، ان کے معجزات اور نبوت کے انوار کا مشاہدہ کیا ہے۔ قرآن مجید انہیں دن رات رسول اکرمؐ کی بارگاہ کے آداب سکھاتا رہا ہے اور یہاں تک تنبیہ کر دی ہے کہ اگر رسولؐ کی آواز پر آواز بھی بلند ہو گئی تو سارے اعمال برباد کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اس کے باوجود یہ صورت حال سامنے ہے۔

مجھے تو یہ بھی خیال پیدا ہو رہا ہے کہ عمر بن خطاب ہی نے دوسرے حاضرین کو بھی مخالفت پر آمادہ کیا تھا جیسا کہ خود ان کا اقرار ہے کہ اس سلسلے میں بہت سے اعمال انجام دیئے ہیں۔ اور دوسرے مقامات پر یہ وضاحت بھی کی ہے کہ میں تمام زندگی روزے رکھتا رہا۔ صدقہ دیتا رہا۔ نمازیں پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔ ان باتوں کی مکافات میں جو میری زبان سے نکل گئی تھیں۔ (السیرۃ الحلبیۃ باب صلح حدیبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶)

ان باتوں سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ عمر کو خود بھی اپنے موقف کی سنگینی کا احساس تھا اور انھوں نے قصداً یہ راستہ اختیار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ واقعات انتہائی عجیب وغریب اور حیرت انگیز ہیں مگر کیا کیا جائے کہ یہ ایک حقیقت ہے جسے نظرانداز بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(۲)

صحابہ اور حادثۂ روز پنجشنبہ

اس واقعہ کا اجمال یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی وفات سے تین دن پہلے اصحاب آپ کے گھر میں جمع تھے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ قلم و دوات لے آئیں تاکہ انکے واسطے ایک ایسا نوشتہ لکھدیں جو انھیں گمراہی سے محفوظ رکھے لیکن صحابہ نے اختلاف کیا اور بعض نے تو صرف نافرمانی ہی کی اور بعض نے آپ کے حکم کو ہذیان قرار دیدیا۔

اس واقعہ کی مختصر تفصیل ابن عباس کے الفاظ میں یہ ہے کہ "پنجشنبہ کا دن تھا اور کیا قیامت تھا پنجشنبہ کا دن جب پیغمبرؐ کے مرض میں شدت پیدا ہوئی اور آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا آؤ تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہو۔ تو عمر نے کہا کہ پیغمبرؐ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہی ہے جو ہمارے لئے کافی ہے جس پر گھر والوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کا کہنا تھا کہ قلم دوات لے آؤ تاکہ پیغمبرؐ ایک ایسا نوشتہ لکھدیں جس کے بعد کبھی گمراہ نہو اور بعض نے وہی کہا جو عمر نے کہا تھا اور جب لڑائی جھگڑے میں شدت پیدا ہو گئی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میرے پاس

سے نکل جاؤ"۔ جس کے بعد ابن عباس برابر یہ کہتے رہے کہ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ لوگ پیغمبر اسلامؐ اور اس نوشتہ کے درمیان حائل ہو گئے، جو اختلاف اور گمراہی سے بچانے والا تھا (صحیح بخاری جلد ۲ باب قول المریض قوموا عنی)

یہ واقعہ اپنے مقام پر بالکل صحیح ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ اسے علماء اور محدثین شیعہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور علماء و محدثین و مورخین اہلسنت نے اپنی کتابوں میں۔

اور مجھے تو بہر حال واقعہ کی صحت کو تسلیم کرنا ہے اس لئے کہ میری بحث کا بنیادی اصول یہ ہے کہ متفق علیہ حقائق کو تسلیم کیا جائے گا جس کے بعد میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہ جاتی ہے کہ میں حکم رسولؐ کے مقابلے میں عمر بن خطاب کے موقف کی کیا تفسیر کروں جب کہ یہ حکم بھی ایسا تھا جو امت کو گمراہی سے بچانے والا تھا۔ اور یہ یقیناً ایک ایسا نوشتہ ہوتا جو مسلمانوں کیلئے تمام شکوک و شبہات کا خاتمہ کر دیتا۔

چھوڑیئے شیعوں کے اس ادعا کو کہ پیغمبرؐ علیؑ کو خلافت کے لئے نامزد کرنا چاہتے تھے۔ اور عمر نے اس نکتہ کو بھانپ لیا اور اسی لئے منع کر دیا۔

اس لئے کہ شیعہ اس دعوے سے مجھے مطمئن نہ کر سکیں گے لیکن کیا اس دردناک حادثہ کی کوئی اور بھی معقول تفسیر ہو سکتی ہے جس نے رسول اکرمؐ کو اتنا غضبناک کر دیا کہ آپ نے سب کو نکال باہر کیا۔ اور ابن عباس زندگی بھر اس طرح روتے رہے کہ زمین تر ہو جاتی تھی اور اس واقعہ کو عظیم ترین مصیبت سے تعبیر کرتے رہے۔

اہلسنت کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے مرض کی شدت کا احساس کر کے آپ کو آرام دینا چاہا تھا۔ لیکن اس توجیہ کو سادہ لوح عوام بھی قبول نہیں کر سکتے

چہ جائیکہ علماء اور دانشمند حضرات۔

میں نے بارہا یہ چاہا کہ حضرت عمر کے لئے کوئی عذر تلاش کروں لیکن حادثہ کی نوعیت آڑے آگئی۔ یہاں تک کہ اگر میں لفظ ہذیان کو "غلبۂ مرض" سے بھی تبدیل کر دوں تو بھی اس لفظ کا کوئی جواز نہیں ملتا کہ تمھارے پاس قرآن موجود ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ کیا حضرت عمر رسول اکرمؐ سے بھی زیادہ عارف قرآن تھے یا رسول اللہؐ معاذ اللہ خود اپنے الفاظ کے معنی بھی نہیں سمجھ رہے تھے۔ یا انہوں نے خود بھی امت میں کوئی اختلاف اور تفرقہ پیدا کرنا چاہا تھا "استغفر اللہ"۔

پھر اگر اہلسنت کی یہ توجیہ صحیح بھی ہوتی تو خود رسول اکرمؐ کو اس حسن نیت کا اندازہ کرنا چاہئے تھا۔ اور عمر کا شکر گذار ہونا چاہئے تھا کہ انہوں نے لکھنے کی زحمت سے بچا لیا۔ نہ یہ کہ اظہار غیظ و غضب کریں اور سب کو نکال باہر کر دیں۔

مجھے تو یہ بھی پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ رسول اکرمؐ کے اس حکم کے بعد لوگ کیوں حجرہ شریف سے باہر نکل گئے۔ اس حکم کو کیوں ہذیان قرار نہیں دیا گیا اسکا سبب اس کے علاوہ کچھ اور ہے کہ لوگ رسول اکرمؐ کو نوشتہ لکھنے سے روکنے کے پروگرام میں کامیاب ہو گئے اور اس کے بعد وہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

اس کے بعد یہ مسئلہ اتنا سادہ بھی نہیں تھا کہ صرف عمر کی ذات سے متعلق ہوتا ورنہ آپ انہیں سمجھا کر خاموش کر دیتے کہ نبی اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا ہے اور ہدایت امت کے بارے میں اس پر کسی مرض کا غلبہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ مسئلہ ہمہ گیر تھا اور عمر کو اتنی آسانی سے ہم آواز افراد مل گئے تھے جیسے پہلے سے اس بات پر اتفاق رہا ہو اور اسی لئے ہر طرف سے شور اور ہنگامہ برپا ہو گیا اور کسی کو یہ قول خدا یاد نہ آیا کہ "ایمان والو خبردار اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرنا اور ان کے

سامنے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرنا جس طرح آپس میں باتیں کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ پیدا ہو۔ (حجرات آیت ۲)

اس حادثہ میں صحابہ ادب اور تہذیب کے تمام حدود سے آگے بڑھ گئے اور حضور کو ہذیان گو تک کہہ دیا اور ان کی موجودگی میں ایک لفظی معرکہ کھڑا ہو گیا۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس وقت کی بڑی اکثریت حضرت عمر کی ہم خیال تھی اور اسی لئے رسول اکرمؐ نے دیکھا کہ اب کچھ لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے کہ جب یہ لوگ آواز بلند نہ کرنے کے خدائی حکم کا احترام نہیں کرتے ہیں اور اس کی مخالفت کر رہے ہیں تو رسولؐ کے حکم کی کیا اطاعت کریں گے۔ پھر تقاضائے حکمت بھی یہی تھا کہ اب کچھ نہ لکھیں۔ اس لئے کہ جب ان کے سامنے خود ان پر الزام لگایا جا رہا ہے تو ان کے بعد ان کی تحریر کی کیا حیثیت ہوگی۔ اس وقت تو آسانی کہہ دیا جائے گا کہ یہ تحریر بھی ہذیان کی ایک قسم ہے اور اس طرح مرض الموت کے تمام احکام میں تشکیک کی جائے گی کہ ہذیان کا اعتقاد ثابت ہو چکا ہے۔

میں تو پروردگار سے استغفار کرتا ہوں کہ رسول اکرمؐ کی بارگاہ میں یہ لفظ کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے اور میں کس طرح اپنے نفس اور ضمیر کو یہ کہہ کر مطمئن کر سکتا ہوں کہ عمر نے بے خیالی میں یہ بات کہہ دی ہوگی جب کہ بعض اصحاب اور حاضرین اس حادثہ پر اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گئی اور اسے عالم اسلام کا سب سے بڑا سانحہ قرار دیدیا۔ میں تو اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ واقعہ کی تمام توجیہات اور تاویلات مہمل ہیں۔ اور صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اصل حادثہ کا انکار کر دیا جائے تاکہ اس کی کربناکی سے راحت حاصل کی جا سکے لیکن مشکل یہ ہے کہ تمام کتب صحیحہ نے اسے نقل کیا ہے اور صحیح بھی قرار دیا ہے۔

میں تو تقریباً شیعوں کی رائے سے اتفاق کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ایک

منطقی توجیہ ہے اور اس کے بہت سے قرائن بھی ہیں اور مجھے ابھی تک السید محمد باقر حکیمؒ کا یہ جواب یاد ہے کہ جب میں نے ان سے پوچھا کہ تمام صحابہ کے درمیان حضرت عمرؓ ہی کیسے سمجھ گئے کہ رسول اکرمؐ علیؑ کی خلافت کا نوشتہ لکھنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ان کی غیر معمولی ذہانت کا ثبوت نہیں ہے تو انہوں نے فرمایا کہ تنہا عمر ہی نے اس مقصد کا ادراک نہیں کیا تھا۔ بلکہ اکثر حاضرین یہی سمجھے تھے۔ اس لئے کہ رسول اکرمؐ اس قسم کے الفاظ پہلے بھی استعمال کر چکے تھے۔ جب آپ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں "کتاب اللہ اور اپنے عترت و اہلبیتؑ" کو چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان دونوں سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور آج یہ فرما رہے تھے کہ لاؤ ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ تو حاضرین نے مع عمر کے یہ محسوس کر لیا کہ پیغمبرؐ اسی بات کی تحریری تاکید کرنا چاہتے ہیں جو غدیر خم میں کتاب و عترت کے بارے میں فرما چکے ہیں اور عترت کی سب سے نمایاں فرد علیؑ ہیں۔ یعنی پیغمبر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم سب کو قرآن اور علیؑ سے تمسک کرنا ہے جیسا کہ محدثین کے بیان کے مطابق مختلف مقامات پر اشارہ بھی کر چکے تھے۔ اور دوسری طرف قریش کی اکثریت علیؑ سے خوش نہیں تھی اسلئے کہ وہ عمر کے اعتبار سے کمسن بھی تھے اور انہوں نے مختلف میدانوں میں ان کے بہادروں کو قتل کر کے ان کی ناک رگڑ دی تھی اور ان کے غرور و نخوت کو چور چور کر دیا تھا لیکن وہ اس حد تک جسارت کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ میں یا عبد اللہ ابن ابیٔ منافق کی نماز جنازہ میں یا اس موقع پر دیکھنے میں آیا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ مرض الموت کے موقع پر کتابت کی راہ کی رکاوٹ ڈالنے سے دوسرے افراد کے بھی حوصلے بلند ہو گئے کہ۔ اور انہوں نے بھی جسارت میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

حضرت عمر کا یہ قول درحقیقت مقصد حدیث کی مکمل تردید ہے اس لئے کہ ارشاد سرکار دو عالم ص یہ تھا کہ امت کو قرآن اور عترت دونوں سے تمسک کرنا ہے اور عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ قرآن ہمارے پاس موجود ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے ہمیں عترت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب اس حادثہ کی اس کے علاوہ کیا تفسیر ہو سکتی ہے کہ صحابہ کا مقصد رسول اکرم ص کی مخالفت کرنا تھا اور بس۔ ہاں صرف یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کا مقصد یہ تھا کہ خدا کافی ہے اور رسول ص کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بھی خلاف اسلام اور غیر معقول ہے۔

اس لئے میں نے اندھے تعصب اور بیجا جذباتیت کے راستہ کو چھوڑنے کے بعد عقل سلیم اور فکر آزاد کے فیصلہ کی بنا پر یہ طے کر لیا کہ شیعوں کا تجزیہ بالکل صحیح ہے اور اگر میرا یہ خیال غلط بھی ہے تو یہ غلطی اس فعل سے کمتر ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کہہ کر سیرت پیغمبر ص کو ٹھکرا دیا جائے اور اگر بعض مسلمان حکام نے سیرت پیغمبر ص کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا ہے کہ اس میں تناقض پایا جاتا ہے تو اس میں بھی اسلامی تاریخ کے اسی سابقہ کا اتباع کیا گیا ہے اور میں تو اس غلطی کی ذمہ داری تنہا حضرت عمر پر نہیں ڈالتا بلکہ اس انصاف کے راستے پر چلتے ہوئے ان تمام صحابہ کو ذمہ دار قرار دیتا ہوں جنہوں نے عمر جیسی بات کہی اور رسول اللہ کے مقابلے میں ان کے موقف کی تائید کر دی۔

مجھے تو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو اس حادثہ کو پڑھ کر یوں گذر جاتے ہیں جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں جبکہ بقول ابن عباس یہ تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ ہے اور سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں کے حال پر ہوتا ہے جو ایک صحابی کی عزت بچانے اور اس کی غلطی کی توجیہ کرنے میں سارا زور صرف کر دیتے ہیں چاہے اس

راہ میں رسول اللہ کی عزت اور اسلام کے قوانین ہی کو کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔

عزیزان گرامی۔ آخر ہم حقیقت سے کیوں بھاگنا چاہتے ہیں، اور ان معاملات کو کیوں دبانا چاہتے ہیں جو ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہیں۔ ہم یہ اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ صحابی بھی جیسے انسان ہیں۔ ان کے پاس بھی خواہشات مفادات اور میلانات سب کچھ ہیں۔ وہ صحیح کام بھی کرتے ہیں اور ان سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔

ہاں میرا تعجب اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب میں کتاب خدا کا مطالعہ کرتا ہوں اور وہ انبیاء کرام کے واقعات اور معجزات کو دیکھنے کے بعد بھی قوموں کی طرف سے ان کے حق میں شدید قسم کی مخالفت کا ذکر کرتا ہے (خدایا! ہدایت کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا ہونے دینا اور ہمیں اپنے خزانہ خاص سے رحمت عطا فرمانا کہ تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔

اب مجھے یہ اندازہ ہونے لگا ہے کہ شیعہ حضرات جو مسلمانوں کی زندگی کے بیشتر مصائب کی ذمہ داری خلیفہ دوم پر ڈالتے ہیں کہ انہوں نے امت کو اس نوشتہ ہدایت سے محروم کر دیا ہے جو رسول اکرمؐ اس کے واسطے لکھنا چاہتے تھے۔ ان کے اس موقف کا پس منظر کیا ہے اور میں اس اعتراف پر مجبور ہوں کہ جس شخص نے بھی شخصیتوں سے بالاتر ہو کر حق کا عرفان حاصل کیا ہے وہ ان کے موقف کی تائید کرے گا۔ اور جس نے حق کو شخصیتوں ہی سے پہچانا ہے اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۳) صحابہ لشکر اسامہ میں

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی وفات سے دو دن پہلے

روم سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کیا اور اس کا سردار اسامہ ابن زید ابن حارثہ کو قرار دیا۔ جن کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی اور اس لشکر میں ابوبکر۔ عمر۔ اور ابوعبیدہ جیسے مشاہیر اصحاب اور مہاجرین و انصار کے نمایاں افراد کو بھی شامل کر دیا۔ جس پر ایک جماعت نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم پر ایسے جوان کو کیوں سردار بنا دیا گیا ہے۔ جس کا سبزہ آغاز نہیں ہوا ہے اور یہی بات اس نے پہلے ان کے باپ کی سرداری کے موقع پر کہی جا چکی تھی۔

چنانچہ صحابہ کے اس طرز تنقید کو سن کر سرکار کو بیحد غصہ آیا اور آپ بخار کے عالم میں سر پر پٹی باندھے دو افراد پر تکیہ کئے ہوئے یوں بیت الشرف سے برآمد ہوئے کہ آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ اور پھر منبر پر جاکر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا " ایہا الناس یہ اسامہ کی سرداری کے بارے میں میں کیا باتیں سن رہا ہوں۔ اور آج یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے تم اس سے پہلے ان کے باپ کی سرداری پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ خدا کی قسم زید سرداری کے حق دار تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا اس منصب کا اہل ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۹۰۔ تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۔ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۷۔ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۶)۔

اس کے بعد آپ نے قوم کو عجلت پر آمادہ کرنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ لشکر اسامہ کو تیار کرو۔ لشکر اسامہ کو روانہ کرو۔ لشکر اسامہ کو آگے بڑھاؤ اور اس بات کی مسلسل تکرار فرماتے رہے لیکن لوگوں کی سستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تو اب میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر خدا و رسول کے مقابلے میں یہ جرأت کیسی ہے۔ اور پیغمبر گرامی کے حق میں یہ نافرمانی کیا معنی رکھتی ہے جب کہ وہ مومنین کے فائدہ کے لئے بے چین اور ان کے حال پر مہربان رہتے ہیں۔

میں تو ایسی مخالفت اور ایسی جرأت کی کوئی معقول تفسیر نہیں سوچ سکتا ہوں اور میری طرح کوئی دوسرا انسان بھی نہیں سوچ سکتا ہے۔

میرا دل چاہتا تھا کہ میں دیگر واقعات کی طرح اس واقعہ سے بھی آنکھ بند کر کے گذر جاؤں یا اس کی تکذیب کر دوں کہ اس سے قریب یا دور سے صحابہ کی عظمت کو ٹھیس لگ گئی ہے۔ لیکن میں اس حقیقت سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ جسے شیعہ اور سنی دونوں طرح کے مورخین اور محدثین نے بالاتفاق نقل کیا ہے۔

میں اپنے خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ انصاف کروں گا اور کسی مذہبی تعصب سے کام نہیں لوں گا اور حق کے علاوہ کسی چیز کو کوئی اہمیت نہیں دوں گا۔ اگرچہ حق اس مقام پر انتہائی تلخ ہے۔ اور سرکار دو عالمؐ نے فرمایا ہے کہ "حق کہو چاہے اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو اور حق کہو چاہے تلخ ہی کیوں نہ ہو"

اور حق اس واقعہ میں یہی ہے کہ جن صحابہؓ نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا انہوں نے حکم الٰہی کی مخالفت کی اور ان صریحی نصوص کی مخالفت کی جن میں کسی شک اور تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور اس سلسلے میں ان کے پاس کوئی معقول عذر بھی نہیں ہے۔

علاوہ ان بے جان معذرتوں کے جنہیں بعض لوگوں نے صحابہ اور سلف صالح کی عزت کے تحفظ کے لئے تلاش کیا ہے۔ جب کہ آزاد فکر اور صاحب عقل ایسی باتوں کو کسی قیمت پر قبول نہیں کر سکتا ہے مگر یہ کہ ان لوگوں میں شامل ہو جائے جو بقول قرآن کوئی بات ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ یا بے عقل ہیں یا تعصب نے انہیں اتنا اندھا بنا دیا ہے کہ واجب و حرام میں کوئی امتیاز نہیں قائم کر پاتے ہیں۔

میں نے بہت غور کیا کہ ان صحابہ کے لئے کوئی عذر تلاش کر دوں لیکن میری

فکرنے کوئی فائدہ نہیں پہونچایا۔

پھر میں نے اہلسنت کی یہ معذرتیں پڑھیں کہ یہ سب قریش کے شیوخ اور بزرگ تھے انہیں اسلام میں سبقت حاصل تھی اور اسامہ بالکل نوجوان تھے۔ انہوں نے بدر و احد و حنین جیسے عزت اسلام کیلئے فیصلہ کن معرکوں میں شرکت بھی نہیں کی تھی۔ ان کا اسلام میں کوئی سابقہ بھی نہیں تھا بلکہ وہ بالکل ایک کمسن نوجوان تھے جسے فطری طور پر بزرگ اور بوڑھے افراد برداشت نہیں کر پاتے ہیں اور طبعی طور پر ان کے احکام کی اطاعت کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں اور اسی لئے ان لوگوں نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا تھا۔ اور یہ چاہا تھا کہ حضور ان کی جگہ پر کسی بزرگ اور نمایاں صحابی کو سردار بنا دیں ——— لیکن مجھے ان معذرتوں کی کوئی عقلی یا شرعی دلیل نہیں مل سکی۔ اور کسی قرآن پڑھنے والے اور اس کے احکام جاننے والے مسلمان کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ ان معذرتوں کو رد کر دے۔ اس لئے کہ پروردگار نے فرمایا ہے (جو تمہیں رسول دیدیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں رک جاؤ ——— سورہ حشر آیت ۷)۔ (خدا و رسول اگر کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی اختیار نہیں رہ جاتا اور جو خدا و رسول کی مخالفت کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گا۔ احزاب ۳۶)

ان صریحی نصوص کے بعد وہ کون سا عذر باقی رہ جاتا ہے جسے صاحبان عقل قبول کر لیں اور میں ان قوم کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جس نے یہ جانتے ہوئے رسول اکرمؐ کو غضبناک کیا کہ ان کا غضب اللہ کا غضب ہے اور انہیں ہذیان گو قرار دیا اور مرض الموت کے عالم میں ان کے سامنے اتنا ہلڑ اور ہنگامہ کیا کہ سب کو حجرہ سے باہر نکال دینا پڑا۔ کیا یہ حادثہ اس امر کے لئے کافی نہیں تھا

کہ لوگ راہ راست پر آجائیں اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور رسولؐ سے بھی اپنے حق میں استغفار کا مطالبہ کریں جیسا کہ قرآن نے اشارہ دیا ہے چہ جائیکہ اس کے بعد بقول عرب "مٹی کو اور گیلا بنادیں"، اور رحیم و کریم پیغمبرؐ کے مقابلہ میں ایسی جسارتیں کریں کہ نہ ان کے حق کی رعایت رہ جائے اور نہ ان کے احترام کی کوئی حیثیت رہ جائے اور اُسامہ کی سرداری پر اس وقت طعن وطنز کریں جب کہ ابھی ہذیان کا زخم مندمل بھی نہیں ہونے پایا تھا اور بقول مورخین رسول اکرمؐ کو اس شدت مرض کے عالم میں باہر نکلنے پر مجبور کردیں جبکہ آپ دو آدمیوں پر ٹیک کیے ہوئے تھے اور آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جارہے تھے پھر آپ کو اس بات کی قسم بھی کھانا پڑے کہ اسامہ سرداری کے حقدار ہیں اور یہ اعلان بھی کرنا پڑے کہ یہ لوگ اس سے پہلے زید بن حارثہ کی سرداری پر بھی اعتراض کرچکے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے اس سے پہلے بھی بہت سے مواقف اور سابقہ ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ ہرگز ان لوگوں میں نہیں تھے جو رسولؐ کے فیصلے کے بعد دل میں کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور ان کے سامنے سراپا تسلیم بن جائیں بلکہ ان کا شمار ان معاندین اور مخالفین میں تھا جنہوں نے اپنے واسطے حق تنقید و اعتراض محفوظ کرلیا تھا چاہے اس راہ میں خدا و رسولؐ کے احکام کی مخالفت ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اس صریحی مخالفت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان افراد نے یہ دیکھنے کے بعد بھی کہ پیغمبرؐ اسلام غصہ کے عالم میں ہیں اور آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے علم لشکر تیار کیا ہے اور لوگوں کو جلدی کرنے کا حکم دیا ہے۔ سستی اور کاہلی سے کام لیا اور لشکر اسامہ کے ساتھ نہ گئے یہاں تک کہ حضورؐ کا انتقال ہوگیا۔ ہمارے ماں باپ قربان اس قلب نازنین پر جو اپنے ساتھ امت کا یہ درد لے کر چلا گیا کہ یہ

عنقریب الٹے پاؤں پلٹ جانے والی ہے اور اس کا انجام آتش جہنم ہوگا۔ علاوہ اس مختصر اقلیت کے جسکو خود حضور نے ہدایت یافتہ قرار دیا ہے۔

ہم اگر اس واقعہ میں مزید غور کرنا چاہیں تو یہ دیکھیں گے کہ اس کے سب سے زیادہ نمایاں عنصر اور اس سیاسی پیچ و خم کے سب سے بڑے قطب خلیفۂ دوم تھے جنہوں نے وفات پیغمبرؐ کے بعد بھی ابوبکر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اسامہ کو معزول کرکے کسی دوسرے کو سردار لشکر بنادیں۔ جس پر ابوبکر نے بگڑ کر جواب دیا تھا کہ ابن خطاب! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے تجھے اس شخص کو معزول کرنے کا مشورہ دے رہا ہے جسے رسول اللہؐ نے حاکم بنایا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۹۰) تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۶)۔ آخر عمر کو اس حقیقت کا ادراک کیوں نہیں ہوا جسے ابوبکر نے سمجھ لیا تھا یا پھر اس مسئلہ میں کوئی دوسرا ہی راز تھا۔ جو مورخین پر واضح نہیں ہوسکا یا انھوں نے اس راز کو عمر کی عظمت کے تحفظ کے لیے چھپا دیا جیسا کہ ان کی ایک عام عادت ہے اور اسی کے تحت لفظ ہذیان کو غلبۂ مرض سے تبدیل کردیا ہے۔

مجھے بہرحال ان صحابہ کے نام پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے پنجشنبہ کے دن رسول اکرمؐ کو غضبناک کیا، انہیں ہذیان گو قرار دیا اور پھر حسبنا کتاب اللہ کا اعلان کردیا جب کہ خود کتاب خدا کا اعلان تھا کہ (پیغمبرؐ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ کے چاہنے والے ہو تو میرا اتباع کرو تا کہ اللہ تم سے محبت کرے ——— (آل عمران آیت ۳۱)

تو کیا یہ صحابہ کتاب خدا اور اس کے احکام سے اس پیغمبرؐ سے زیادہ باخبر تھے جس پر یہ کتاب نازل ہوئی تھی اور آج اس حادثہ کے دو دن بعد اور پیغمبرؐ کی بارگاہ الٰہی میں حاضری سے دو دن پہلے آپ کو دوبارہ کچھ زیادہ ہی غضبناک

کر رہے ہیں اور آپ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کر رہے ہیں۔

حادثہ اتنا سنگین ہے کہ پیغمبر گھر سے باہر جانے پر مجبور ہو گئے ہیں اور منبر پر آجانے کے بعد آپ نے پہلے مکمل خطبہ کے انداز سے حمد و ثنائے الٰہی کی تاکہ قوم کو اندازہ ہو جائے کہ میرے کلام میں کسی طرح کا ہذیان نہیں ہے اس کے بعد ان کے اعتراض کو بیان کیا اور چار سال پہلے وارد ہونے والے ایسے ہی ایک اعتراض کو یاد دلایا۔ کیا اس کے بعد بھی صحابہ کا خیال تھا کہ پیغمبر ہذیان گو ہیں یا ان پر مرض کا غلبہ ہو گیا ہے اور انہیں خود شعور نہیں ہے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔

میرے خدائے پاک و بے نیاز! ان لوگوں نے تیرے رسولؐ کی شان میں کس طرح کی جسارت کی ہے اور کس طرح اس کے احکام کی شدت سے مخالفت کی ہے کہ اس نے تین مرتبہ حدیبیہ میں قربانی کا حکم دیا تو کسی نے قبول نہ کیا اور عبداللہ ابن ابی کے جنازہ پر نماز کے لئے کھڑا ہوا تو یہ کہہ کر دامن کھینچ لیا کہ منافق کی نماز جنازہ ممنوع ہے گویا یہ لوگ خود پیغمبرؐ کو احکام الٰہی سکھا رہے تھے جب کہ تو نے قرآن میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ (پیغمبر ہم نے آپ کی طرف ذکر کو اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں سے اس کے احکام بیان کریں ــــ نحل آیت ۴۴)۔ (پیغمبر ہم نے آپ کی طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ آپ خدا کے بتلائے ہوئے قانون کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں ــــ نساء ۱۰۵)۔

(جس طرح ہم نے تمہاری طرف تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے تمہیں پاکیزہ نفس بناتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ان تمام باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے ــــ بقرہ آیت ۱۵۱)

یقیناً حیرت انگیز ہے اس قوم کا حال جو اپنے کو رسول اکرمؐ سے بالاتر سمجھتی ہے کہ کبھی ان کے احکام کو ٹھکرا دیا۔ کبھی انہیں ہذیان گو قرار دیدیا اور کبھی ان کے سامنے ادب و احترام کا لحاظ کئے بغیر ہنگامہ شروع کر دیا۔ کبھی زید بن حارثہ کی سرداری پر اعتراض کیا۔ اور کبھی ان کے بیٹے اسامہ کی سرداری کو قابل تنقید بنا دیا۔

کیا اس کے بعد بھی اہل تحقیق کی نظر میں اس امر میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ شیعہ اس بات میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ وہ صحابہ کے اعمال کے سامنے سوالیہ نشان کھڑا کرتے ہیں اور ان کے احترام کو صاحب رسالت اور اہلبیتؑ کی محبت و مودت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

میں نے تو مخالفتوں کی چار پانچ مثالیں بنظر اختصار بیان کر دی ہیں تاکہ انہیں کو نمونہ قرار دیا جائے ورنہ علماء شیعہ نے ایسے سیکڑوں موارد کی نشاندہی کی ہے جہاں صحابہ نے صریحی نصوص کی کھلی مخالفت کی ہے اور اس دعوے پر انہیں بیانات سے استدلال کیا ہے جنہیں علماء اہلسنت نے اپنے صحاح اور مسانید میں نقل کیا ہے۔

میں جس وقت ان مواقف پر نگاہ کرتا ہوں تو حیرت زدہ اور مدہوش ہو کر رہ جاتا ہوں نہ صرف اس لئے کہ صحابہ کے تصرفات کیا تھے بلکہ اس لئے بھی کہ ان علماء اہلسنّت کو کیا ہو گیا ہے جو ہمارے سامنے صحابہ کی یہ تصویر پیش کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ حق بجانب تھے۔ اور ان پر کسی طرح کی تنقید نہیں ہو سکتی ہے اور اس طرح ایک جویائے حقیقت کو منزل تک پہونچنے سے روک دیتے ہیں اور وہ فکری تناقضات کے درمیان ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے۔

گذشتہ بیانات کے علاوہ میں کچھ مثالیں اور نقل کرنا چاہتا ہوں جن سے صحابہ کے کردار کی صحیح تصویر کشی ہو سکتی ہے اور شیعوں کا موقف

اور بھی بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

بخاری نے اپنی صحیح کے جلد چار صفحہ ۴۷ باب الصبر علی الاذیٰ میں اور آیۂ کریمہ "انما یوفی الصابرون اجرہم" کے ذیل میں اعمش کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے شقیق کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ عبداللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے ایک مرتبہ کچھ مال تقسیم کیا تو انصار میں سے ایک شخص نے کہا واللہ اس تقسیم کی بنیاد ذات خدا نہیں ہے تو میں نے یہ کہا کہ میں یہ بات پیغمبرؐ سے بیان کروں گا اور میں نے آکر اصحاب کے سامنے اسے بیان بھی کر دیا تو پیغمبرؐ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور ایسے غضب کے آثار نمودار ہوئے کہ میں نے سوچا کہ کاش میں نے یہ خبر نہ دی ہوتی تو آپ نے فرمایا کہ موسیٰ کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی ہے لیکن انہوں نے بھی صبر سے کام لیا ہے۔

جس طرح کہ بخاری نے اسی کتاب الادب کے باب التبسم والضحک میں انس بن مالک کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اکرمؐ کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ ایک نجرانی ردا اوڑھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر پوری شدت کے ساتھ ردا کو کھینچا کہ آپ کا شانہ کھل گیا اور جسم پر ردا کے حاشیہ کے نشان پڑگئے اور یہ کہا کہ محمدؐ جو مال خدا رکھے ہوئے ہو اس میں سے مجھے بھی دو تو آپ نے اس کی طرف مڑکر دیکھا اور مسکرا کر عطیہ کا حکم دے دیا۔

جس طرح خود بخاری ہی نے حضرت عائشہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک عمل انجام دے کر اس کی اجازت دی تو لوگوں نے اس سے پرہیز کرنا شروع کر دیا اور آپ کو اس بات کی خبر ملی تو خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد الٰہی کے بعد فرمایا کہ ان قوموں کو کیا ہو گیا ہے جو ان باتوں سے پرہیز کرتی ہیں جنہیں میں انجام دیتا ہوں۔ خدا کی قسم میں ان سب سے زیادہ معرفت خدا بھی رکھتا ہوں اور خوف خدا بھی

ان روایات میں جو شخص بھی دقت نظر سے کام لے گا وہ یہ دیکھے گا کہ صحابہ اپنے کو پیغمبرؐ سے بھی بالاتر سمجھتے تھے۔ اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ پیغمبر غلطی کرتا ہے اور وہ اصلاح کرتے ہیں۔ پھر اسکے بعد مورخین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنہوں نے صحابہ کے ہر عمل کی تصحیح اور تائید کی چاہے وہ عمل پیغمبرؐ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو بلکہ بعض صحابہ کو تو علم و تقویٰ میں پیغمبرؐ سے بھی بالاتر بنا کر پیش کر دیا جیسا کہ جنگ بدر کے اسیروں کے بارے میں ہوا کہ پیغمبرؐ کے فیصلہ کو غلط قرار دیا اور عمر بن خطاب کے فیصلے کو صحیح اور پیغمبرؐ کی طرف یہ جعلی روایت بھی منسوب کر دی کہ اگر ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں تو اس سے سوائے ابن خطاب کے کوئی نجات نہیں دلا سکتا۔ گویا ان کے خیال میں پیغمبرؐ یہ کہتے تھے کہ "لولا عمر لہلک النبی" معاذاللہ۔ بھلا اس فاسد عقیدہ کا بھی کوئی ٹھکانا ہے جس سے بدتر کوئی عقیدہ نہیں ہے اور میں تو اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے وہ اسلام سے بُعدالمشرقین کا فاصلہ رکھتا ہے اور اسے چاہیے کہ اپنی عقل کا علاج کرائے یا شیطان رجیم کو اپنے دل سے نکال باہر کرے۔

ارشاد الٰہی ہے (کیا آپ نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے اور اسے علم کے باوجود خدا نے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے۔ اس کے دل اور کان پر مہر لگ گئی ہے اور اس کی آنکھ پر پردے پڑ گئے ہیں۔ اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے تو تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو — جاثیہ آیت ۲۳)

میری جان کی قسم جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ خواہشات کی طرف جھک جاتے ہیں اور راہ حق سے منحرف ہو کر مرضی خدا کے خلاف خواہشات کے اتباع میں اموال تقسیم کر دیتے ہیں یا جو لوگ ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں جنہیں رسول اکرمؐ نے انجام دیا ہے اس اعتقاد کی بنا پر کہ یہ رسول اللہ سے بھی زیادہ صاحب علم و تقویٰ ہیں یہ لوگ کسی احترام کے حقدار نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ انہیں ملائکہ کی منزل

میں رکھ دیا جائے اور رسول اکرمؐ کے بعد افضل خلائق قرار دیکر مسلمانوں کو ان کے اتباع، اقتدا اور پیروی کی دعوت دی جائے صرف اس لئے کہ یہ رسول اللہ کے اصحاب تھے جب کہ یہ بات خود اہلسنت کے طرز عمل سے بھی تضاد رکھتی ہے جو محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات پڑھتے وقت صحابہ کا بھی اضافہ کر دیتے ہیں کہ جب خدا کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہے اور اس نے انھیں رسول اور آل رسول پر صلوات پڑھنے کا حکم دیا ہے تاکہ یہ ان کی منزلت سے باخبر رہیں تو ہمیں کیا حق ہے کہ ہم انہیں اونچا کر کے ان کے برابر کر دیں جنہیں خود خدا نے عالمین سے افضل قرار دیا ہے۔

آپ بھی یہ نتیجہ نکالنے دیں کہ اموی اور عباسی حکام نے اہل بیتؑ سے دشمنی کرکے انہیں وطن سے نکال کر، مصیبتوں میں ڈال کر اور ان کا اور ان کے چاہنے والوں کا قتل عام کر کے جب دیکھا کہ اہلبیتؑ کے فضائل اور کمالات امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور اللہ ان پر صلواۃ پڑھے بغیر کسی مسلمان کی نماز بھی قبول نہیں کرتا ہے تو یہ سوچا کہ اپنی عداوت اور اپنے انحراف کا کیا جواز پیش کریں، اور اس کے نتیجہ میں صحابہ کو اہلبیتؑ سے ملحق کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ دھوکا دے سکیں کہ اہلبیت اور اصحاب دونوں ایک ہی جیسے ہیں خصوصاً جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ ان کے بڑے بزرگ وہ بعض اصحاب ہیں جنہوں نے اصحاب تابعین کے کمزور دلوں کو کرایہ پر لے لیا تاکہ تمام صحابہ اور بالخصوص مسند خلافت تک آنے والے اصحاب کی شان میں روایتیں بیان کریں اور یہی چیز ان کے منصب حکومت تک آنے کا سبب بنے گی۔ تاریخ اس بات کی بہترین گواہ ہے کہ عمر بن خطاب جیسا آدمی جو اپنے والیوں سے سخت محاسبہ کرتا تھا اور انہیں ادنیٰ شبہ پر معزول کر دیتا تھا۔ وہ بھی معاویہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے اور کوئی محاسبہ نہیں کرتا ہے۔

چنانچہ ابو بکر اور عمر کی پوری زندگی منصب خلافت پر فائز رہا اور کوئی اعتراض کرنے والا پیدا نہ ہوا۔ جب کہ شکایت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا جو عمر سے کہتے تھے کہ معاویہ سونا اور ریشم پہنتا ہے جسے رسول اللہ نے مردوں کے لئے حرام قرار دیا ہے۔ اور عمر یہ جواب دیتے تھے کہ اسے اسی حال پر چھوڑ دو۔ وہ عرب میں کسریٰ کی مثال ہے۔

معاویہ اسی طرح بیس سال سے زیادہ حکومت پر قابض رہا اور کسی نے نہ کوئی تنقید کی اور نہ اسے معزول کیا۔ بلکہ جب عثمان کے ہاتھ میں حکومت آئی تو انہوں نے کچھ اور علاقے بھی شامل کر دیئے۔ جس کی بنیاد پر معاویہ اسلامی سرمایہ پر قابض ہو گیا۔ اور اسے موقع مل گیا کہ عرب کے اوباشوں کا لشکر تیار کر کے امام امت کے خلاف انقلاب برپا کر دے اور طاقت کے زور پر حکومت پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی گردن پر حکومت کرنے لگے اور انہیں جبر و قہر کی بنیاد پر اپنے شراب خوار بیٹے یزید کی بیعت پر آمادہ کرے

یہ مصائب کی دوسری داستان ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ان صحابہ کی نفسیات کا اندازہ ہو جائے جنہوں نے تخت خلافت پر قبضہ کر کے براہ راست بنی امیہ کی حکومت کی راہ ہموار کر دی۔ ان قریش کی مرضی کے مطابق جو نبوت اور خلافت کو بنی ہاشم میں نہیں دیکھ سکتے تھے (خلافت و ملوکیت مودودی، یوم الاسلام احمد امین)

اموی حکومت کو یہ حق حاصل تھا بلکہ اس کا فرض تھا کہ ان لوگوں کا شکریہ ادا کرے جنہوں نے ان کی حکومت کی راہ ہموار کی۔ اور ان کا کم از کم شکریہ یہ تھا کہ ایسے ضمیر فروش راوی پیدا کریں جو ان کے بزرگوں کی شان میں وہ روایتیں تیار کریں جنہیں قافلے مختلف علاقوں میں اپنے ساتھ لے کر جائیں اور ان کے مرتبہ کو حقلی

فضائل اور امتیازات کی بنیاد پر اہلبیتؑ سے بالاتر بنا میں جب کہ خدا اس بات کا شاہد ہے کہ اگر شرعی، عقلی اور منطقی دلائل کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان فضائل کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی مگر یہ کہ انسان کی عقل ماؤف ہو جائے اور وہ تناقضات پر ایمان لانے لگے۔

یہ جعلی روایتوں ہی کا اثر تھا کہ سارے علاقہ میں عمر کی عدالت کا شہرہ ہو گیا اور قافلے والے کہنے لگے کہ وہ انصاف کر کے سو گئے، اور بعض لوگوں نے یہاں تک مشہور کر دیا کہ عمر کو قبر میں کھڑا کھڑا دفن کیا گیا ہے تاکہ عدل اور انصاف مرنے نہ پائے۔

ظاہر ہے کہ جس کا جو جی چاہے اس راہ میں بیان کرے کوئی کسی کا روکنے والا نہیں ہے لیکن صحیح تاریخ کا بیان یہی ہے کہ ۲۰ھ میں جب عمر نے عطایا معین کئے تھے تو نہ سیرت پیغمبرؐ کو دریافت کیا اور نہ اس کی پابندی کی۔ رسول اکرمؐ نے تمام مسلمانوں کو بلا امتیاز برابر کے عطیے دیئے تھے اور یہی کام اپنے دور خلافت میں ابوبکر نے بھی کیا تھا۔ لیکن عمر نے تقسیم کا ایک نیا طریقہ ایجاد کر دیا اور سابقین کو غیر سابقین پر اور قریش کے مہاجرین کو غیر قریش کے مہاجرین پر اور عام مہاجرین کو تمام انصار پر۔ اور تمام عرب کو تمام عجم پر۔ اور صریح کو موالی پر۔ مضر کو ربیعہ پر فضیلت دیدی اور مضر کو تین سو اور ربیعہ کے لئے دو سو معین کئے، اور پھر اوس کو خزرج پر فضیلت دیدی۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۰۶، فتوح البلدان ص ۴۴۳)

اہل عقل انصاف کریں کہ یہی تفاوت کا نام عدل و انصاف ہے۔

پھر اس کے بعد انہی راویوں سے عمر ابن خطاب کے علم کی بھی بے شمار داستانیں سنی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں اعلم اصحاب بھی قرار دیدیا گیا ہے اور یہ روایت بھی تیار کی گئی ہے کہ ان کے پروردگار نے اکثر مقامات پر ان

ے اور پیغمبرؐ کے درمیان اختلاف رائے کی شکل میں ان کی تائید میں آیتیں نازل کی ہیں۔ حالانکہ صحیح تاریخ یہی ہے کہ انہوں نے نزول قرآن کے بعد بھی اس کا اتباع نہیں کیا ہے اور جب ایام خلافت میں کسی نے سوال کیا کہ اگر حالت جنابت میں پانی نہ ملے تو کیا کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ نماز چھوڑ دو۔ اور عمار ابن یاسر مجبور ہوئے کہ تیمم کا قانون یاد دلائیں لیکن عمر مطمئن نہ ہوئے اور کہا کہ ہم اتنا ہی بوجھ لادتے ہیں جتنا آدمی اٹھا سکے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۲)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیمم کے بارے میں حضرت عمر کا علم کہاں چلا گیا تھا جب کہ اس کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے اور پیغمبرؐ نے وضو کی طرح اس کی بھی تعلیم دی ہے۔ اور خود عمر نے بھی مختلف مقامات پر اپنے جاہل ہونے کا اعتراف کیا ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ گھر میں بیٹھنے والی عورتیں بھی عمر سے زیادہ دین سے باخبر ہیں اور اس جملے کی بار بار تکرار کی ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ انہیں مرتے مرتے کلالہ کا حکم نہ معلوم ہو سکا۔ جس کے بارے میں تاریخی شواہد کے مطابق مختلف قسم کے فیصلے کئے ہیں تو آخر ان مواقع پر ان کا علم کہاں چلا گیا تھا۔

اس کے بعد عمر کی شجاعت اور بہادری کی داستانیں بھی بہت سنی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ عمر کے اسلام کے بعد سارے قریش خوف زدہ ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہو گیا۔ بلکہ عمر ابن خطاب سے اسلام کو عزت مل گئی اور رسول اکرمؐ کو اعلانیہ دعوت اسلام کی اس وقت تک ہمت نہیں ہوئی جب تک عمر مسلمان نہیں ہو گئے۔ لیکن واقعی تاریخ ان میں سے کسی بات کا پتہ نہیں دیتی ہے اور نہ تاریخ میں مشہور یا کسی غیر مشہور ایسے انسان کا نام ملتا ہے جسے عمر ابن خطاب نے کسی مقابلہ میں یا بدر و احد و خندق جیسے معرکوں

میں قتل کیا ہو بلکہ اس کے برعکس تاریخ یہ ضرور بیان کرتی ہے کہ انہوں نے معرکۂ احد میں اور اس کے بعد معرکۂ حنین میں فرار اختیار کیا ہے اور رسول اکرمؐ نے خیبر کو فتح کرنے کے لئے بھیجا تو شکست کھا کر واپس چلے آئے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کسی سریہ میں شریک بھی ہوئے تو تابع کی حیثیت سے شریک ہوئے سردار کی حیثیت سے نہیں۔ اور آخری سریہ میں تو انھیں اسامہ ابن زید جیسے نوجوان کا محکوم بنا دیا گیا تو اس کے بعد ان داستانوں کی کیا قیمت رہ جاتی ہے۔

جرأت و شجاعت ہی کی طرح عمر ابن خطاب کے تقویٰ، خوف خدا اور خشیت الہٰی میں گریہ کی داستانیں بھی سنی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انھیں اس بات کا خوف تھا کہ اگر عراق میں کسی خچر کا پاؤں پھسل گیا تو انھیں روز قیامت حساب دینا پڑے گا کہ انھوں نے راستہ ہموار کیوں نہیں کیا۔

لیکن صحیح تاریخ کا بیان یہ ہے کہ وہ انتہائی تندخو اور سخت مزاج آدمی تھے اور انھیں کسی بات کا خوف نہیں تھا یہاں تک کہ اگر کوئی کسی آیت قرآن کے بارے میں بھی پوچھ لیتا تھا تو اسے اتنا مارتے تھے کہ لہولہان ہو جاتا تھا۔ بلکہ ان کی ہیبت اور ترشروئی کو دیکھ کر اکثر عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں یہ خوف خدا اس وقت کیوں نہ پیدا ہوا جب تلوار لئے ہر اس آدمی کو قتل کی دھمکی دے رہے تھے جو پیغمبرؐ کے انتقال کا قائل ہوا اور قسم کھا کر بیان کر رہے تھے کہ ان کا انتقال نہیں ہوا ہے بلکہ وہ حضرت موسیٰ کی طرح پروردگار سے مناجات کرنے گئے ہیں اور اگر کوئی ان کی موت کا نام بھی لے گا تو اس کا گلا کاٹ دیا جائے گا۔ (تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر)

یہ خوف خدا اس وقت کیوں نہیں پیدا ہوا جب بنت رسولؐ کے دروازہ پر یہ اعلان کر رہے تھے کہ اگر لوگ بیعت کے لئے باہر نہ آئے تو گھر میں آگ لگا دی جائے گی

(الامامة والسیاسۃ)۔ اور جب یہ کہا گیا کہ اس گھر میں دختر پیغمبرؐ بھی ہیں تو صاف صاف کہہ دیا کہ کوئی بھی ہو۔

اور اس کے بعد کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے خلاف جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زمانۂ خلافت میں بے شمار ایسے فیصلے کر دیے جو قرآن و سنت کے خلاف تھے۔ (النص والاجتہاد)

تو ان مقامات پر وہ تقویٰ اور خوف خدا کہاں چلا گیا تھا اور میں نے تو اس ایک مشہور صحابی کو بطور مثال پیش کیا ہے تاکہ بیان میں طول نہ ہونے پائے ورنہ اگر تمام صحابہ کے کردار کی تفصیل پیش کی جائے تو متعدد کتابیں تیار ہو سکتی ہیں لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ سارے تذکرے بطور مثال ہیں اور بطور حصر نہیں ہیں اور میرے اس مختصر بیان سے صحابہ کے نفسیات اور علماء اہلسنت کے متضاد موقف کی مکمل وضاحت ہو سکتی ہے کہ وہ ایک طرف تو لوگوں کو تشکیک اور تنقید سے روکتے ہیں اور دوسری طرف خود ہی ایسے واقعات بیان کرتے ہیں جن سے تنقید اور اعتراض کا موقع ملتا ہے۔ کاش علمائے اہلسنت نے ان واقعات کا تذکرہ نہ کیا ہوتا جن سے صحابہ کی عظمت مجروح ہوتی ہے اور ان کی عدالت مخدوش ہو جاتی ہے تو بھی اس پریشانی سے خود بخود نجات مل جاتی۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جب میں نے نجف اشرف میں وہاں کے ایک عالم اور کتاب "الامام الصادقؑ والمذاہب الاربعہ" کے مولف جناب اسد حیدر سے ملاقات کی اور تشیع و تسنن کے موضوع پر گفتگو کی تو انہوں نے اپنے والد کا یہ قصہ بیان کیا کہ پچاس سال پہلے ان کی ملاقات حج کے دوران تیونس کے ایک عالم سے ہوئی تھی اور امیر المومنین حضرت علیؑ کی امامت پر گفتگو ہو رہی تھی تو تیونسی عالم بغور میرے والد کے بیان کئے ہوئے دلائل امامت و خلافت کو سن رہے تھے اور جب وہ چار یا پانچ دلائل بیان کر چکے تو

تیونسی عالم نے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی اور دلیل ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ تو اس تیونسی عالم نے کہا کہ اب تسبیح نکال کر شمار کرو اور حضرت علیؑ کی امامت پر دو سو دلیلیں بیان کیں جو میرے والد کو بھی نہیں معلوم تھیں اور یہ واقعہ سُن کر فرمایا کہ اگر اہلسنت خود اپنی کتابوں کا مطالعہ کرتے تو وہ بھی وہی کہتے جو ہم کہہ رہے ہیں اور اب تک سارے اختلافات ختم ہو چکے ہوتے۔ اور میری جان کی قسم یہ وہ سچی بات ہے جس سے کوئی فرار نہیں کر سکتا۔ اگر انسان اندھے تعصب اور غرور سے آزاد ہو جائے اور واضح دلائل کا اتباع کرنے لگے۔

صحابہ کے بارے میں قرآنی فیصلہ

آغاز بحث سے پہلے یہ تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ پروردگار عالم نے اپنی کتاب عزیز کے مختلف مقامات پر ان اصحاب رسولؐ کی تعریف کی ہے جنہوں نے آپ سے محبت کی ہے۔ آپ کا اتباع کیا ہے اور بغیر کسی طمع دنیا کے آپ کی اطاعت کی ہے۔ انکے پاس نہ کوئی غرور تھا نہ مقابلہ اور استکبار۔ بلکہ سارے کام مرضیٔ خدا و رسولؐ کے لئے انجام دے رہے تھے۔ خدا ان سے خوش تھا اور وہ خدا سے خوش تھے اس لئے کہ ان کے دل میں خوف خدا تھا۔ اور یہی صحابہ کی وہ قسم ہے جس کی قدر و منزلت کو ان کے مواقف اور اعمال سے پہچانا گیا ہے۔ مسلمانوں نے ان سے محبت کی ہے ان کا احترام کیا ہے ان کی تعظیم کی ہے اور ہمیشہ ان کا ذکر رضائے الٰہی کے ساتھ کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ میری بحث کا تعلق ان صحابہ کرام سے نہیں ہے۔ یہ شیعہ و سنی دونوں فرقوں میں قابل عزت و احترام ہیں۔

جس طرح کہ میری بحث کا موضوع وہ منافقین بھی نہیں ہیں جن پر فریقین لعنت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

میری بحث کا تمام تر تعلق اس قسم سے ہے جس کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ اور جس کی سرزنش کے لئے قرآن کی آیتیں نازل ہوئی ہیں اور جن کو رسول اکرمؐ نے مختلف مواقع پر تنبیہ کی ہے یا ان سے محتاط رہنے کا اشارہ دیا ہے اور حقیقتاً شیعہ اور سنی کا اختلاف اسی قسم کے بارے میں ہے کہ شیعہ ان کے اقوال و اعمال پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی عدالت میں شک کرتے ہیں اور اہلسنت ان کی تمام غلطیوں کے ثابت ہو جانے کے باوجود انہیں قابل احترام

سمجھتے ہیں۔

میری بحث کا تعلق صحابہ کی اسی قسم سے ہے جسکے بارے میں بحث کے ذریعہ تمام یا بعض حقائق کو معلوم کرنا چاہتا ہوں اور یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کسی کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ میں نے مدح اصحاب کی تمام آیات کو نظرانداز کر دیا ہے اور صرف قدح صحابہ کی آیات کو نمایاں کرنا چاہا ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ جن بعض آیات میں بظاہر مدح کی گئی ہے حقیقتاً ان میں قدح اور مذمت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے اور بعض اس کے بالکل برعکس ہیں۔

اس وقت میں اپنے نفس کو زیادہ زحمت میں نہیں ڈالوں گا جس طرح سے میں نے گذشتہ تین برسوں میں تحقیق کے دوران زحمت کی ہے بلکہ صرف چند آیات کو مثالاً ذکر کر کے مدعا کی وضاحت کروں گا۔ اس کے بعد جو لوگ تفصیلات کے خواہشمند ہوں گے ان کا فرض ہے کہ خود زحمت کریں اور تحقیق و تفتیش کا کام انجام دیں تاکہ ہدایت اپنی پیشانی کے پسینہ اور اپنی فکر کے نچوڑ کا نتیجہ ہو اور خدائی فرض بھی ادا ہو جائے اور وجدان کا تقاضا بھی پورا ہو جائے کہ وہ ایسی قناعت کا طلبگار ہوتا ہے جسے شبہات کی تیز و تند آندھیاں متزلزل نہ کر سکیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ذاتی اطمینان خارجی اثرات سے حاصل ہونے والے اطمینان سے کہیں زیادہ مفید اور کارآمد ہوتا ہے۔ خود رب العالمین نے بھی اپنے رسولؐ کی مدح اسطرح کی ہے کہ "ہم نے آپکو گم گشتہ پاکر ہدایت دی ہے"۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ "جن لوگوں نے ہمارے بارے میں جہاد کیا ہے ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے"۔

۱۔ آیت انقلاب :۔

ارشاد رب العالمین ہے "محمد صرف اللہ کے رسول

ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں. کیا وہ مرجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم سب اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے تو جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔ اور اللہ عنقریب شکر گذار بندوں کو جزا عنایت کرے گا۔ (آل عمران ۱۴۴)۔

اس آیت کریمہ میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ بعض صحابہ عنقریب پرانے دین کی طرف پلٹ جائیں گے اور صرف چند افراد راہِ حق پر ثابت قدم رہیں گے جن کو شاکرین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور شاکرین بنگاہ قرآن میں بہر حال اقلیت میں ہیں۔" (سبا آیت ۱۳)

احادیث پیغمبرؐ میں بھی اس انقلاب کا اشارہ دیا گیا ہے. یہ اور بات ہے کہ آیت کریمہ میں پلٹ جانے والوں کے عذاب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور صرف شکر گذاروں کے ثواب اور ان کی جزا پر اکتفا کی گئی ہے لیکن اتنا تو بہر حال واضح ہے کہ پلٹ جانے والے کسی ثواب کے حقدار نہیں ہیں. جیسا کہ رسول اکرمؐ نے بھی مختلف احادیث میں ارشاد فرمایا ہے اور بیان روایات کے دوران ان کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

ان آیات کریمہ کی تفسیر مسیلمہ کذاب، سجاح اور طلیحہ جیسے لوگوں کے حالات سے بھی نہیں کی جاسکتی ہے اس لئے کہ یہ لوگ حیات پیغمبرؐ ہی میں مرتد ہو گئے تھے اور انہوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا تھا۔ اور ان سے رسول اللہؐ نے جہاد کر کے ان پر فتح بھی حاصل کر لی تھی. جس طرح کہ اس کی تفسیر مانعین زکوٰۃ کے کردار سے بھی نہیں ہو سکتی ہے. جنہیں ابوبکر نے زکوٰۃ نہ دینے کی بنا پر مرتد قرار دیدیا تھا. اگر چہ ان کے زکوٰۃ نہ دینے کے اسباب میں یہ امر بھی شامل تھا کہ انہوں نے تحقیقات کی خاطر زکوٰۃ روک لی تھی کہ ابوبکر واقعاً خلیفۃ المسلمین ہیں یا نہیں؟ اس لئے کہ

وہ لوگ حجۃ الوداع میں شریک تھے جہاں رسول اکرمؐ نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی
کی سولائیت کا اعلان کیا تھا اور ان لوگوں نے بیعت بھی کی تھی بلکہ خود ابوبکر نے بھی
بیعت کی تھی۔ تو اب انہیں حیرت تھی کہ اچانک ابوبکر خلیفہ کیونکر ہو گئے۔ اور انہوں نے
زکوٰۃ کا مطالبہ کیوں کیا ہے جس مسئلہ میں مورخین غور وخوض نہیں کرنا چاہتے ہیں
کہ اس طرح عظمت صحابہ کے مجروح ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

پھر مالک بن نویرہ اور ان کے ساتھی مسلمان تھے جسکی گواہی خود ابوبکر اور
ان اصحاب نے دی تھی جنہوں نے خالد کے اس قتل پر اعتراض کیا تھا اور ابوبکر نے
مالک کے بھائی کو بیت المال سے دیت بھی ادا کی تھی اور معذرت بھی طلب کی تھی
جب کہ واقعی مرتد کا قتل واجب ہے اور اسکی دیت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے
اور نہ اس کی معذرت کی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت انقلاب سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اکرمؐ
کی زندگی میں ان کے ساتھ مدینہ میں زندگی گذاری ہے اور ان کی وفات کے بعد ملا فاصلہ
منحرف ہو گئے ہیں۔ جس کی وضاحت احادیث پیغمبرؐ میں کمل طریقہ سے پائی جاتی ہے
جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور تاریخ اس کی بہترین گواہ ہے اور
صحابہ کی صفوں میں پیش آنیوالے واقعات کا مطالعہ کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ اس
انحراف سے اقلیت کے علاوہ کوئی محفوظ نہیں رہ سکا۔

۲۔ آیت جہاد

ارشاد حضرت احدیت ہے۔ "ایمان والو تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب راہ خدا
میں جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جاتا ہے تو زمین سے چپک جاتے ہو، کیا تم آخرت کے
بجائے زندگانی دنیا سے خوش ہو گئے ہو تو یاد رکھو کہ آخرت میں متاع دنیا بہت کم ہے

اگر تم گھر سے نہ نکلوگے تو اللہ تم پر دردناک عذاب کرے گا اور تمھارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اسے کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتے ہو کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے (توبہ ۳۸-۳۹)

آیت کریمہ اس مطلب میں صریح ہے کہ صحابہ نے جہاد در راہ خدا میں سستی سے کام لیا ہے اور زندگانی دنیا کی طرف میلان کا اظہار کیا ہے جب کہ انہیں معلوم تھا کہ سرمایۂ دنیا بہت قلیل ہے یہاں تک کہ رب العالمین نے ان کی تنبیہ کی اور انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا اور یہ بتایا کہ وہ ان کے بدلے سچے مومنین کو لے آنے پر بھی قادر ہے اور اس امر کی مختلف آیات میں تکرار بھی کی کہ "اگر انہوں نے روگردانی کی تو خدا ان کے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا جو ان کی جیسی نہیں ہوگی۔" (محمد آیت ۳۸)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا "ایمان والو۔ جو تم میں سے مرتد ہو جائے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جنہیں وہ دوست رکھے گا۔ اور وہ خدا کی چاہنے والی ہوگی۔ یہ لوگ کفار کے مقابلے میں سخت اور مومنین کے مقابلے میں نرم ہوں گے، راہ خدا میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔ یہ وہ فضل خدا ہے جسے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ اور وہ بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے۔" (مائدہ ۵۴)

ہم اگر چاہیں کہ ان تمام آیات کا ذکر کریں جن میں اس امر کی تاکید پائی جاتی ہے اور جو وضاحت کے ساتھ اس تقسیم صحابہ کی تائید کرتی ہیں جس کے شیعہ حضرات قائل ہیں تو ایک مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے اور قرآن مجید نے نہایت مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی یوں نشاندہی کر دی ہے کہ "تم میں سے ایک قوم کو ہونا چاہیے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا امر کرے اور برائیوں سے نہی کرے اور یہی لوگ کامیاب

ہوں گے اور خبردار ان افراد جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا اور واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا کہ ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ سیاہ فام جو چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے لہٰذا اپنے کفر کا عذاب برداشت کرو اور جن کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" (آل عمران ۱۰-۱۰۵-۱۰۶)

ان آیات کے بارے میں ہر صاحب نظر جانتا ہے کہ ان کا مخاطب صحابہ ہیں اور انہیں کو تہدید کی گئی ہے اور تفرقہ و اختلاف سے الگ رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور عذاب عظیم کی خبر سنائی گئی ہے اور پھر انہیں دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک حصّہ وہ جس کے چہرے روشن ہوں گے اور ایک حصّہ وہ جس کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ پہلی قسم کے لوگ وہ شکر گذار بندے ہیں جو رحمت الٰہی کے حقدار ہیں اور دوسری قسم میں وہ افراد ہیں جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے اور انہیں عذاب عظیم کی خبر سنائی گئی ہے۔

واضح سی بات ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اکرمؐ کے بعد تفرقہ اندازی کی۔ آپس میں اختلاف کیا۔ فتنہ کی آگ بھڑکائی یہاں تک کہ نوبت جنگ و جدال اور خونیں معرکوں تک پہونچ گئی جس کے نتیجہ میں مسلمان پسماندہ ہو گئے اور دشمنوں نے ان کے حالات کو دیکھ کر طمع پیدا کی اور انھیں اپنے مقاصد کا آلۂ کار بنا لیا ـــــ اور اس مسئلہ میں کسی طرح کی تاویل اور توجیہ کی گنجائش نہیں ہے اور اسے اس کے واضح مفہوم سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۳- آیت خشوع

:- ارشاد الٰہی ہوتا ہے "کیا صاحبان ایمان کے لئے

اس امر کا وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل یاد خدا اور نازل ہونے والے حق کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے بہت سے فاسق بھی ہیں۔ (حدید ۱۶)

جلال الدین سیوطی در منثور میں لکھتے ہیں کہ جب اصحاب رسولؐ مدینہ آئے اور مکہ کی زحمتوں کے بعد انہیں مدینہ کی راحت نصیب ہوئی تو بہت سے معاملات پر سستی برتنا شروع کر دی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ نزول قرآن کے ۱۰ سال بعد بھی رسول اکرمؐ نے مہاجرین کے دلوں میں کمزوری محسوس کی تو آیت نازل ہوئی "الم یان للذین آمنوا!"

ظاہر ہے کہ جب وہ صحابہ کرام جو اہلسنت کے نزدیک تمام کائنات سے بہتر ہیں۔ ان کے دل ۱۰ سال تک احکام الٰہیہ کے سامنے نہ جھک سکے اور انہیں عتاب اور تہدید کرنا پڑی کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں اور وہ فسق میں مبتلا ہو گئے ہیں تو ان سے بعد میں آنے والوں کو کیا کہا جائے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔

ان مثالوں سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اہل سنت کا یہ مسلک بالکل بے بنیاد ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل تھے۔ اور ان میں کسی طرح کا انحراف نہیں تھا بلکہ اگر روایات کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے کئی گنا زیادہ مثالیں مل سکتی ہیں جنہیں اختصار کے لحاظ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ اور تحقیق کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ انھیں تلاش کریں اور ان کی روشنی میں فیصلہ کریں:

صحابہ کے بارے میں رسولِ اکرمؐ کا نظریہ

۱۔ حدیث حوض:۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں میدان حشر میں ایک گروہ کو دیکھوں گا جنہیں پہچان لوں گا تو ایک شخص درمیان سے اٹھ کر مجھے بلائے گا اور پھر انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو میں پوچھوں گا آخر انھیں کیا ہو گیا ہے تو جواب ملے گا کہ یہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پلٹ گئے تھے اور پھر چند ایک کے علاوہ کسی کو نجات نہ ملے گی۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۹۴-۹۹، ص ۱۵۶، ج ۳ ص ۳۲، صحیح مسلم، ۶۶ حدیث الحوض)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہونچوں گا۔ جو میرے پاس حاضر ہوگا وہ سیراب ہوگا اور جو سیراب ہوگا وہ پیاسا نہ ہوگا لیکن میرے پاس کچھ قومیں وارد ہوں گی جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر دونوں کے درمیان حجاب حائل کر دیا جائے گا تو میں آواز دوں گا کہ یہ میرے اصحاب ہیں تو جواب ملے گا آپ کو کیا معلوم کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ خدا برا کرے ان لوگوں کا جنھوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا ہے۔

علماء اہلسنت کے صحاح اور مسانید میں نقل ہونے والی ان احادیث میں نظر کرنے والا اس امر کا یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ صحابہ نے دین میں تبدیلی پیدا کی ہے بلکہ مرتد بھی ہو گئے ہیں ان افراد کے علاوہ جنہیں "ہمل النعم" سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان روایات کو منافقین پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ

رسول اکرم ؐ نے اصحاب کہہ کر یاد کیا ہے اور محشر میں منافقین کے بارے میں اس تعبیر کا کوئی امکان نہیں ہے۔

یہ روایات ایک اعتبار سے سابق آیات کے مضامین کی تفسیر اور تشریح ہیں۔ جن میں صحابہ کے انقلاب، ارتداد، اور عذاب الیم کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔

۲۔ حدیث تنافس علی الدنیا:۔

رسول اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ "میں تم سے سابق ہوں اور تم پر گواہ ہوں یقیناً میں حوض کوثر کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا کی قسم مجھے تمہارے مشرک ہو جانے کا خطرہ نہیں ہے۔ لیکن حصول دنیا کے بارے میں حرص و ہوس کا خطرہ ہے"۔ (بخاری ۴ ۱۰۰-۱۰۱)

حضور نے بالکل سچ فرمایا تھا صحابہ نے حرص دنیا پیدا کی اور اس راہ میں اس قدر اختلاف کیا کہ تلواریں نکل آئیں۔ جنگ قائم ہو گئی اور ایک نے دوسرے کو کافر بنانا شروع کر دیا اور بعض اصحاب تو باقاعدہ سونے چاندی کے خزانے رکھتے تھے جیسا کہ مسعودی نے مروج الذہب میں اور طبری وغیرہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ صرف ایک زبیر کی دولت کا سرمایہ ۵۰ ہزار دینار نقد، ہزار گھوڑے ہزار غلام اور بصرہ و کوفہ میں بے پناہ جائداد اور مصر وغیرہ میں بے حساب املاک پر مشتمل تھا۔

طلحہ کا غلہ عراق میں یومیہ ہزار دینار کے برابر تھا یا اس سے بھی کچھ زیادہ۔

عبدالرحمن بن عوف کے پاس سو گھوڑے ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ اور ترکہ کا ۱/۴ جو ازواج پر تقسیم ہوا ہے اس کی مقدار ۸۴ ہزار دینار تھی۔

عثمان بن عفان نے وقت مرگ جانور اور زمین و جائداد کے علاوہ ۱½ لاکھ دینار بھی چھوڑا تھا۔

زید بن ثابت نے سونے چاندی کے اتنے ذخیرے چھوڑے تھے کہ جنہیں کلہاڑی سے کاٹا جاتا تھا۔ اور دیگر املاک کے علاوہ ایک لاکھ دینار نقد بھی چھوڑا تھا ــــــ (مروج الذہب مسعودی ۲ ۳۴۱)

یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ تاریخ میں یہ داستان بہت طویل ہے۔ جس میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں ہے اور صرف اس مقدار پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ جس سے اپنی بات کی صداقت واضح ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا انکی نگاہ میں آراستہ ہو گئی تھی اور وہ اس زینت و زیبائش پر مرمٹنے کے لئے تیار تھے

صحابہ کے بارے میں صحابہ کا فیصلہ

ا- خود اپنے بارے میں تبدیلی سنت کا اعتراف :-

ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ رسول اکرم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے پہلے نماز ادا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد مجمع کی طرف رُخ کر کے موعظہ و نصیحت فرماتے تھے۔ اور لوگ صف بستہ بیٹھے رہتے تھے اور یہ سلسلہ یونہی برقرار رہا۔ یہاں تک کہ میں امیر مدینہ مروان کے ساتھ نماز کے لئے نکلا تو اس نے محل نماز پر پہونچکر کثیر بن الصلت کے بنائے ہوئے منبر پر نماز سے پہلے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اسے کھینچ لیا لیکن وہ دامن چھڑا کر منبر پر چڑھ گیا اور اس نے نماز سے پہلے خطبہ دیا تو میں نے کہا کہ تم لوگوں نے سنت کو بدل دیا ہے تو اس نے کہا کہ ابو سعید تمہارے معلومات کا دور گذر چکا ہے۔! میں نے کہا کہ میرے معلومات اس جدید بدعت سے بہتر ہیں۔ تو اس نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد نہیں ٹھہرتے تھے لہٰذا میں نے خطبہ کو مقدم کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری ۱ ص ۱۲۲ کتاب العیدین)

میں نے اس روایت کو دیکھنے کے بعد بہت تلاش کیا کہ آخر اس تبدیلی سنت کا محرک کیا تھا تو یہ اندازہ ہوا کہ بنی امیہ جن کی ایک بڑی تعداد صحابہ کی بھی تھی اور جن کا راس و رئیس "بخیال مسلمین کاتب وحی معاویہ تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو علیؑ پر لعنت کرنے اور انھیں بُرا بھلا کہنے پر مجبور کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم نے باب فضائل علیؑ میں نقل کیا ہے اور معاویہ نے تمام عمال کو اس لعنت کو سنت بنانے کا حکم دیا تھا اور جن صحابہ نے اعتراض کیا یا اس حکم کی مخالفت کی

انہیں قتل کر دیا جیسا کہ حجر بن عدی کے بارے میں ہوا یا زندہ ہی دفن کرا دیا جیسا کہ بعض دیگر افراد کے بارے میں ہوا جس کا اقرار مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے "خلافت و ملوکیت" میں ابوالحسن بصری کے بیان کے حوالے سے اس طرح کیا ہے کہ معاویہ میں چار باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن میں سے ایک بھی انسان کی ہلاکت کے لئے کافی تھی

۱۔ صحابہ کرام کے ہوتے ہوئے بغیر کسی کے مشورے کے حکومت پر قبضہ کر لینا۔

۲۔ اپنے بعد اپنے شرابی اور ریشم پہننے والے ، گانے بجانے والے فرزند کو جانشین بنا دینا۔

۳۔ زیاد کو اپنے نسب میں شامل کر لینا جب کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد تھا کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کا حصہ صرف پتھر ہوتا ہے۔

۴۔ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کرا دینا۔

ایسے حالات میں اکثر مومنین نماز کے فوراً بعد مسجد سے باہر نکل جاتے تھے اور اس خطبہ میں شرکت نہیں کرتے تھے جس کا اختتام سب علی اور لعنت پر ہوتا تھا اس لئے بنی امیہ نے سنت رسول کو تبدیل کر دیا اور خطبہ کو نماز پر مقدم کر دیا تا کہ تمام افراد شریک ہوں۔ گویا ان کی ناک رگڑ دی جائے۔

خدا ان صحابہ کو غارت کرے جنہوں نے سنت رسولؐ میں تبدیلی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور اپنے پست مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے احکام الٰہی کو بھی بدل ڈالا اور اس شخص کو مورد لعن قرار دیا جس سے خدا نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور اسے مکمل طور پر پاک و پاکیزہ بنایا ہے اس پر صلوات کو ضروری قرار دیا ہے اور اس کی محبت و مودت کو اجر رسالت بنا دیا ہے یہاں تک کہ رسول اکرمؐ نے خود فرمایا تھا کہ علیؑ کی محبت ایمان اور ان کا بغض نفاق ہے۔ (صحیح مسلم ا ص ۶۱)

لیکن ان صحابہ نے سب کچھ بدل ڈالا اور صلوات و مودت کے بجائے

ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ کیا وہ مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم سب اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے تو جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔ اور اللہ عنقریب شکر گذار بندوں کو جزا عنایت کرے گا۔ (آل عمران ۱۴۴)۔

اس آیت کریمہ میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ بعض صحابہ عنقریب پرانے دین کی طرف پلٹ جائیں گے اور صرف چند افراد راہِ حق پر ثابت قدم رہیں گے جن کو شاکرین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور شاکرین بنگاہ قرآن میں بہرحال اقلیت میں ہیں۔" (سبا آیت ۱۳)

احادیث پیغمبرؐ میں بھی اس انقلاب کا اشارہ دیا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آیت کریمہ میں پلٹ جانے والوں کے عذاب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور صرف شکر گذاروں کے ثواب اور ان کی جزا پر اکتفا کی گئی ہے لیکن اتنا تو بہرحال واضح ہے کہ پلٹ جانے والے کسی ثواب کے حقدار نہیں ہیں۔ جیسا کہ رسول اکرمؐ نے بھی مختلف احادیث میں ارشاد فرمایا ہے اور بیان روایات کے دوران ان کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

ان آیات کریمہ کی تفسیر مسیلمہ کذاب، سجاح اور طلیحہ جیسے لوگوں کے حالات سے بھی نہیں کی جا سکتی ہے اس لئے کہ یہ لوگ حیات پیغمبرؐ ہی میں مرتد ہو گئے تھے اور انہوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا تھا۔ اور ان سے رسول اللہؐ نے جہاد کر کے ان پر فتح بھی حاصل کر لی تھی۔ جس طرح کہ اس کی تفسیر مانعین زکوٰۃ کے کردار سے بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ جنہیں ابوبکر نے زکوٰۃ نہ دینے کی بنا پر مرتد قرار دیدیا تھا۔ اگرچہ ان کے زکوٰۃ نہ دینے کے اسباب میں یہ امر بھی شامل تھا کہ انہوں نے تحقیقات کی خاطر زکوٰۃ روک لی تھی کہ ابوبکر واقعاً خلیفۃ المسلمین ہیں یا نہیں؟ اس لئے کہ

وہ لوگ حجۃ الوداع میں شریک تھے جہاں رسول اکرمؐ نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی
کی مولائیت کا اعلان کیا تھا اور ان لوگوں نے بیعت بھی کی تھی بلکہ خود ابوبکر نے بھی
بیعت کی تھی۔ تو اب انہیں حیرت تھی کہ اچانک ابوبکر خلیفہ کیونکر ہو گئے۔ اور انہوں نے
زکوٰۃ کا مطالبہ کیوں کیا ہے جس مسئلہ میں مورخین غور و خوض نہیں کرنا چاہتے ہیں
کہ اس طرح عظمت صحابہ کے مجروح ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

پھر مالک بن نویرہ اور ان کے ساتھی مسلمان تھے جسکی گواہی خود ابوبکر اور
ان اصحاب نے دی تھی جنہوں نے خالد کے اس قتل پر اعتراض کیا تھا اور ابوبکر نے
مالک کے بھائی کو بیت المال سے دیت بھی ادا کی تھی اور معذرت بھی طلب کی تھی
جب کہ واقعی مرتد کا قتل واجب ہے اور اسکی دیت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے
اور نہ اس کی معذرت کی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت انقلاب سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اکرمؐ
کی زندگی میں ان کے ساتھ مدینہ میں زندگی گذاری ہے اور ان کی وفات کے بعد بلافاصلہ
منحرف ہو گئے ہیں۔ جس کی وضاحت احادیث پیغمبرؐ میں مکمل طریقہ سے پائی جاتی ہے
جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور تاریخ اس کی بہترین گواہ ہے اور
صحابہ کی صفوں میں پیش آنیوالے واقعات کا مطالعہ کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ اس
انحراف سے اقلیت کے علاوہ کوئی محفوظ نہیں رہ سکا۔

۲۔ آیت جہاد

ارشاد حضرت احدیت ہے۔ "ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب راہ خدا
میں جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جاتا ہے تو زمین سے چپک جاتے ہو، کیا تم آخرت کے
بجائے زندگانی دنیا سے خوش ہو گئے ہو تو یاد رکھو کہ آخرت میں متاع دنیا بہت کم ہے

اگر تم گھر سے نہ نکلو گے تو اللہ تم پر دردناک عذاب کرے گا اور تمھارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اسے کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتے ہو کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے

(توبہ ۳۸-۳۹)

آیت کریمہ اس مطلب میں صریح ہے کہ صحابہ نے جہاد در راہ خدا میں سستی سے کام لیا ہے اور زندگانیٔ دنیا کی طرف میلان کا اظہار کیا ہے جب کہ انہیں معلوم تھا کہ سرمایۂ دنیا بہت قلیل ہے یہاں تک کہ رب العالمین نے ان کی تنبیہ کی اور انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا اور یہ بتایا کہ وہ ان کے بدلے سچے مومنین کو لے آنے پر بھی قادر ہے اور اس امر کی مختلف آیات میں تکرار بھی کی کہ " اگر انہوں نے روگردانی کی تو خدا ان کے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا جو ان کی جیسی نہیں ہو گی۔" (محمد آیت ۳۸)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا " ایمان والو۔ جو تم میں سے مرتد ہو جائے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جنہیں وہ دوست رکھے گا۔ اور وہ خدا کی چاہنے والی ہو گی۔ یہ لوگ کفار کے مقابلے میں سخت اور مومنین کے مقابلے میں نرم ہوں گے، راہ خدا میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔ یہ وہ فضل خدا ہے جسے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ اور وہ بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے۔"

(مائدہ ۵۴)

ہم اگر چاہیں کہ ان تمام آیات کا ذکر کریں جن میں اس امر کی تاکید پائی جاتی ہے اور جو وضاحت کے ساتھ اس تقسیم صحابہ کی تائید کرتی ہیں جس کے شیعہ حضرات قائل ہیں تو ایک مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے اور قرآن مجید نے نہایت مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی یوں نشاندہی کر دی ہے کہ " تم میں سے ایک قوم کو ہونا چاہیئے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا امر کرے اور برائیوں سے نہی کرے اور یہی لوگ کامیاب

ہوں گے اور خبردار ان افراد جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا اور واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا کہ ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ سیاہ فام جو چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے لہٰذا اپنے کفر کا عذاب برداشت کرو اور جن کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" (آل عمران ۱۰۔۱۰۵۔۱۰۶)

ان آیات کے بارے میں ہر صاحب نظر جانتا ہے کہ ان کا مخاطب صحابہ ہیں اور انہیں کو تہدید کی گئی ہے اور تفرقہ واختلاف سے الگ رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور عذاب عظیم کی خبر سنائی گئی ہے اور پھر انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک حصہ وہ جس کے چہرے روشن ہوں گے اور ایک حصہ وہ جس کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ پہلی قسم کے لوگ وہ شکر گذار بندے ہیں جو رحمت الٰہی کے حقدار ہیں اور دوسری قسم میں وہ افراد ہیں جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے اور انہیں عذاب عظیم کی خبر سنائی گئی ہے۔

واضح سی بات ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اکرمؐ کے بعد تفرقہ اندازی کی۔ آپس میں اختلاف کیا۔ فتنہ کی آگ بھڑکائی یہاں تک کہ نوبت جنگ وجدال اور خونیں معرکوں تک پہونچ گئی جس کے نتیجہ میں مسلمان پسماندہ ہو گئے اور دشمنوں نے ان کے حالات کو دیکھ کر طمع پیدا کی اور انھیں اپنے مقاصد کا آلہ کار بنا لیا ـــــ اور اس مسئلہ میں کسی طرح کی تاویل اور توجیہ کی گنجائش نہیں ہے اور اسے اس کے واضح مفہوم سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ آیت خشوع :۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے "کیا صاحبان ایمان کے لئے

اس امر کا وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل یادِ خدا اور نازل ہونے والے حق کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے بہت سے فاسق بھی ہیں۔ (حدید ۱۶)

جلال الدین سیوطی درِ منثور میں لکھتے ہیں کہ جب اصحاب رسولؐ مدینہ آئے اور مکہ کی زحمتوں کے بعد انہیں مدینہ کی راحت نصیب ہوئی تو بہت سے معاملات پر سستی برتنا شروع کر دی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ نزول قرآن کے ۱۳ سال بعد بھی رسول اکرمؐ نے مہاجرین کے دلوں میں کمزوری محسوس کی تو آیت نازل ہوئی "ألم یأن للذین آمنوا"

ظاہر ہے کہ جب وہ صحابہ کرام جو اہلسنت کے نزدیک تمام کائنات سے بہتر ہیں۔ ان کے دل ۱۳ سال تک احکام الٰہیہ کے سامنے نہ جھک سکے اور انہیں عتاب اور تہدید کرنا پڑی کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں اور وہ فسق میں مبتلا ہو گئے ہیں تو ان کے بعد میں آنے والوں کو کیا کہا جائے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔

ان مثالوں سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اہل سنت کا یہ مسلک بالکل بے بنیاد ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل تھے۔ اور ان میں کسی طرح کا انحراف نہیں تھا بلکہ اگر روایات کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے کئی گنا زیادہ مثالیں مل سکتی ہیں جنہیں اختصار کے لحاظ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ اور تحقیق کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ انھیں تلاش کریں اور ان کی روشنی میں فیصلہ کریں:

صحابہ کے بارے میں رسولؐ اکرم کا نظریہ

۱۔ حدیث حوض:۔ رسول اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ "میں میدان حشر میں ایک گروہ کو دیکھوں گا جنہیں پہچان لوں گا تو ایک شخص درمیان سے اٹھ کر مجھے بلائے گا اور پھر انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو میں پوچھوں گا آخر انھیں کیا ہو گیا ہے تو جواب ملے گا کہ یہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پلٹ گئے تھے اور پھر چند ایک کے علاوہ کسی کو نجات نہ ملے گی۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۹۴-۹۹، ۱۵۶، ج ۳ ص ۳۲، صحیح مسلم ، ۹۶ حدیث الحوض)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہونچوں گا۔ جو میرے پاس حاضر ہو گا وہ سیراب ہو گا اور جو سیراب ہو گا وہ پیاسا نہ ہو گا لیکن میرے پاس کچھ قومیں وارد ہوں گی جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر دونوں کے درمیان حجاب حائل کر دیا جائے گا تو میں آواز دوں گا کہ یہ میرے اصحاب ہیں تو جواب ملے گا آپ کو کیا معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ خدا برا کرے ان لوگوں کا جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا ہے۔

علماء اہلسنت کے صحاح اور مسانید میں نقل ہونے والی ان احادیث میں نظر کرنے والا اس امر کا یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ صحابہ نے دین میں تبدیلی پیدا کی ہے بلکہ مرتد بھی ہو گئے ہیں ان افراد کے علاوہ جنہیں "ہمل النعم" سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان روایات کو منافقین پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ

رسول اکرمؐ نے اصحاب کہہ کر یاد کیا ہے اور محشر میں منافقین کے بارے میں
اس تعبیر کا کوئی امکان نہیں ہے۔

یہ روایات ایک اعتبار سے سابق آیات کے مضامین کی تفسیر اور تشریح ہیں۔ جن میں صحابہ کے انقلاب، ارتداد، اور عذاب الیم کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔

۲۔ حدیث تنافس علی الدنیا:۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ "میں تم سے سابق ہوں اور تم پر گواہ ہوں یقیناً میں حوض کوثر کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دیدی گئی ہیں اور خدا کی قسم مجھے تمہارے مشرک ہو جانے کا خطرہ نہیں ہے۔ لیکن حصول دنیا کے بارے میں حرص و ہوس کا خطرہ ہے۔" (بخاری ۴ ص ۱۰۰-۱۰۱)

حضورؐ نے بالکل سچ فرمایا تھا صحابہ نے حرص دنیا پیدا کی اور اس راہ میں اس قدر اختلاف کیا کہ تلواریں نکل آئیں۔ جنگ قائم ہو گئی اور ایک نے دوسرے کو کافر بنانا شروع کر دیا اور بعض اصحاب تو باقاعدہ سونے چاندی کے خزانے رکھتے تھے جیسا کہ مسعودی نے مروج الذہب میں اور طبری وغیرہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ صرف ایک زبیر کی دولت کا سرمایہ ۵۰ ہزار دینار نقد، ہزار گھوڑے ہزار غلام اور بصرہ و کوفہ میں بے پناہ جائداد اور مصر وغیرہ میں بے حساب املاک پر مشتمل تھا۔

طلحہ کا غلہ عراق میں یومیہ ہزار دینار کے برابر تھا یا اس سے بھی کچھ زیادہ۔

عبدالرحمن بن عوف کے پاس سو گھوڑے ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ اور ترکہ کا ۱/۴ جو ازواج پر تقسیم ہوا ہے اس کی مقدار ۸۴ ہزار دینار تھی۔

عثمان بن عفان نے وقت مرگ جانور اور زمین و جائداد کے علاوہ ۱/۲ لاکھ دینار بھی چھوڑا تھا۔

زید بن ثابت نے سونے چاندی کے اتنے ذخیرے چھوڑے تھے کہ جنہیں کلہاڑی سے کاٹا جاتا تھا۔ اور دیگر املاک کے علاوہ ایک لاکھ دینار نقد بھی چھوڑا تھا ـــــ

(مروج الذہب مسعودی ۲ ۳۴۱)

یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ تاریخ میں یہ داستان بہت طویل ہے۔ جس میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں ہے اور صرف اس مقدار پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ جس سے اپنی بات کی صداقت واضح ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا انکی نگاہ میں آراستہ ہو گئی تھی اور وہ اس زینت و زیبائش پر مرمٹنے کے لئے تیار تھے

صحابہ کے بارے میں صحابہ کا فیصلہ

۱۔ خود اپنے بارے میں تبدیلی سنت کا اعتراف :۔

ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ رسولؐ اکرم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے پہلے نماز ادا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد مجمع کی طرف رُخ کر کے موعظہ و نصیحت فرماتے تھے۔ اور لوگ صف بستہ بیٹھے رہتے تھے اور یہ سلسلہ یونہی برقرار رہا۔ یہاں تک کہ میں امیر مدینہ مروان کے ساتھ نماز کے لئے نکلا تو اس نے محل نماز پر پہونچکر کثیر بن الصلت کے بنائے ہوئے منبر پر نماز سے پہلے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اسے کھینچ لیا لیکن وہ دامن چھڑا کر منبر پر چڑھ گیا اور اس نے نماز سے پہلے خطبہ دیا تو میں نے کہا کہ تم لوگوں نے سنت کو بدل دیا ہے تو اس نے کہا کہ ابو سعید تمھارے معلومات کا دور گذر چکا ہے۔! میں نے کہا کہ میرے معلومات اس جدید بدعت سے بہتر ہیں۔ تو اس نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد نہیں ٹھہرتے تھے لہٰذا میں نے خطبہ کو مقدم کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری ۱ ص۱۲۲ کتاب العیدین)

میں نے اس روایت کو دیکھنے کے بعد بہت تلاش کیا کہ آخر اس تبدیلی سنت کا محرک کیا تھا تو یہ اندازہ ہوا کہ بنی امیہ جن کی ایک بڑی تعداد صحابہ کی بھی تھی اور جن کا راس رئیس "بخیال مسلمین کاتب وحی معاویہ تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو علیؑ پر لعنت کرنے اور انھیں بُرا بھلا کہنے پر مجبور کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم نے باب فضائل علیؑ میں نقل کیا ہے اور معاویہ نے تمام عمال کو اس لعنت کو سنت بنانے کا حکم دیدیا تھا۔ اور جن صحابہ نے اعتراض کیا یا اس حکم کی مخالفت کی

انہیں قتل کر دیا جیسا کہ حجر بن عدی کے بارے میں ہوا یا زندہ ہی دفن کرا دیا جیسا کہ بعض دیگر افراد کے بارے میں ہوا جس کا اقرار مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے "خلافت و ملوکیت" میں ابوالحسن بصری کے بیان کے حوالہ سے اس طرح کیا ہے کہ معاویہ میں چار باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن میں سے ایک بھی انسان کی ہلاکت کے لئے کافی تھی

۱۔ صحابہ کرام کے ہوتے ہوئے بغیر کسی کے مشورے کے حکومت پر قبضہ کر لینا۔

۲۔ اپنے بعد اپنے شرابی اور ریشم پہننے والے، گانے بجانے والے فرزند کو جانشین بنا دینا۔

۳۔ زیاد کو اپنے نسب میں شامل کر لینا جب کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد تھا کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کا حصہ صرف پتھر ہوتا ہے۔

۴۔ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کرا دینا۔

ایسے حالات میں اکثر مومنین نماز کے فوراً بعد مسجد سے باہر نکل جاتے تھے اور اس خطبہ میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ جس کا اختتام سبّ علیؑ اور لعنت پر ہوتا تھا اس لئے بنی امیہ نے سنت رسول کو تبدیل کر دیا اور خطبہ کو نماز پر مقدم کر دیا تاکہ تمام افراد شریک ہوں۔ گویا ان کی ناک رگڑ دی جائے۔

خدا ان صحابہ کو غارت کرے جنہوں نے سنت رسولؐ میں تبدیلی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور اپنے پست مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے احکام الٰہی کو بھی بدل ڈالا اور اس شخص کو مورد لعن قرار دیدیا جس سے خدا نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور اسے مکمل طور پر پاک و پاکیزہ بنایا ہے اس پر صلوات کو ضروری قرار دیا ہے اور اس کی محبت و مودت کو اجر رسالت بنا دیا ہے یہاں تک کہ رسول اکرمؐ نے خود فرمایا تھا کہ علیؑ کی محبت ایمان اور ان کا بغض نفاق ہے۔ (صحیح مسلم ۱/۶۱)

لیکن ان صحابہ نے سب کچھ بدل ڈالا اور صلوات و مودت کے بجائے

سب وشتم اور لعن وطعن کو جائز بنا لیا۔ اور اس سلسلہ کو بقول مورخین ۶۰ سال تک جاری رکھا۔

اگر کل اصحاب موسیٰ نے ہارون کے خلاف سازش کی تھی اور انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا تو آج اصحاب محمدؐ نے بھی ان کے ہارون کو قتل کرا دیا۔ اور ان کی اولاد اور ان کے پیروؤں کو ہر گوشہ میں تلاش کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اور ان کا نام دیوان سے محو کر دیا اور اس امر پر بھی پابندی عائد کر دی کہ کوئی ان کے نام پر نام نہ رکھے اور خود لعنت کرنے کے ساتھ دوسرے صحابہ مخلصین کو بھی مجبور کیا کہ وہ علیؑ پر لعنت کریں۔

میں جس وقت اپنی صحاح اور مسانید میں رسول اکرمؐ کی علیؑ سے محبت اور انہیں تمام صحابہ پر مقدم کرنے کی روش دیکھتا ہوں اور اس ارشاد گرامی کو دیکھتا ہوں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "یا علی تمہاری منزلت میرے لئے وہی ہے جو موسیٰ کے لئے ہارون کی تھی۔ فقط یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا"۔ "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں"۔ "علیؑ کی محبت ایمان ہے اور ان کی عداوت نفاق ہے"۔ "میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں"۔ "علیؑ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں"۔ "جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں"۔ "خدایا اسے دوست رکھنا جو علیؑ کو دوست رکھے اور اس سے دشمنی رکھنا جو علیؑ سے دشمنی رکھے"۔

تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہ جاتی کہ اس طرح کے بے شمار فضائل ہمارے اصحاب صحاح نے نقل کئے ہیں۔ جنہیں جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے اور پھر صحابہ نے سب کو نظر انداز کر کے علیؑ سے دشمنی شروع کر دی۔ ان پر منبر دل سے لعنت کی اور ان سے جنگ و جدال بلکہ ان کے قتل کے لئے بھی تیار ہو گئے۔

میں پھر بھی چاہتا ہوں کہ ان کے لئے کوئی جواز تلاش کر دوں لیکن حب دنیا

نفاق، ارتداد، اور انقلاب کے علاوہ کوئی توجیہ نظر نہیں آتی۔ بہتر ہے کہا جائے کہ ان تمام اقدامات کو صحابہ کی تیسری قسم اور منافقین کے حساب میں لکھ دوں لیکن افسوس کہ ایسے اعمال انجام دینے والے بزرگ ترین اور مشہور ترین اصحاب تھے۔

خانۂ علیؑ میں آگ لگانے والے عمر بن الخطاب تھے۔ ان سے جنگ کرنے والے طلحہ، زبیر اور ام المومنین عائشہ، معاویہ بن ابوسفیان اور عمرو بن العاص جیسے افراد تھے۔

میری یہ حیرت ختم ہونے والی نہیں ہے اور میری طرح ہر آزاد فکر اور منصف مزاج انسان غرق حیرت رہے گا کہ علماء اہلسنت نے عدالت صحابہ اور ان کے رضی اللہ عنہ ہونے کو کس طرح ان اقدامات سے ہم آہنگ بنایا ہے۔ جبکہ ان کے قانون عدالت صحابہ میں کوئی استثنا نہیں ہے اور بعض افراد نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "یزید پر لعنت کرو لیکن اس سے آگے نہ بڑھو۔" جب کہ یزید کے مظالم کیا حیثیت ہے ان مظالم کے مقابلے میں جنہیں نہ دین تسلیم کرتا ہے نہ عقل۔

میں تو یہ سوچ بھی نہیں پاتا ہوں کہ اگر واقعاً اہلسنت سنت رسول کی پیروی کرنے والے ہیں تو ان افراد کو کس طرح عادل قرار دیتے ہیں جن کے فسق اور ارتداد کا قرآن وسنت نے اعلان کیا ہے اور جن کے بارے میں رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے "جس نے علیؑ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اس نے خدا کو برا کہا۔ اور جس نے خدا کو برا کہا اسے خدا منھ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔"

مستدرک حاکم ص ۱۲۱، خصائص نسائی ص ۲۴، مسند احمد ۶ ص ۳۳ مناقب خوارزمی ص ۸۱، الریاض النضرہ ۲ ص ۲۱۹، تاریخ سیوطی ص ۷۳)

یہ تو علیؑ کو برا کہنے والے کی سزا ہے پھر اس کا کیا انجام ہوگا جو لعنت کرے یا ان سے جنگ کرے یا انہیں قتل کرا دے۔ آخر ہمارے علماء کرام ان حقائق سے کتنی

دور چلے گئے ہیں ۔۔۔ یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں ۔۔۔ پروردگار میں شیطان کے وسوسوں اور ان کے تسلط کے مقابلے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۲۔ صحابہ نے نماز تک بدل ڈالی

انس بن مالک کا بیان ہے کہ "زمانۂ پیغمبرؐ کی تمام باتوں میں سے سب سے پہلے ہمیں نماز کا علم ہوا ہے اور تم لوگوں نے اسے بھی ضائع کر دیا ہے"۔ زہری کا بیان ہے کہ میں انس بن مالک کے پاس دمشق میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو میں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ میں تمام چیزوں میں سے اسی نماز کو پہچانتا ہوں اور اسے بھی ضائع کر دیا گیا ہے"۔ (بخاری ۱/۱۳۴)

کسی شخص کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ کام فتنوں اور جنگوں کے بعد تابعین نے کیا ہے لہٰذا اس امر کی یاد دہانی ضروری ہے کہ سب سے پہلے نماز میں تبدیلی کا کام خلیفۃ المسلمین عثمان نے انجام دیا ہے اور اس کے بعد یہ کام ام المومنین عائشہ نے کیا ہے۔

چنانچہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے منیٰ میں نماز قصر پڑھی ہے اور یہی کام ابوبکر اور عمر نے بھی بلکہ عثمان نے بھی خلافت کے ایک دور میں انجام دیا ہے اس کے بعد اسے چار رکعت بنا دیا ہے۔ (بخاری ۲/۱۵۴، مسلم ۱/۲۶۰)

مسلم ہی نے اپنی صحیح میں زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہ پوری نماز کیوں نہیں پڑھتی ہیں تو انہوں نے کہا کہ انھوں نے عثمان ہی کی طرح تاویل کر لی ہے"۔ (مسلم ۲/۱۴۳ کتاب صلوٰۃ المسافرین)

خود عمر بن الخطاب بھی اکثر نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اجتہاد و تاویل سے کام لیا کرتے تھے اور اپنی رائے سے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا اعلان تھا کہ

"دو متعہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں رائج تھے اور میں دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں اور ان کے انجام دینے والے کو سزا بھی دوں گا۔" اور انہوں نے حالت جنابت میں پانی نہ پانے والے کو نماز ترک کردینے کا حکم دیدیا تھا جب کہ قرآن مجید میں تیمم کا صریحی حکم موجود ہے اور بخاری نے اس واقعہ کو باب "اذا خاف الجنب علی نفسہ" میں نقل کیا ہے کہ میں نے شقیق بن سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں عبداللہ اور ابو موسیٰ کے پاس تھا تو ابو موسیٰ نے کہا کہ ابو عبدالرحمٰن تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کسی جنب کو پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے گا تو عبداللہ نے کہا کہ جب تک پانی نہ ملے نماز نہیں پڑھے گا تو ابو موسیٰ نے کہا کہ پھر رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کا کیا کروگے جو آپ نے عمار سے فرمایا تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ عمر اس سے مطمئن نہیں تھے؟ تو ابو موسیٰ نے کہا کہ اچھا عمار کی بات چھوڑو آیت تیمم کو کیا کروگے؟ جس پر عبداللہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ صرف یہ کہنے پر اکتفا کی کہ اگر ایسی اجازت دیدی گئی تو جس کو پانی ٹھنڈا معلوم ہوگا وہ بھی غسل چھوڑ کر تیمم کرلے گا تو میں نے شقیق سے کہا کہ عبداللہ نے اسی لئے مکروہ قرار دیا ہے تو انہوں نے کہا کہ بیشک۔

—— (بخاری ۱ ص۵۴)

۳۔ صحابہ کی گواہی خود اپنے خلاف:۔

انس بن مالک راوی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے انصار سے فرمایا کہ میرے بعد شدید ترین حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا لہٰذا صبر کرنا یہاں تک کہ خدا کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ اور رسولؐ سے حوض کوثر پر ملاقات کرو —— لیکن انس کا کہنا ہے کہ ہم لوگ صبر نہ کرسکے۔ (بخاری ۲ ص۱۳۵)

علاء بن المسیب نے اپنے باپ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے براء بن عازب

سے ملاقات کر کے یہ کہا کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو سرکار کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور آپ نے بیعت شجرہ میں شرکت کی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ بھائی تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے اس کے بعد کیا کیا ہے۔ (بخاری ج ۳ ص ۳ باب غزوہ حدیبیہ)

ظاہر ہے کہ جب سابقین اولین کے اس صحابی نے نبی کی بیعت کرنے کے بعد اور رضائے الٰہی کی سند حاصل کرنے کے بعد اپنے خلاف یہ گواہی دی ہے کہ ہم لوگوں نے رسول اکرم کے بعد بدعتیں ایجاد کی ہیں تو دوسروں کا کیا ذکر ہے جب کہ یہ گواہی اس خبر غیب کی مصداق ہے کہ جس میں حضور نے اپنے بعد بدعتوں کے ایجاد ہونے کی خبر دی تھی اور لوگوں کے مرتد ہو جانے کے بارے میں بیان کیا تھا تو کیا یہ ممکن ہے کہ ان حالات کے بعد بھی کوئی عقلمند سب کے عادل ہونے کی تصدیق کر دے جیسا کہ حضرات اہلسنت کا خیال ہے۔

میرے خیال میں تو ایسا شخص عقل اور نقل دونوں کے مخالف ہوگا۔ اور ایسے نظریات کے بعد حقیقت تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں رہ جائے گا۔

۴۔ حضرات شیخین کی شہادت خود اپنے خلاف

بخاری نے اپنی صحیح میں مناقب عمر بن الخطاب کے باب میں نقل کیا ہے کہ جب انھوں نے زخمی ہونے کے بعد اپنے درد و الم کا اظہار کیا تو ابن عباس نے تسکین دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کو یہ تکلیف ہے تو آپ نے صحبت رسول کا شرف حاصل کیا اور اس عالم میں ان سے جدا ہوئے ہیں کہ وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر ابو بکر کی باقاعدہ صحبت اختیار کی ہے اور وہ بھی آپ سے راضی تھے۔ پھر ان کے اصحاب کے ساتھ زندگی گذاری ہے اور اب دنیا سے جا رہے ہیں تو سب آپ سے راضی ہیں۔" تو انہوں نے فرمایا کہ جہاں تک رسول اکرم کی صحبت اور رضامندی کا تعلق ہے تو یہ اللہ

کا ایک احسان تھا اور یہی حال ابو بکر کی صحبت اور ان کی رضامندی کا ہے لیکن اس وقت میرا اضطراب تمہارا اور تمہارے اصحاب کے بارے میں ہے کہ اگر روئے زمین کے برابر سونا بھی صدقہ دیکر عذاب الہٰی سے نجات حاصل کر سکتا تو میں دیدیتا۔ (بخاری ۲ ۲۰۱)

تاریخ نے ان کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ کاش میں ایک دنبہ ہوتا جسے گھر والے کھلا پلا کر تندرست بناتے اور جب کوئی مہمان آجاتا تو اسے ذبح کر کے انہیں کھلا دیئے اور ان کے کھانے کے بعد میں فضلہ بن کر نکل جاتا ___ اور انسان نہ ہوتا۔ (منہاج السنہ ابن تیمیہ ۳ ۱۳۱، حلیۃ الاولیاء ۱ ۵۲)

تاریخ نے ایسا ہی ایک بیان ابو بکر کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے درخت پر ایک پرندہ کو دیکھ کر فرمایا کہ تو خوش قسمت ہے، درخت پر بیٹھا ہے کھجور کھاتا ہے اور تیرے ذمہ نہ کوئی حساب ہے نہ عذاب۔ کاش میں بھی سر راہ کوئی درخت ہوتا اور راہگیروں کا اونٹ مجھے کھا کر مینگنی بنا دیتا اور میں انسان نہ ہوتا۔ ___ (طبری صدا ۲۱۔ الریاض النضرہ ۱ ۱۳۴، کنز العمال صدا ۳۶۱ منہاج السنہ ۳ ۱۲۰)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ کاش میری ماں نے مجھے نہ جنم دیا ہوتا اور میں کوئی کوڑا کرکٹ ہوتا۔ (طبری صدا ۲۱، الریاض النضرہ ۱ ۱۳۴ کنز العمال صدا ۳۶۱ منہاج السنہ ۳ ۱۲۰)

ان بیانات کے مقابلے میں قرآن مجید کا وہ بیان جو صاحبان ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ "اولیاء خدا کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ حزن یہ صاحبان ایمان اور متقی افراد تھے۔ ان کے لئے زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر بشارت ہے۔ کلمات خدا میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے اور یہی عظیم کامیابی ہے۔" (یونس ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴) ___ "جن لوگوں نے یہ کہا کہ خدا ہمارا رب ہے اور اسی

پر قائم رہے۔ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے کہ خبردار خوف اور حزن نہ کرو اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر تمہارے ساتھی ہیں اور تمہارے لئے جنت میں جو کچھ چاہو سب حاضر ہے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمہاری ضیافت کا سامان ہے۔" (فصلت ۳۰-۳۱-۳۲)

اب ناظرین کرام کا کیا خیال ہے کہ قرآن مجید کے ان بیانات کے بعد بھی شیخین کی یہ آرزو ہے کہ کاش وہ انسان نہ ہوتے جسے رب کریم نے تمام مخلوقات سے افضل بنایا ہے۔ اور اگر عام مومن پر استقامت کے بعد ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور اسے مقامات جنت کی بشارت دیتے ہیں اور وہ عذاب الٰہی کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے دنیا کے حالات پر حزن نہیں ہوتا ہے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں بشارت مل جاتی ہے۔ تو ان بزرگ صحابہ کو کیا ہو گیا ہے جو تمام مخلوقات سے افضل و برتر ہونے کے بعد فضلہ، مینگنی یا بال اور کوڑا کرکٹ ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر ملائکہ نے انہیں بھی بشارت دیدی ہوتی تو ساری دنیا کے برابر سونا صدقہ دیکر عذاب الٰہی سے بچنے کی آرزو نہ کرتے۔ جبکہ قرآن مجید نے صاف کہدیا ہے کہ "اگر ظلم کرنے والے انسان کے پاس ساری دنیا بھی ہوتی تو وہ اسے فدیہ میں دیدیتا۔ اور عذاب دیکھنے کے بعد ندامت کا احساس کرتا اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا اور کسی پر ظلم نہ کیا جاتا۔" (یونس ۵۴)

"اگر ظالمین کے پاس کل روئے زمین کا سرمایہ ہوتا اور اتنا ہی اور بھی مل جاتا تو بھی قیامت کے عذاب کے مقابلے میں قربان کر دیتے اور خدا کی طرف سے اس امر کا اظہار ہو تا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا۔ اور ان کی بداعمالیوں کا اظہار بھی ہو جاتا اور ان کا استہزا خود انہیں کو گھیر لیتا۔" (زمر ۴۷ - ۴۸)

میری تمام تر آرزو یہ ہے کہ کاش یہ آیتیں حضرات ابو بکر و عمر جیسے بزرگوں کے حال پر منطبق نہ ہوتیں ۔۔۔ لیکن مجھے ان آیات کو دیکھنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے ٹھہرنا پڑتا ہے کہ میں یہ دیکھوں کہ ان لوگوں نے رسول اکرمؐ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے اور کس طرح آخر وقت میں ان کے احکام کے نفاذ کی مخالفت کی ہے اور اس طرح اذیت دی ہے کہ وہ گھر سے نکال دینے پر مجبور ہو گئے تھے جس طرح کہ میرے سامنے ان حوادث کی داستان بھی ہے جو سرکار دو عالمؐ کے بعد پیش آئے ہیں ۔ اور جن میں آپ کی دختر نیک اختر فاطمہؑ زہرا کو اذیت دی گئی ہے اور ان کا حق غصب کیا گیا ہے جب کہ آپ نے واضح طور پر فرما دیا تھا کہ " فاطمہؑ میرا ایک جزو ہے ، جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا " (بخاری ۲ ص۲۰۶ ، باب مناقب قرابۃ رسول اللہؐ)

اور خود جناب فاطمہؑ نے ابو بکر و عمر سے کہا تھا کہ " میں خدا کو گواہ بنا کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم دونوں نے میرے بابا کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ فاطمہؑ کی رضا میری رضا ہے اور فاطمہؑ کا غضب میرا غضب ہے ۔ جس نے فاطمہؑ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی ۔ اور جس نے فاطمہؑ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا ۔ " تو دونوں نے تصدیق کی کہ ہم نے یہ بیان سنے ہیں جس پر آپ نے فرمایا کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور راضی نہیں کیا ہے اور میں پیغمبر اسلام سے ملاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت کروں گی ۔ " (الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ۱ ص۲۰) فدک فی التاریخ ص۹۲)

چھوڑیئے اس روایت کو جو دل کو خون کر دیتی ہے کہ شاید ابن قتیبہ بھی شیعہ ہو گیا ہو ۔ اگرچہ اس کا شمار جلیل القدر علماء اہلسنت میں ہوتا ہے اور وہ تفسیر

حدیث، لغت، نحو اور تاریخ میں مختلف کتابوں کا مصنف بھی ہے ـــــ جیسا کہ تاریخ الخلفاء سے استناد کے موقع پر ایک متعصب عالم اہلسنت نے مجھ سے کہا تھا کہ ابن قتیبہ شیعہ تھا۔ اور یہی بات ہر غیر متعصب سنی عالم کے بارے میں کہی جاتی ہے چنانچہ نسائی نے خصائص امیر المومنین تالیف کی تو وہ شیعہ ہو گیا۔ طبری نے چند فضائل نقل کر دیئے تو وہ شیعہ ہو گیا۔ ابن قتیبہ نے تاریخ لکھ دی تو وہ شیعہ ہو گیا۔ اور حد یہ ہے کہ دور حاضر کے مشہور مصنف طٰہٰ حسین نے الفتنۃ الکبریٰ لکھ دی تو وہ بھی شیعہ ہو گئے کہ انھوں نے حدیث غدیر نقل کر دی ہے اور بہت سے حقائق کا اعتراف کر لیا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شیعہ نہیں تھا۔ اور سب نے شیعوں کا تذکرہ انتہائی بدترین انداز میں کیا ہے۔ اور صحابہ کی عدالت سے دفاع کیا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ جس نے بھی فضائل اہلبیتؑ کا تذکرہ کر دیا ہے، اور صحابہ کی غلطیوں کا اقرار کر لیا ہے اس پر تشیع کی تہمت لگا دی گئی ہے تاکہ اس کا بیان بے قیمت اور جانبدار ہو جائے۔ حد یہ ہے کہ اگر کسی نے صلوات میں آل کا ذکر کر دیا ہے یا علی کو علیہ السلام کہہ دیا ہے تو وہ بھی شیعوں میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اسی لئے میں نے ایک دن اپنے عالم اہلسنت سے بحث کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کا بخاری کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ ائمہ حدیث میں ہیں اور ان کی سب کتابوں میں بالاتر ہے تو میں نے کہا کہ وہ تو شیعہ تھے ـــــ تو انہوں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا کہ معاذ اللہ وہ کس طرح شیعہ ہو سکتے ہیں۔؟

میں نے کہا کہ آپ کا قانون ہے کہ جو علی کو علیہ السلام کہہ دیتا ہے اسے شیعہ کہہ دیتے ہیں اور یہ چند مقامات ہیں جہاں بخاری نے علی کو علیہ السلام، فاطمہ علیہا السلام، اور حسین بن علی کو علیہ السلام لکھا ہے تو کیا وہ شیعہ نہیں ہیں۔

تو وہ سکتہ میں آگئے اور کوئی جواب نہیں دے سکے۔ (بخاری ۱/۱۲۷، ۱۳۰، ۳/۱۳۶/۱۴۵)

مشکل یہ ہے کہ میں ابن قتیبہ کی روایت کو ترک کر دوں جس نے یہ تذکرہ کیا ہے کہ فاطمہ زہراؑ ابوبکر و عمر پر غضبناک ہو گئیں۔ اور ان سے کلام نہیں کیا تو بخاری کے بارے میں کس طرح شک کر دوں گا کہ جس کی کتاب اصح الکتب ہے اور ہم لوگوں نے اسے صحیح تسلیم کر لیا ہے اور شیعوں کو ہمارے مقابلہ میں اس کتاب سے استدلال کرنے کا حق ہے اور اس نے باب مناقب قرابۃ الرسولؐ میں یہ روایت درج کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "فاطمہ میرا ٹکڑا ہے اور جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔" اور پھر باب غزوۂ خیبر میں عائشہ سے نقل کیا ہے کہ "فاطمہؑ بنت النبیؐ نے ابوبکر کے پاس اپنی میراث کا تقاضا بھیجا تو انہوں نے فاطمہؑ کو کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا جس پر وہ ناراض ہو گئیں اور انہوں نے قطع روابط کر لئے اور تاحیات ان سے بات نہیں کی۔ (بخاری ۳/۱۳۹)

اور ان دونوں بیانات کا نتیجہ ایک ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بخاری نے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابن قتیبہ نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اور جب بخاری اس امر کا اقرار کرے کہ فاطمہؑ غضبناک ہو گئیں اور جیتے جی ابوبکر سے بات نہیں کی" ___ اور اس امر کا بھی اعلان کرے کہ "فاطمہؑ سیدۃ النساء العالمین ہیں جیسا کہ کتاب الاستیذان میں ذکر کیا گیا ہے ___ اور فاطمہؑ ہی وہ تنہا خاتون ہیں جنہیں آیۂ تطہیر کا مرکز بنا کر تمام برائیوں سے دور رکھا گیا ہے تو اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ فاطمہؑ کا غضب حق کے علاوہ کسی شے کے لئے نہیں ہو سکتا ہے اور ان کا غضب یقیناً خدا و رسولؐ کے غضب کا باعث ہوگا اور اسی لئے خود ابوبکر نے کہا کہ میں رسول اکرمؐ اور فاطمہؑ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور فاطمہؑ کی ناراضگی پر اس قدر روئے کہ قریب تھا کہ وہ انتقال فرما جاتے۔ اور وہ برابر فرماتی رہیں کہ میں تمہارے خلاف

ہر نماز میں بد دعا کردں گی۔ جس کے بعد ابو بکر نے یہ اعلان کر دیا کہ مجھے ایسی بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے خلافت سے معاف کر دیا جائے۔ (الامامۃ والسیاسۃ ا ص۲)

یہ اور بات ہے کہ ہمارے اکثر علماء اس اقرار کے بعد کہ فاطمہؑ نے ابو بکر سے میراث اور عطیہ کے بارے میں اختلاف کیا اور جب ان کا دعویٰ رد کر دیا گیا تو ناراض ہو گئیں۔ اور تاحیات ناراض رہیں۔ ان واقعات سے اس طرح گذر جاتے ہیں جیسے یہ کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔ صرف اس لئے کہ ابو بکر کے آبرو کی تحفظ کریں اور ان کے کردار پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ صورت حال ہے کہ بعض علماء نے تمام واقعات کو تفصیل کے ساتھ نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے کہ "فاطمہؑ کے لئے ناممکن ہے کہ وہ غیر حق کا مطالبہ کریں اور ابو بکر کے لئے بھی یہ ناممکن ہے کہ وہ حق کا انکار کر دیں"۔ گویا ان کی نظر میں اس فریب کاری اور ریا کاری سے مسئلہ حل ہو گیا اور تمام تحقیق کرنے والے مطمئن ہو گئے ۔ اس بیان کا تو واضح سا مطلب یہ ہے کہ "قرآن مجید کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ غلط بیانی سے کام لے اور بنی اسرائیل کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ گوسالہ پرستی شروع کر دیں"۔

خدا جانتا ہے کہ ہم ایسے علماء کے ہاتھوں مبتلا ہو گئے ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور بیک وقت دو متضاد اور متناقض امور کا عقیدہ رکھتے ہیں جب کہ واضح سی بات یہ ہے کہ فاطمہؑ نے ایک دعویٰ کیا تھا اور ابو بکر نے اسے رد کر دیا تھا گویا فاطمہؑ (معاذ اللہ) غلط بیانی سے کام لے رہی تھیں یا ابو بکر نے ان کے اوپر ظلم کیا ہے ۔ اس کے علاوہ مسئلہ کی کوئی تیسری شق نہیں ہے جس کی پناہ لی جا سکے ۔ اور اگر عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ناممکن ہے کہ فاطمہؑ غلط بیانی سے کام لے سکیں کہ انہیں رسول اکرمؐ نے اپنا جزء قرار دیا ہے اور ان کی

اذیت کو اپنی اذیت قرار دیا ہے تو اس کا واضح سا نتیجہ یہ ہے کہ اس امر کا اقرار کر لیا جائے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور ان کے دعویٰ کو رد کر دینا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ جبکہ حدیث بضعۃ منّی انکی عصمت کی دلیل ہے اور آیت تطہیر ان کی پاکیزگی کا اعلان کر رہی ہے ـــــ یہ اور بات ہے کہ گھر میں آگ لگانے والوں کے لئے تکذیب اور انکار حق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (تاریخ الخلفاء دینوری ا ۳۰)

اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ فاطمہ زہراؑ نے گھر میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں دی اور جب وہ لوگ گھر میں داخل ہو گئے تو ابوبکر و عمر کی طرف سے منہ پھیر لیا اور انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں فرمایا۔ (الامامۃ والسیاسۃ ا ۲۰)

پھر انتقال کے بعد کے لئے وصیت کر دی کہ جنازہ کو رات کی تاریکی میں دفن کر دیا جائے تاکہ ظالم جنازہ میں شریک نہ ہو سکیں۔ (بخاری ۳ ۳۹)

انھیں مصائب کا نتیجہ تھا کہ بنت رسولؐ کی قبر آج تک معلوم نہ ہو سکی اور یہ سوال علماء کرام سے باقی ہے کہ ان حقائق کے بارے میں کیوں ساکت ہیں اور ان مسائل پر کیوں بحث نہیں کرتے ہیں۔ اور انھیں محل ذکر میں کیوں نہیں لاتے ہیں اور صحابہ کو ہمارے سامنے ملائکہ کی شکل میں کیوں پیش کرتے ہیں۔ ان کی غلطی اور خطا کا اقرار کیوں نہیں کرتے ہیں اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین عثمان کا قتل کیوں واقع ہو گیا۔ تو دو لفظوں میں سارے واقعات کا خلاصہ کیوں بتا دیتے ہیں کہ مصر کے کفار کی ایک جماعت نے آکر انہیں قتل کر دیا ـــــ یہ تو مجھے بحث و تحقیق کی فرصت ملی تو میں نے دیکھا کہ عثمان کے قاتل اصل میں صحابہ کرام ہیں جنمیں سرفہرست ام المؤمنین عائشہ ہیں جو ان کے قتل کے نعرے لگاتی تھیں اور نعثل کہہ کر ان کے قتل پر لوگوں کو آمادہ کر رہی تھیں۔ (طبری ۴ ۴۵۹، ابن اثیر ۳ ۲۰۶، لسان العرب ۱۴ ۱۳۹، تاج العروس ۸ ۱۴۱، العقد الفرید ۴ ۲۹۰)

اس کے بعد طلحہ، زبیر اور محمد بن ابی بکر جیسے مشاہیر صحابہ ہیں جنہوں نے محاصرہ کے دوران پانی بند کر کے انہیں استعفا دینے پر مجبور کرنا چاہا تھا اور بقول مورخین انہیں صحابہ نے انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا اور بالآخر یہودیوں کے قبرستان "حش کوکب" میں دفن ہو گئے۔

ایسے حالات میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ مظلوم مارے گئے اور انہیں کفار کی ایک جماعت نے قتل کر دیا ہے۔

درحقیقت یہ واقعہ بھی جناب فاطمہؑ اور ابو بکر جیسا ایک واقعہ ہے کہ یا تو عثمان مظلوم ہیں اور جن صحابہ نے انہیں قتل کیا ہے یا قتل میں شرکت کی ہے وہ قاتل اور مجرم تھے کہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین کے خون کو مباح قرار دیا اور پھر جنازہ پر خشت باری کی اور اس قدر توہین کی کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں ہونے دیا ـــ یا یہ صحابہ عثمان کو ان کے اعمال و افعال کی بنا پر جائز القتل سمجھتے تھے اور ان کے اعمال قابل قتل تھے۔ اس کے بعد تیسرا کوئی احتمال نہیں ہے جب تک ہم تاریخ کے تمام حقائق کا انکار کر کے فریب کاری کا کاروبار نہ شروع کر دیں اور مصر کے کافروں کو قاتل نہ قرار دیدیں ـــ لیکن بہر حال دونوں صورتوں میں عدالت صحابہ کا عقیدہ ضرور مجروح ہو جاتا ہے کہ قضیہ کے فریقین صحابہ تھے اور اختلاف قتل کی حدوں تک پہنچا ہوا تھا۔ جس کے بعد شیعوں کا یہ خیال صحیح ہو جاتا ہے کہ بعض صحابہ عادل تھے۔ اور بعض فاسق و ظالم ـــ پھر اس کے بعد جنگ جمل کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے جس کی آتش جنگ کو ام المومنین عائشہ نے بھڑکایا تھا۔ اور خود ہی انہوں نے اس جنگ کی قیادت کی تھی ـــ کہ ام المومنین اس گھر سے کس طرح باہر نکلیں جس میں ٹھہرے رہنے کا حکم قرآن مجید نے دیا تھا "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ"۔ (احزاب ۳۳)

اور کس طرح خلیفۃ المسلمین سے جنگ کو جائز قرار دیدیا جبکہ وہ تمام مومنین و مومنات کے ولی تھے۔

ہمارے علمائے کرام ان سوالات کے جوابات نہایت آسانی کے ساتھ دیتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے قصۂ افک میں رسول اکرمؐ کو طلاق دیدینے کا مشورہ دیدیا تھا اور یہ بات ام المومنین کو ناپسند تھی لہٰذا وہ امام علیؑ کو پسند نہ کرتی تھیں ۔۔۔ گویا کہ طلاق کا مشورہ اس امر کا جواز تھا کہ حکم خدا کی مخالفت کی جائے ۔۔۔ گھر سے باہر میدان میں جنگ کی جائے۔ اونٹ پر بیٹھ کر حواب کے مقام تک سفر کیا جائے جس سے رسول اکرمؐ نے منع بھی کیا تھا۔ اور اس خطرہ سے آگاہ بھی کیا تھا۔ (الامامۃ والسیاسۃ) ۔۔۔ پھر مدینہ سے مکہ اور مکہ سے بصرہ کی طویل مسافت طے کر کے بے گناہ افراد کے خون کو مباح بنا لیا جائے اور امیر المومنینؑ سے جنگ کی جائے اور اس کے نتیجہ میں ہزاروں افراد کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ (طبری، ابن اثیر، مدائنی وغیرہ حوادث ۳۶ھ)۔

اور یہ سب صرف اس لئے ہو کہ امام علیؑ نے طلاق کا مشورہ دیدیا اور اور یہ انھیں پسند نہیں تھا۔ اگرچہ رسول اکرمؐ نے طلاق بھی نہیں دی تھی۔

اس کے علاوہ مفسرین نے ان کے بہت سے معاندانہ حرکات کا ذکر کیا ہے جن کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جب آپ مکہ سے واپس آ رہی تھیں تو لوگوں نے خبر دی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے تو آپ نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا لیکن جیسے ہی معلوم ہوا کہ لوگوں نے علیؑ کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے آپ نے برجستہ اعلان کیا کہ کاش آسمان زمین پر گر پڑتا اور علیؑ ولی امیر المومنین نہ بن پاتے۔ مجھے واپس لے چلو اور اس کے بعد شعلۂ جنگ کے بھڑکانے کی تیاریاں کرنے لگیں۔ اور علیؑ سے اس قدر اختلاف کیا کہ ان کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔

کیا انہوں نے رسولِ اکرم کا یہ ارشاد نہیں سُنا تھا کہ "علیؑ کی محبت ایمان ہے اور ان کی عداوت نفاق ہے"۔ (صحیح مسلم ۱ ؍ ۴۸) یہاں تک کہ بعض صحابہ کا بیان ہے کہ ہم منافقین کو علیؑ کی عداوت ہی کے ذریعہ پہچانتے تھے۔

اور کیا انہوں نے رسولِ اکرمؐ کا یہ اعلان نہیں سنا تھا "جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے"۔ یقیناً انہوں نے سُنا تھا اور وہ یہ سب جانتی تھیں لیکن اس کے باوجود علیؑ کو پسند نہیں کرتی تھیں اور جب ان کے انتقال کی خبر سُنی تو فوراً سجدہ شکر میں گر پڑیں۔ (طبری، ابن اثیر، مدائنی وغیرہ حوادث ۳۶ھ)

چھوڑیئے ان معاملات کو کہ میرا مقصد ام المومنین کی تاریخ حیات کو نقل کرنا نہیں ہے۔ میرا مقصد تو صرف یہ بیان کرنا تھا کہ اکثر صحابہ اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے اور رسولِ اکرمؐ کے احکام کی پروا نہیں کرتے تھے۔ جس مقصد کے لئے ام المومنین کا یہ فتنہ ہی کافی ہے کہ جس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے اور سب نے اس حقیقت کو نقل کیا ہے کہ جب ان کا قافلہ مقام حواُب پر پہونچا اور وہاں کے کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو رسولِ اکرمؐ کی تنبیہ یاد آئی کہ خبردار تم میں سے کوئی مقام حواُب تک نہ جانے پائے جہاں کتے بھونکیں گے۔ اور جب انہوں نے واپسی کا ارادہ کرلیا تو طلحہ و زبیر نے رقم دیکر پچاس آدمیوں کو جمع کیا اور انہوں نے قسم کھاکر گواہی دی کہ یہ مقام حواُب نہیں ہے۔ اور وہ بصرہ تک اپنے سفر کو جاری رکھے رہیں جو بقول مورخین اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی تھی۔ (طبری۔ ابن اثیر۔ مدائنی وغیرہ۔ حوادث ۳۶ھ)

اب میں روشن فکر افراد سے سوال کرتا ہوں کہ اس اشکال کا کوئی حل بتائیں اور یہ سمجھائیں کہ کیا انھیں صحابہ کرام کی عدالت کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور کیا انہیں کو رسولِ اکرمؐ کے بعد افضل البشر قرار دیا جاتا ہے جو جھوٹی گواہی سے بھی دریغ نہیں کرتے جسے رسولِ اکرمؐ نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

پھر دوبارہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر ـــــ اس لئے یا تو علیؑ اور ان کے ساتھی ظالم اور باطل پر ہوں یا ام المومنین عائشہ اور ان کے ساتھی طلحہ اور زبیر ظالم اور باطل پر ہوں گے۔ اور دونوں صورتوں میں صحابہ کا کردار واضح ہو جائے گا اور کسی تیسری قسم کا کوئی امکان بھی نہیں ہے۔

میرے خیال میں تو ہر انصاف پسند کا رجحان علیؑ کی طرف ہوگا جو حق کے ساتھ ہیں اور اور حق ان کے ساتھ ہے بلکہ انہیں کے ساتھ گردش کرتا ہے اور ام المومنین کے فتنہ سے بیزار ہوگا جس کی آگ ہر خشک و تر کو کھا گئی اور اس کے آثار آج تک باقی ہیں۔

بخاری نے اپنی صحیح کتاب الفتن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب طلحہ اور زبیر اور عائشہ نے بصرہ کا رخ کیا تو علیؑ نے عمار یاسر اور حسن بن علیؑ کو بھیجا اور یہ حضرات کوفہ آئے۔ مجمع جمع کیا اور منبر پر گئے۔ حسن بالائی زینہ پر تھے اور عمار یاسر اس کے بعد والے زینہ پر ـــــ اور عمار نے بآواز بلند اعلان کیا کہ عائشہ نے بصرہ کا رخ کر لیا ہے اور وہ تمہارے رسولؐ کی زوجہ ہیں اب پروردگار تمہارا امتحان لے رہا ہے کہ تم رسولؐ کی اطاعت کرتے ہو یا عائشہ کی۔ (بخاری ج ۴ ص ۱۶۱)

پھر کتاب الشروط میں ازواج کے بارے میں نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خطبہ دیتے ہوئے عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ فتنہ یہاں ہے ـــــ یہاں ہے ـــــ یہاں ہے ـــــ جس طرح شیطان کی سینگ نکلتی ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۲۵)

اس کے علاوہ بخاری نے رسول اکرمؐ کے ساتھ ان کے سوء اخلاق اور بدتمیزی کے بھی بہت سے عجیب و غریب مناظر نقل کئے ہیں اور یہاں تک بیان کیا ہے کہ ان کی انہیں حرکات پر ابوبکر نے انہیں اتنا مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ پھر انہوں نے رسول اکرمؐ کے خلاف ایسی سازش کی کہ آپ کو طلاق کی رائے دینا پڑی اور رب العالمین نے دوسری زوجہ بدلنے کا اشارہ دیدیا۔ جس کی داستان بیحد طویل ہے۔

میرا تو سوال یہ ہے کہ کیا ان حرکات و اقدامات کے بعد بھی عائشہ ان احترامات کی مستحق ہیں جس کے برادران اہلسنت قائل ہیں صرف اس لئے کہ وہ زوجہ پیغمبرؐ تھیں جب کہ پیغمبرؐ کی بہت سی ازواج ہیں اور بعض ازواج پیغمبرؐ ان سے افضل ہیں۔ (ترمذی، استیعاب حالات صفیہ، اصابہ) یا اس لئے کہ وہ بنت ابوبکر تھیں ـــ یا اس لئے کہ انھوں نے وصیت پیغمبرؐ کے ٹھکرانے پر پوراز ور صرف کر دیا تھا۔ اور جب ان کے سامنے ذکر آیا کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کے بارے میں وصیت کی ہے تو فرمایا کہ رسولؐ اکرم میرے سینے پر تکیہ کئے ہوئے تھے اور اسی عالم میں ان کا انتقال ہوا ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ انہوں نے کس طرح وصیت کی ہے۔

یا اس لئے کہ انھوں نے ایک بے پناہ جنگ کی قیادت کی ہے اور امام حسنؑ کے جنازہ کے دفن ہونے میں رکاوٹ ڈالی ہے اور انہیں یہ کہکر نانا کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا کہ میرے گھر میں اسے داخل نہ کرو جسے میں پسند نہیں کرتی ہوں۔ اور یہ بھول گئیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "حسنؑ و حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں" "خدا اسے دوست رکھے جو انہیں دوست رکھے۔ اور اس سے نفرت کرے جو ان سے عداوت رکھے" "میری اس سے جنگ ہے جو ان سے جنگ کرے اور ان سے صلح ہے جو ان سے صلح کرے" اور پھر حسنؑ و حسینؑ کو امت میں ریحان رسولؐ قرار دیا ہے۔

اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ انہوں نے پیغمبرؐ سے علیؑ کے بارے میں اس سے کہیں زیادہ سنا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان سے جنگ کی اور لوگوں کو ان کے خلاف ورغلا کر میدان میں لے آئیں۔ ان کے فضائل و مناقب کا انکار کر دیا۔

اور اسی بنیاد پر انہیں بنی امیہ نے پسند کیا۔ اور انہیں تمام امت سے بالاتر منزل پر رکھ دیا ہے۔ اور ان کی ثنا میں وہ روایتیں تیار کی ہیں جن سے کتابوں کو بھر دیا

اور دیا رہ زیادہ ان کا پروپیگنڈہ کیا۔ یہاں تک کہ انھیں امت اسلامیہ کے لئے مرجع اکبر قرار دیدیا گیا ہے اور ان کے بیانات کو نصف دین کا ماخذ بنا دیا گیا ہے۔

اور شاید دین کا "نصف آخر" ابو ہریرہ کے حصہ میں آگیا تھا جس نے ان کی شان میں روایتیں وضع کیں اور انہوں نے اس کے صلہ میں اسے والی مدینہ بنا دیا اور اس کے لئے قصر عقیق تیار کر دیا۔ جب کہ وہ ایک فقیر محض آدمی تھا اور اسے "راویۃ الاسلام" کا لقب دیدیا اور اس طرح اس نے بنی امیہ کے لئے ایک جدید اور مکمل دین فراہم کر دیا۔ جس میں کتاب و سنت کے وہی احکام نظر آئے جو ان کی خواہش کے مطابق اور ان کی سلطنت کے استحکام کا ذریعہ تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے دین کو تماشوں کا مجموعہ اور متناقضات کا مرکب مجموعہ ہونا ہی چاہئے تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حقائق مسخ ہو گئے اور ان کی جگہ ظلمات نے لے لی۔ لوگوں کو انہیں خرافات پر آمادہ کیا گیا۔ اور ان کے درمیان انہیں خرافات کی ترویج کی گئی اور اس طرح دین الٰہی ایک مضحکہ بن کر رہ گیا۔ جس کا کوئی معیار نہ ہو۔ اور جس میں معاویہ کا خوف خوفِ خدا سے زیادہ ہو۔

لیکن جب ہم اپنے علماء سے اس امر کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کے بیعت علیؑ کر لینے کے بعد معاویہ کے پاس ان سے جنگ کرنے کا جواز کیا تھا اور جس جنگ نے مسلمانوں کو شیعہ سنی دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا اس کے بھڑکانے والے کی حیثیت کیا ہے؟ وہ حسب عادت نہایت آسانی کے ساتھ یہ جواب دیدیتے ہیں کہ علیؑ اور معاویہ دونوں صحابی تھے۔ اور دونوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ علیؑ کا اجتہاد صحیح تھا اس لئے ان کے لئے دو اجر ہیں۔ اور معاویہ نے اجتہاد میں غلطی کی ہے لہٰذا اس کے لئے ایک ہی اجر ہے۔ اور ان بزرگوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے

کا حق نہیں ہے جیسا کہ پروردگارعالم کا ارشاد ہے کہ "یہ امت گذر چکی ہے وہ اپنے اعمال کی ذمہ دار ہے اور تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ تم سے ان کے اعمال کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔"

افسوس صد افسوس کہ یہ ہے ہمارے علماء کرام کا انداز جواب جو ایک واضح مغالطہ اور فریب عقل ہے جسے نہ کوئی دین قبول کر سکتا ہے اور نہ کوئی قانون — خدایا میں تجھ سے افکار کی لغزش اور خواہشات کی کجروی سے پناہ مانگتا ہوں، تو ہمیں شیطانی وسوسوں اور شیاطین کے غلبہ سے نجات عطا فرمانا۔"

بھلا عقل سلیم اس معاویہ کو مجتہد بنا کر ایک اجر کس طرح دلوا سکتی ہے جس نے امام المسلمین سے جنگ کی ہے۔ بیگناہ مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے اور اتنے جرائم انجام دیے ہیں جن کا شمار خدا کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا ہے — یہاں تک کہ اہل تاریخ کے درمیان یہ امر مشہور ہو گیا ہے کہ اپنے حریفوں کو قتل کرنا ہو تو انہیں زہر آلود شہد کھلا دو اور پھر یہ کہہ دو کہ خدا کے پاس شہد کے بھی لشکر ہیں۔"

آخر یہ لوگ معاویہ کو مجتہد قرار دیکر کس طرح ایک اجر کا حقدار بناتے ہیں جبکہ وہ باغی گروہ کا سرغنہ تھا اور تمام محدثین نے سرکار دو عالمؐ کی حدیث نقل کی ہے کہ "عمار کا قاتل ایک باغی گروہ ہوگا" اور انہیں معاویہ اور اس کے ساتھیوں ہی نے قتل کیا ہے۔ اس کے علاوہ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو انتہائی بیدردی کے ساتھ اس نے قتل کیا ہے اور انھیں شام کے ایک بیابان صحرا میں دفن کرا دیا ہے صرف اس جرم کہ انہوں نے علیؑ کو گالیاں دینے سے انکار کر دیا تھا — بھلا معاویہ کو کس منہ سے صحابی عادل کہا جاتا ہے جب کہ اس نے حسنؑ بن علیؑ کو زہر دیا ہے جس کو رسول اکرمؐ نے جوانان جنت کا سردار قرار دیا تھا۔

— اسے کس طرح پاکدامن قرار دیا جاتا ہے جب کہ اس نے جبر و استبداد کے

ذریعہ اپنے لئے اور پھر اپنے فاسق و فاجر شرابی بیٹے کے لئے بیعت لی ہے اور امت کے نظام شوریٰ کو قیصریت و شہنشاہیت میں تبدیل کر دیا ہے۔ (خلافت و ملوکیت مودودی۔ یوم الاسلام احمد امین)۔

اسے کس طرح مجتہد بنا کر ایک اجر کا حقدار قرار دیا جا رہا ہے جب کہ اس نے لوگوں کو علیؑ پر لعنت کرنے پر آمادہ کیا ہے اور آل رسولؐ کو برا بھلا کہا ہے اور جن اصحاب نے اس جرم سے انکار کیا ہے انھیں بھی قتل کر دیا ہے اور سب علیؑ کو ایک سنت جاریہ قرار دیدیا ہے جس پر بچے جوان ہو جائیں اور جوان بوڑھے ہو جائیں۔ فلاحول وَلاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

ہمارا یہ سوال پھر پلٹ کر سامنے آتا ہے کہ دونوں گروہوں میں کون سا گروہ حق پر تھا۔ اور کون باطل پر۔

علیؑ اور ان کے شیعہ ظالم اور باطل ہیں یا معاویہ اور اس کے پیروکار ـــــ اور دونوں صورتوں میں عدالت صحابہ کا قانون تو بہرحال باطل ہو جاتا ہے اور عدالت صحابہؓ کا عقیدہ ایک تناقض اور تضاد کا شکار ہو جاتا ہے جو عقل سلیم اور منطق صحیح سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا ہے۔

ان تمام موضوعات کی اتنی مثالیں ہیں جنھیں خدا کے علاوہ کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا ہے۔ میں تو تفصیلات میں جانا چاہوں اور تمام موضوعات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کروں تو بڑی بڑی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں لیکن میرا مقصد تو اختصار کے ساتھ چند مثالوں کا بیان کر دینا تھا۔ جو بحمداللہ میرے مقصد کی وضاحت اور اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں جن سے ان لوگوں کے خیالات کی تردید ہو جاتی ہے جنہوں نے میری فکر کو ایک مدت تک جامد بنائے رکھا اور میرے اوپر تمام نئے آفاق کے راستے بند کر دیئے کہ میں تاریخی واقعا

کا تجزیہ کرسکوں اور انھیں شرعی اور عقلی معیاروں پر پرکھ کر ان کے بارے میں فیصلہ کرسکوں۔ جن موازین اور مقائیس کا اشارہ قرآن مجید اور سنت شریف نے دیا ہے۔

اب میں اپنے نفس سے بغاوت کروں گا اور تعصب کے غبار کو جھاڑ کر تمام قید و بند سے آزاد ہو کر مسائل پر غور کروں گا —— وہ قید و بند جس میں مجھے محال سے زیادہ جکڑ کر رکھا گیا تھا۔ اور اب میری زبان حال آواز دے رہی ہے:

"کاش میری قوم اس امر سے باخبر ہوتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے بزرگ اور محترم افراد میں قرار دیا ہے۔ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میں نے اس دنیا کا انکشاف کرلیا ہے جس سے یہ سب بے خبر ہیں اور یہ بلا معرفت اس سے عناد و اختلاف سے کام لے رہے ہیں۔!

انقلاب کی ابتداء

میں تین مہینہ تک انتہائی حیرت اور کشمکش کے عالم میں زندگی گذارتا رہا۔ جہاں نیند میں بھی مختلف خیالات اور اوہام میرا دامن نظر کھینچتے رہے اور مجھے ان صحابہ سے شدت کا خوف تھا۔ جن کے حالات کے بارے میں میں تحقیق کر رہا تھا اور جن کی زندگی میں حیرت انگیز قسم کی کجروی کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ لیکن میری ساری زندگی کی تربیت مجھے اولیاء، خدا اور بندگان صالحین کی تقدیس اور احترام کی دعوت دے رہی تھی۔ جو اپنے حق میں بے ادبی کرنے والوں کو مرنے کے بعد بھی سخت سزا دے سکتے ہیں۔

خصوصیت کے ساتھ میں کتاب حیوٰۃ الحیوان دیری میں یہ واقعہ پڑھ چکا تھا کہ ایک قافلہ میں ایک شخص عمر بن الخطاب کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور لوگ اسے منع کر رہے تھے لیکن وہ باز نہیں آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پیشاب کرنے گیا تو ایک سانپ نے اسے ڈس لیا۔ اور اس کے بعد جب اس کا انتقال ہوا تو جہاں جہاں قبر کھودی گئی سانپ نکل آیا۔ یہاں تک کہ بعض عرفاء نے کہا کہ اگر تم ساری زمین بھی کھود ڈالو گے تو ایسے سانپ نکلتے رہیں گے کہ خدا عمر کی شان میں گستاخی کرنے والے کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سزا دینا چاہتا ہے۔

ان حالات میں ایسی خطرناک بحث میں داخل ہوتے ہوئے میں لرز رہا تھا۔ اور پھر اپنے مدرسہ میں یہ سبق بھی پڑھ چکا تھا کہ تمام خلفاء میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور ان کے بعد عمر فاروق ہیں جن کے ذریعہ خدا حق و باطل میں تفرقہ پیدا کرتا ہے۔ اور ان کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان ہیں

جن سے ملائکہ آسمان بھی شرماتے ہیں ۔۔۔ اور ان کے بعد حضرت علیؑ ہیں

پھر ان سب کے بعد عشرہ مبشرہ کے باقی چھ افراد ہیں ۔۔۔ اور ان کے بعد باقی صحابہ کرام ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ قرآنی ارشاد ہے کہ رسولوں کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی ہے ۔۔۔ اور سب کو ایک نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

اس بنیاد پر میں مسلسل خوفزدہ ہوتا رہا اور بار بار استغفار کر کے اپنے ارادۂ بحث کو ترک کرنے کے بارے میں سوچتا رہا جس سے صحابہ کے بارے میں یعنی اپنے دین کے بارے میں مشکوک ہو جانے کا خطرہ تھا ۔۔۔ لیکن اس مدت میں بعض علمائے گفتگو کرنے کے دوران ایسی متناقض باتیں سنتا رہا جنہیں عقل کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور وہ مسلسل اس امر سے ڈراتے رہے کہ اگر صحابہ کے حالات میں بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری رہا تو خدا نعمتوں کو سلب کر سکتا ہے اور ہلاک بھی کر سکتا ہے جس کی بنا پر میری علمی فضولیت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں منزل حقیقت تک پہونچنے کے لئے اپنا تحقیقی سفر جاری رکھوں اور اس خطرناک وادی کی سیر کرتا رہوں ۔۔۔ اس لئے کہ میں اپنے اندر ان سب کے خلاف ایک قوت پا رہا تھا۔ جو مجھے مسلسل ہمت دلا رہی تھی اور جسکی وجہ سے میں اپنی بحث کو جاری رکھے ہوئے تھا۔

ایک صاحب علم سے گفتگو

میں نے اپنے ایک عالم سے کہا کہ معاویہ نے اتنے بے گناہوں کو قتل کیا اور اتنی عورتوں کی بے حرمتی کی تو آپ حضرات کہتے ہیں کہ یہ اس کی خطائے اجتہادی ہے اور وہ ایک اجر کا مستحق ہے ۔۔۔ پھر یزید نے فرزند رسول کو قتل کیا اور مدینہ کی حرمت

کو اپنے لشکر کے لئے مباح کر دیا اور آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس کی خطاءِ اجتہادی ہے اور وہ ایک اجر کا حقدار ہے ـــــ یہاں تک کہ بعض حضرات نے تو حضرت حسین علیہ السلام کو اپنے نانا کی تلوار کا مقتول قرار دیا ہے کہ ان کا قتل بھی قوانین اسلام کے عین مطابق تھا ـــــ تو پھر میں کیوں نہ اجتہاد کروں ـ؟ چاہے اس کے نتیجہ میں صحابہ کی عظمت میں شبہات پیدا ہو جائیں اور ان کا اثر ختم ہو جائے ـــــ اس لئے کہ میرا جرم معاویہ کے اصحاب رسولؐ اور یزید کے فرزندان رسولؐ کے قتل سے بہر حال ہلکا ہوگا ـــــ تو میں بھی اگر صحیح راستہ پر آگیا تو دوہرے اجر کا مستحق ہوں گا۔ ورنہ ایک اجر تو بہر حال ملے گا۔ جب کہ میں صحابہ کو گالیاں بھی نہیں دیتا۔ اور انھیں برا بھلا بھی نہیں کہتا ہوں۔ صرف ان کی کمزوریوں کو واضح کر کے اس حقیقت تک پہونچنا چاہتا ہوں کہ تمام فرقوں میں نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے اور یہ میرا ایک فرض ہے جو تمام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے کہ حق کو تحقیق کے ساتھ تشخیص دیں ـــ اور خدا میرے باطن اور میرے ضمیر کے حالات سے بہتر طور پر باخبر ہے۔

ـــــ اس عالم نے جواب دیا کہ فرزند! اب اجتہاد ایک زمانہ ہوا بند ہو چکا ہے۔

ـــــ میں نے پوچھا کہ یہ کس نے بند کر دیا ہے؟

ـــــ انھوں نے فرمایا کہ ائمہ اربعہ نے!۔

ـــــ میں نے نہایت آزادی سے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے یا اس کے رسولؐ نے یا خلفائے راشدین نے نہیں بند کیا ہے جن کی اقتدا ہمارا فرض ہے اور جب ان حضرات نے نہیں بند کیا ہے تو جس طرح ائمہ اربعہ نے اجتہاد کیا ہے ہمیں بھی اجتہاد کرنے کا حق ہے۔

ـــــ انہوں نے فرمایا۔ اجتہاد کے لئے ۱۰ علوم میں مہارت درکار ہے جن میں علم تفسیر، لغت، نحو، صرف، بلاغت، حدیث اور تاریخ جیسے علوم شامل ہیں۔

ـــــ میں نے کہا کہ مجھے لوگوں کو احکام خدا و رسولؐ بتانے اور کسی مذہب کا امام بننے کیلئے اجتہاد نہیں کرنا ہے۔ میں تو صرف حق و باطل میں امتیاز کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے ۱۰ علوم کی مہارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لئے تو صرف حضرت علیؑ اور معاویہ کی زندگی کا مطالعہ کافی ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ دونوں میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔

ـــــ انہوں نے فرمایا کہ "یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ ایک قوم ہے جو گذر چکی ہے وہ اپنے اعمال کی خود ذمہ دار ہے۔ اور تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ تم سے ان کے اعمال کے بارے میں ہرگز سوال نہ کیا جائے گا۔"

ـــــ میں نے پوچھا کہ آیت میں آپ "تسئلون" کی ت زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں یا پیش کے ساتھ۔

ـــــ فرمایا پیش کے ساتھ۔

ـــــ میں نے عرض کی الحمدللہ ـــ اگر یہ لفظ زبر کے ساتھ ہوتا تو میں اپنی بحث کو ختم کر دیتا لیکن جب پیش کے ساتھ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہم سے ان کے اعمال کا محاسبہ نہیں کرے گا۔ اور "ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے"۔ "ہر انسان کا اتنا ہی حصہ ہے جتنی اس کی اپنی سعی اور کوشش ہے" ـــ لیکن قرآن مجید نے ہمیں گذشتہ امتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور خود فرعون، ہامان، نمرود اور قارون جیسے افراد اور انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ نہ اس لئے کہ اس سے تسکین حاصل کی جائے ـــ بلکہ اس لئے کہ حق و باطل میں امتیاز پیدا

ہو جائے۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ ہمارے لئے اس تحقیق کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تو آپ کے لئے نہ ہوگی لیکن میرے لئے ہے۔

—— اولاً تو اس لئے کہ میں ولی اللہ کو پہچان کر اس سے محبت کرنا چاہتا ہوں اور دشمن خدا کو پہچان کر اس سے نفرت کرنا چاہتا ہوں جس کا قرآن حکیم نے مطالبہ کیا ہے بلکہ اسے واجب بھی قرار دیا ہے۔

ثانیاً —— اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ پروردگار کی عبادت کے طریقے دریافت کروں اور ان فرائض پر عمل کروں جو اس نے ہمارے ذمہ عائد کئے ہیں۔ نہ اس طرح جس طرح مالک یا ابو حنیفہ یا دوسرے حضرات چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مالک نے نماز میں بسم اللہ کو مکروہ قرار دیا ہے اور ابو حنیفہ نے واجب —— اور دوسرے حضرات اس کے بغیر نماز کو باطل قرار دیتے ہیں جب کہ نماز ستون دین ہے کہ اگر وہ قبول ہو جائے تو سارے اعمال قبول ہیں ورنہ سارے اعمال رد کر دیئے جانے کے قابل ہیں!

ایسی حالت میں میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری نماز باطل ہو جائے۔

—— جس طرح کہ شیعہ وضو میں پیروں پر مسح کے قائل ہیں اور اہلسنت دھونے کے قائل ہیں —— اور قرآن مجید کا حکم ہے کہ اپنے سروں اور پیروں کا مسح کرو۔ اور یہ مسح کے بارے میں ایک صریحی حکم ہے تو ایک مسلمان کے لئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص کا قول قبول کرے اور دوسرے کے کلام کو رد کر دے اور اس سلسلہ میں کوئی تحقیق و تمحیص بھی نہ کرے۔

—— انہوں نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ ممکن ہے کہ جو قول پسند آئے لے اختیار کر لو کہ یہ سب ہی اسلامی مذاہب ہیں اور سب نے رسول اکرم صلے سے اپنا مذہب حاصل کیا ہے۔

ـــــــ میں نے عرض کی کہ مجھے خوف ہے کہ میں آیت کریمہ کا مصداق نہ بن جاؤں "کیا تم نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے اور خدا نے اسے علم کے باوجود گمراہی میں چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور خدا کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔ کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ہو"۔ (جاثیہ ۲۳)

میں یہ عقیدہ نہیں پیدا کر سکتا کہ تمام مذاہب حق پر ہیں جب کہ ایک مذہب ایک شے کو حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا حرام اور وقت واحد میں ایک ہی چیز حلال اور حرام نہیں ہو سکتی ہے اور نہ خدا و رسول ص کے احکام میں تضاد پیدا ہو سکتا ہے۔ رسول کا کلام وحی الٰہی کا نتیجہ ہے اور وحی کی علامت ہی یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا ہے ـــ "اگر قرآن غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلافات پائے جاتے"۔ (نساء ۸۲)

مذاہب اربعہ کا اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں ہیں۔ اور نہ ان کا کوئی تعلق رسول اکرم ص سے ہے کہ رسول اکرم ص قرآن کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکتے ہیں۔

ـــــــ عالم دین نے میرے کلام کی معقولیت اور اس کے منطقی انداز کو دیکھ کر فرمایا کہ میں تمہیں برائے خدا نصیحت کرتا ہوں کہ جس چیز میں چاہو شک کر دو ـــ خبردار خلفاء راشدین کے بارے میں شک نہ کرنا کہ یہ سب اسلام کے ستون ہیں۔ اگر ستون ہی منہدم ہو گیا تو ساری عمارت منہدم ہو جائے گی۔

ـــــــ میں نے عرض کی کہ حضور اگر یہی سب دین کے ستون ہیں تو رسول اکرم ص کی جگہ کہاں ہے اور ان کا اسلام سے کیا تعلق ہے۔

ـــــــ فرمایا! وہ بنیاد دین ہیں۔ اور اصل میں انہیں کا نام اسلام ہے۔

یہ سن کے مسکرا دیا اور میں نے استفسار کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اکرم بھی انہیں چار دوں حضرات کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے ہیں جب کہ رب العالمین کا ارشاد ہے کہ "اس خدا نے اپنے رسول کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے اور خدا گواہی کیلئے کافی ہے۔" (فتح ۲۸)

خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو رسالت کے ساتھ بھیجا اور چاروں سے کسی کو شریک رسالت نہیں بنایا بلکہ صاف صاف اعلان کر دیا کہ "جس طرح ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ تمہارے نفوس کو پاکیزہ بناتا ہے۔ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ سب کچھ بتاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔" (بقرہ ۱۵۱)

—— انہوں نے فرمایا کہ یہ باتیں ہم نے اپنے بزرگوں سے سیکھی ہیں۔ اور ہمارے دور میں بزرگوں سے بحث کرنے کا رواج نہیں تھا۔ جس طرح کہ تم لوگ اس دور میں بحث ومباحثہ کرتے ہو اور ہر چیز میں شک و شبہ پیدا کرتے ہو جو درحقیقت قرب قیامت کے علامات میں ہے۔ جیسا کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "قیامت بدترین افراد کے دور میں قائم ہوگی۔"

—— میں نے عرض کی حضور اس قدر دھمکی نہ دیں۔ میں نہ دین میں خود شک کرتا ہوں اور نہ شک پیدا کرتا ہوں۔ میرا ایمان خدائے وحدہٗ لاشریک اس کے ملائکہ اور اس کی کتب اور رسل سب پر ہے۔ میں سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ کو خدا کا بندہ اور اس کا رسول، افضل انبیاء ومرسلین اور خاتم النبیین مانتا ہوں۔ میں ایک مسلمان انسان ہوں۔ مجھے آپ تشکیک کا الزام نہ دیں۔

—— انہوں نے فرمایا میں اس سے بڑا الزام دیتا ہوں کہ تم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بارے میں شبہات پیدا کئے ہیں۔ جبکہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے

کہ " اگر ساری امت کا ایمان ابو بکر کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابو بکر کا پلہ بھاری رہے گا " اور حضرت عمر کے بارے میں فرمایا ہے کہ " میرے سامنے ساری امت کو پیش کیا گیا تو اس کا پیراہن سینے تک بھی نہیں پہونچا تھا اور عمر کو پیش کیا گیا تو ان کا پیراہن زمین پر خط دیتا جا رہا تھا " اور جب لوگوں نے اس کلام کی تاویل دریافت کی تو فرمایا کہ یہ دین کی تعبیر ہے " اور تم آج چودھویں صدی ہجری میں عدالت صحابہ میں شک کرتے ہو۔ اور حضرت ابو بکر و عمر کی عظمت میں شبہ کرتے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ اہل عراق اہل شقاق اور اہل کفر و نفاق ہیں۔

عزیزان محترم ـــــــ میں ایسے مدعی علم کے بارے میں کیا کہوں جو گناہوں کی اس قدر جرأت رکھتا ہو اور جدال احسن کے بجائے اس طرح کی افتراپردازی سے کام لیتا ہو۔ اور لوگوں کے سامنے ایسے پروپگنڈے کرتا ہو جس سے انکی آنکھیں سرخ ہو جائیں۔ گلے کی رگیں پھول جائیں اور چہرہ سے شر کے آثار نمایاں ہو جائیں۔

میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ میں فوراً گھر واپس آیا۔ اور میں نے امام مالک کی موطا اور امام بخاری کی صحیح اٹھائی اور لے کر ان بزرگوار کے پاس پہونچ گیا اور میں نے عرض کی کہ مجھے اس شک پر خود پیغمبر اسلامؐ نے آمادہ کیا ہے اور یہ کہہ کر میں نے موطا کھولی اور امام مالک کی یہ روایت نکالی کہ رسول اکرمؐ نے شہدائے احد کی طرف منھ کر کے فرمایا کہ یہ وہ افراد ہیں جنکے بارے میں میں گواہی دے رہا ہوں ـــــــ تو ابو بکر نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں کہ جس طرح یہ ایمان لے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئے ہیں۔ اور جس طرح انہوں نے جہاد کیا ہے ہم نے بھی جہاد کیا ہے تو آپؐ نے

فرمایا کہ یہ صحیح ہے لیکن یہ کیا معلوم کہ تم میرے بعد کیا کرنے والے ہو۔ یہ سنکر ابو بکر روئے اور بہت روئے اور کہا کہ " ہم آپ کے بعد رہنے والے ہیں " (موطا ۳۰۷، مغازی واقدی ص ۲)

اس کے بعد میں نے صحیح بخاری کھولی اور یہ روایت نکالی کہ حضرت عمر حفصہ کے پاس آئے جب کہ ان کے پاس اسماء بنت عمیس بھی تھیں اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حفصہ نے کہا اسماء بنت عمیس ہیں! تو عمر نے کہا کہ یہی حبشیہ ہے اور یہی بحریہ ہے: جس پر اسماء نے کہا کہ جی ہاں میں ہی ہوں! عمر نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے لہٰذا رسول اللہ کے بارے میں ہمارا حق زیادہ ہے!

اسماء کو یہ سُنکر غصہ آگیا اور انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں! تم رسول اللہ کے ساتھ تھے تو وہ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہلوں کو موعظہ فرماتے تھے۔ اور ہم ایک دور دراز سرزمین پر تھے لیکن خدا اور رسول کے حق میں تھے جب بھی کھانا کھاتے تھے یا پانی پیتے تھے تو پہلے خدا کے رسولؐ کو یاد کرتے تھے ۔ میں عنقریب تمہاری اس بات کو حضور سے نقل کروں گی اور خدا کی قسم کسی قسم کے جھوٹ یا غلط بیانی سے کام نہ لوں گی۔

اس کے بعد جب رسولؐ اکرم تشریف لائے تو اسماء نے کہا کہ عمر نے اس طرح کی باتیں کی ہیں ــــ

آپ نے فرمایا کہ تم نے کیا جواب دیا ہے؟

اسماء نے اپنا جواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ عمر کا تم لوگوں سے زیادہ حق نہیں ہے۔ انہوں نے ایک ہجرت کی ہے اور تم اہل سفینہ نے دو ہجرتیں کی ہیں۔

اسماء کا بیان ہے کہ اس کے بعد ابو موسیٰ اور اصحاب سفینہ میرے پاس نمائندے بھیجتے رہے کہ مجھ سے اس حدیث کی تفصیل دریافت کریں کہ ان کے حق میں حضور کی اس قدر

سے بڑی اور عظیم کوئی شے مسرت کے لئے نہیں تھی۔ (بخاری ص۷۰ "باب غزوہ خیبر")

——— ہمارے عالم دین اور ان کے حاضرین نے ان روایات کو پڑھا تو ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔ اور سب اس بات کے منتظر تھے کہ ہمارے شیخ صاحب کوئی جواب دینگے لیکن انہوں نے صرف ایک نگاہ حیرت اٹھائی اور فرمایا کہ" رب زدنی علماً "

میں نے عرض کی کہ اگر ابو بکر کے بارے میں رسول اکرمؐ کو شک تھا اور انہوں نے ان کے ایمان کی گواہی نہیں دی ہے کہ خدا جانے ان کے بعد کیا کرنے والے ہیں۔

——— اور اگر رسول اکرمؐ نے عمر بن خطاب کو اسماء بنت عمیس سے افضل نہیں قرار دیا ہے بلکہ ان کی فضیلت کا اعلان فرمایا ہے تو مجھے بھی حق ہے کہ میں شک کروں اور کسی کو اس وقت تک افضل نہ قرار دوں جب تک کہ مکمل تحقیق نہ ہو جائے ——— اور مجھے معلوم ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ان تمام حدیثوں سے ٹکرا رہی ہیں جن میں ابو بکر و عمر کے فضائل کا اعلان کیا گیا ہے اور ان سب روایتوں کو باطل قرار دے رہی ہیں اس لئے کہ یہ دونوں حدیثیں حقیقت سے زیادہ قریب تر اور احادیث فضائل و مناقب سے عقل و منطق سے قریب ہیں۔ میری اس بات پر تمام حاضرین بول اٹھے کہ یہ آپ نے کس طرح کہہ دیا ہے؟

میں نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے ابو بکر کے بارے میں کوئی گواہی نہیں دی ہے۔ اور یہ فرمایا ہے کہ خدا جانے یہ میرے بعد کیا بدعتیں ایجاد کرنے والے ہیں ——— تو یہ ایک انتہائی معقول بات ہے جس کی قرآن کریم اور تاریخ نے بھی تائید کی ہے اور جبھی بنا پر دہ رو بھی رہے تھے۔ اور انہوں نے دین میں تبدیلی بھی کی ہے اور جناب فاطمہؑ زہرا کو غضبناک بھی کیا ہے اور اپنی تبدیلیوں پر اس قدر شرمندہ بھی تھے کہ ان کی آرزو تھی کہ اے کاش میں انسان کے بجائے چڑیا ہوتا۔

رہ گئی رسول اکرمؐ کی طرف منسوب یہ روایت کہ" ابو بکر کا ایمان ساری

امت کے ایمان سے زیادہ وزنی ہے" ۔۔۔ تو یہ انتہائی مہمل اور غیر معقول بات ہے اور یہ ناممکن بات ہے کہ جس شخص نے چالیس سال بت پرستی میں گذارے ہوں اس کا ایمان ساری امت کے ایمان سے زیادہ وزنی ہو جائے۔ جب کہ امت میں اولیاء صالحین اور شہداء و صدیقین بھی ہیں۔ اور وہ ائمہ طاہرین بھی ہیں جنہوں نے تمام زندگی جہاد در راہ خدا میں گذاری ہے ۔۔۔ پھر اگر یہ روایت ایمان صحیح تھی تو خود ابوبکر نے اسے کیوں نظر انداز کر دیا جب کہ وہ یہ آرزو کر رہے تھے کہ اے کاش میں انسان نہ ہوتا ۔۔۔ اور اگر ان کا ایمان ساری امت سے بالاتر تھا تو جناب فاطمہؑ ان سے کس طرح ناراض ہوئیں کہ ہر نماز میں مسلسل ان کے حق میں بددعا کرتی رہیں۔

ہمارے عالم دین نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن بعض حاضرین نے یہ ضرور کہا کہ اس حدیث نے تو ہمارے دلوں میں بھی شک پیدا کر دیا ہے جسے سن کر عالم دین نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہی چاہتے تھے۔ اور بالآخر ان کے دلوں میں شک پیدا کر ہی دیا۔ جس پر ایک شخص بول پڑا کہ یہ بالکل صحیح کہتے ہیں اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے آج تک کوئی مکمل کتاب نہیں پڑھی ہے۔ اور ہمیشہ آپ حضرات کی اندھی تقلید میں پڑے رہے ہیں۔ آج یہ معلوم ہوا کہ اس حاجی نے بالکل صحیح بات کہی ہے ۔۔۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم خود پڑھیں اور تحقیق کریں۔ جس پر بعض حاضرین نے اتفاق رائے کا اظہار کیا۔ اور حق و حقیقت کی پہلی فتح کا اعلان ہو گیا ۔۔۔ یہ فتح کسی قہر و غلبہ کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ عقل و منطق اور حجت و برہان کا نتیجہ تھی اور اسی کے لئے قرآن مجید نے بار بار کہا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل اور برہان لے آؤ" ۔۔۔ اور اسی بات نے مجھے بحث و تمحیص پر آمادہ کیا تھا۔ اور اس کے دروازہ کو پاٹوں پاٹ کھول دیا تھا۔ میں نے نام خدا لیکر اس میدان میں قدم رکھا اور ملت رسولؐ کا اتباع کیا اور خدائے پاک سے توفیق و ہدایت کا امیدوار رہا کہ اس نے ہر تحقیق کرنے والے سے

ہدایت کا وعدہ کیا ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ہے۔

میری تلاش پوری دقت نظر کے ساتھ تین سال تک جاری رہی اور میں ہر مطالعہ کو بار بار دہراتا رہا اور ایک کتاب کو مکرر اول سے آخر تک پڑھتا رہا۔

میں نے امام شرف الدین الموسوی کی کتاب "مراجعات" پڑھی اور بار بار اس کا مطالعہ کیا۔ جس نے میرے سامنے نئے نئے دروازے کھول دیئے اور یہی بات میری ہدایت اور شرح صدر کا سبب بنی کہ میرا دل محبت اہلبیتؑ اطہار کے لئے کشادہ ہو گیا۔

میں نے شیخ امینی کی کتاب "الغدیر" کا مطالعہ کیا اور تین مرتبہ مطالعہ کیا کہ اس کتاب میں بڑے واضح اور پر مغز حقائق پائے جاتے ہیں پھر میں نے السید محمد باقر الصدر کی کتاب "فدک" اور شیخ محمد رضا المظفر کی کتاب "السقیفہ" کا مطالعہ کیا جس نے بہت سے پر اسرار معاملات کو واضح کیا ـــ پھر میں نے کتاب "النص والاجتہاد" کا مطالعہ کیا جس نے میرے یقین میں اور اضافہ کر دیا۔

پھر السید شرف الدین کی کتاب "ابو ہریرہ" اور شیخ محمود ابوریہ مصری کی "شیخ المضیرہ" پڑھی جس سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اکرمؐ کے بعد دین بدلنے والے صحابہ کی دو قسمیں تھیں۔ بعض نے قہر و غلبہ اور حکومت کے زور پر تبدیلی پیدا کی تھی اور بعض نے جھوٹی حدیثوں کو وضع کر کے یہ کاربار انجام دیا تھا۔

اس کے بعد میں نے جناب اسد حیدر کی کتاب "الامام الصادق والمذاہب الاربعہ" کا مطالعہ کیا اور مجھے اس امر کا اندازہ ہوا کہ وہبی علم میں اور دنیا کے اکتسابی علم میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اور وہ حکمت الٰہی کیا ہوتی ہے جو خدا اپنے مخصوص بندوں کو عنایت کرتا ہے۔ اور وہ علم واجتہاد بالرای کیا ہوتا ہے جو امت کو روح اسلام سے دور تر بنا دیتا ہے۔

ان کے بعد میں نے سید جعفر مرتضیٰ العاملی اور سید مرتضیٰ عسکری، السید الخوئی، السید الطباطبائی، الشیخ محمد امین زین الدین، فیروز آبادی، ابن ابی الحدید اور طہٰ حسین کی الفتنۃ الکبریٰ وغیرہ جیسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور کتب تواریخ میں تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر، تاریخ مسعودی، تاریخ یعقوبی وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس قدر مطالعہ کیا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ مذہب شیعہ بالکل برحق ہے اور میں نے اس مذہب کو اختیار کر لیا اور خدائے کریم کے فضل سے سفینۂ نجات آل محمدؐ پر سوار ہو گیا۔ اب میرا تمسک ایمان ہدایت الٰہی اور مودت آل محمدؐ سے ہے اور میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اہلبیتؑ ان اصحاب سے یقیناً افضل ہیں جن میں سے بعض الٹے پاؤں پرانے مذہب کی طرف پلٹ گئے تھے۔ اور چند ایک کے علاوہ کوئی نجات پانے والا نہیں ہے۔ ہمارے لئے وسیلۂ نجات صرف ائمہ اہلبیتؑ ہیں جن سے خدا نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور انہیں کمال طہارت کے درجہ پر فائز کیا ہے۔ ان کی محبت کو تمام انسانوں پر واجب کیا ہے اور اسی کو اجر رسالت قرار دیا ہے۔

اب شیعہ ہماری نگاہ میں وہ نہیں ہیں جو ہمارے بزرگوں نے بتائے تھے کہ یہ چند ایرانی مجوس تھے جن کی شان و شوکت کو جنگ قادسیہ میں حضرت عمر نے ختم کر دیا تھا۔ اور اسی لئے یہ لوگ حضرت عمر سے نفرت کرتے ہیں۔ اب تشیع نہ ایرانیوں سے متعلق ہے نہ عراقیوں کا۔ شیعہ ایران، عراق، حجاز، سعودیہ، لبنان، شام جیسے تمام عرب ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور پاکستان، ہندوستان، افریقہ، امریکہ جیسے دوسرے ممالک میں بھی۔ یہ نہ عرب سے تعلق رکھتے ہیں نہ عجم سے۔

اور اگر شیعہ صرف ایران ہی میں ہوتے تو ان کی دلیل اور بھی مستحکم ہوتی کہ یہ لوگ ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل ہیں اور وہ سب کے سب قریشی، بنی ہاشم اور ذریت رسول عربی سے تھے ——— تو اگر بات تعصب کی ہوتی اور عجم عرب کو

برداشت نہ کرتے تو یہ لوگ بارہ امام کے بھی قائل نہ ہوتے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال تھا اور سلمان فارسی کو اپنا امام بنا لیتے اس لئے کہ وہ جلیل القدر صحابی بھی تھے اور عجم بھی تھے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا ـــــ بلکہ اس کے برعکس اہلسنت نے بھی عجموں کو اپنا امام قرار دیا ہے اور ان کے بیشتر امام عجم ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام نسائی، ترمذی، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، رازی، غزالی، ابن سینا، فارابی جیسے تمام ائمہ فن سب عجم ہیں۔ اور عرب انہیں اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ تو اگر ایرانیوں کی نفرت حضرت عمر سے ان کے عرب ہونے اور عجم کی شان و شوکت کے پامال کر دینے کی بنا پر ہوتی تو شیعوں میں غیر عجم اور عربوں میں کوئی نہ ہوتا۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے اور شیعہ ہر قوم میں پائے جاتے ہیں ـــ اور ان لوگوں نے عمر بن الخطاب کو ان کے ان افعال اور کردار کی بنا پر مسترد کیا ہے کہ انہوں نے امیرالمومنین سید الوصیین حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کیا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں بے شمار فتنے اور مصائب پیدا کر دیئے ہیں۔ جس سے امت اسلامیہ پارہ پارہ ہو گئی ہے اور یہی وہ حقائق ہیں جن کا انکشاف ہو جانا ہی عداوت اور نفرت کے لئے کافی ہے۔ پہلے سے کسی عداوت اور نفرت کی ضرورت نہیں ہے۔

اور حقیقت امر یہ ہے کہ شیعہ عرب ہوں یا عجم ـــــ ان کا ایمان نصوص قرآنیہ اور ارشادات نبویہ پر ہے۔ اور انہوں نے امام الہدیٰ اور ان کی اولادِ طاہرین کا اتباع کیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو پسند نہیں کیا ہے اور بنی امیہ کی ترغیب و ترہیب کی سیاست سے بالاتر ہو کر حقائق کا فیصلہ کیا ہے جب کہ بنی امیہ اور بنی عباس نے سات صدیوں تک انہیں تلاش کر کر کے ان کا استیصال کیا ہے اور انہیں قتل و خون، آوارہ وطنی اور محرومی جیسی ہر مصیبت سے دوچار کیا ہے۔ ان کے عطایا پر پابندی عائد کی ہے۔ اور ان کے آثار کو محو کر دیا ہے۔

اور ان کے خلاف اتنا زبردست پروپیگنڈہ کیا ہے کہ جس سے عمومی نفرت پیدا ہو جائے۔ اور اس کا سلسلہ نسلوں میں باقی ہے اور شیعہ ان تمام مصائب کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے۔ انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور حق سے وابستہ رہے۔ نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال کیا اور نہ کسی ترغیب و ترہیب کے دباؤ میں آئے اور اسی صبر و استقامت اور ثبات قدم کی قیمت آج تک ادا کر رہے ہیں۔ اور میں اپنے تمام علماء کو چیلنج کرتا ہوں کہ ان کے کسی عالم کے ساتھ بیٹھ جائیں اور تھوڑی دیر گفتگو کر لیں اس کے بعد انشاءاللہ ہدایت لے کر ہی اٹھیں گے۔ اور ان کے طفیل میں راہ حق پر آجائیں گے۔

الحمدللہ کہ میں نے اپنے مذہب اور اپنے صحابہ کا بدل پا لیا ہے اور نعم البدل پا لیا ہے۔ یہ خدا کا کرم ہے کہ اس نے ہدایت دیدی ہے ورنہ اس کی ہدایت شامل حال نہ ہوتی۔ تو میں راہ حق پر نہیں آسکتا تھا۔

اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے فرقہ ناجیہ کا پتہ بتا دیا ہے جسے میں بڑے شوق سے تلاش کر رہا تھا اور اب میرے دل میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے کہ جس نے علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ سے تمسک اختیار کیا وہ ایمان ہدایت الٰہی سے متمسک ہو گیا۔ اور اس پر بے شمار نصوص نبویہ دلالت کرتی ہیں جن پر علماء اسلام کا اجماع ہے ـــــ اور عقل خود بھی بہترین دلیل اور رہنما ہے ہر اس شخص کے لئے جو بغور حرف حق سنے اور حاضر دماغ رہے۔

میری نظر میں علیؑ باجماع امت تمام صحابہ سے زیادہ صاحب علم و فضل اور شجاع و بہادر تھے۔ اور یہ بات بھی ان کی احقیت خلافت کے لئے کافی ہے۔ دوسرے دلائل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ارشاد رب العزت ہے "ان کے نبی نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ وہ کس طرح

سردار اور بادشاہ بنیں گے ان کے پاس تو مال دنیا نہیں ہے تو نبی نے جواب دیا انہیں اللہ نے چنا ہے اور علم و جسم کی وسعت عطا کی ہے اور وہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور علیم و دانا بھی ہے (البقرہ ۲۴۷)

اور رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں وہ میرے بعد تمام صاحبان ایمان کا ولی اور حاکم ہے۔ (صحیح ترمذی ۵ ص ۲۹۶، خصائص نسائی ص ۸۸، مستدرک حاکم ۳ ص ۱۱۰)

امام زمخشری نے اپنے اشعار میں اسی حقیقت کا اعلان کیا ہے۔

اختلاف اور شک بھی ہے بے حد — اور پھر سب کی راہ ہے سیدھی
میں تو توحید سے ہوں وابستہ — میرے محبوب ہیں نبیؐ و علیؑ
سگ اصحاب کہف تھا فائز — ایسے ہے فائز محب آل نبیؐ

بے شک میں نے پرانے رہنماؤں کا بدل پا لیا ہے۔ اور اب میں بحمد اللہ رسول اکرمؐ کے بعد امیر المومنین، سید الوصیین، قائد الغر المحجلین، اسد اللہ الغالب الامام علی بن ابی طالب اور سیدی شباب اہل الجنۃ ریحان مصطفیٰ امام ابو محمد الحسن الزکی اور امام ابو عبد اللہ الحسین اور بضعۃ الرسول، اخل اصر ا نبوت، ام الائمہ معدن الرسالہ، سیدۃ النساء فاطمہ زہراؑ کی اقتدا کرتا ہوں جن کے غضب سے خدا بھی غضبناک ہوتا ہے۔

میں نے امام مالک کے بدلے استاذ الائمہ اور معلم الامۃ حضرت جعفر صادقؑ کو پا لیا ہے۔ اور میرا تمسک ذریت امام حسین کے ۹۔ ائمہ سے ہے جو مسلمانوں کے امام اور خدائے پاک کے ولی ہیں۔

میں نے معاویہ، عمرو عاص، مغیرہ بن شعبہ، ابو ہریرہ، عکرمہ، کعب الاحبار جیسے دین جاہلیت کی پلٹ جانے والے اصحاب کے مقابلہ میں ان اصحاب کو پا لیا ہے

جنہوں نے عہد رسالت سے وفا کی ہے اور ہر حال میں شکر خدا ادا کیا ہے جیسے عمار بن یاسرؓ سلمان فارسی، ابو ذر غفاری، مقداد بن اسود، خزیمہ بن ثابت ذو الشہادتین، ابی بن کعب وغیرہ اور اس نیک ہدایت پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

میں نے اپنے علماء کرام جنہوں نے ہماری عقلوں کو جامد بنا دیا تھا، اور جنمیں کی اکثریت سلاطین وقت کی تابع اور حکام جور کی غلام تھی ان کے بدلے ان علماء شیعہ کو پالیا ہے جنہوں نے اجتہاد کے دروازے کو بند نہیں کیا ہے اور حکام وسلاطین کی چوکھٹ پر جبہ سائی نہیں کی ہے۔

بیشک میں نے متعصب اور تناقضات سے بھرے ہوئے محدود افکار کی جگہ ان افکار کو اختیار کیا ہے جو روشن آزاد اور دلیل وحجت وبرہان کے تابع ہیں ——— اور دور حاضر کی اصطلاح میں میں نے اپنے ذہن کو تیس سال کے اموی قسم کے کثیف خیالات سے عقیدہ طہارت معصومین کے ذریعہ دھو ڈالا ہے تاکہ آئندہ زندگی طہارتِ فکر اور پاکیزگی خیال کے ساتھ گذار سکوں۔

خدایا ہمیں اہلبیتؑ کے راستہ پر زندہ رکھنا اور انہیں کے طریقہ پر موت دینا۔ میدان حشر میں ہمارا حشر انہیں کے ساتھ ہو کیونکہ تیرے رسولؐ نے اعلان کیا ہے کہ انسان کا حشر اس کے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے؟

اس انقلاب عقیدہ کے ذریعہ میں اپنی اصل کی طرف واپس آگیا کہ میرے بزرگان خاندان کا بیان ہے کہ ہم لوگ شجرہ کے اعتبار سے سادات میں ہیں جو بنی عباس کے مظالم کی بناپر عراق سے بھاگ کر شمالی افریقہ آگئے تھے۔ اور پھر تیونس میں قیام کیا تھا جس کے آثار آج تک پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ شمالی افریقہ میں ایک بڑی آبادی اور ہے جسے اشراف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ،

سب نسل رسول اکرمؐ سے ہیں لیکن بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم کی وجہ سے حقیقت سے دور نکل گئے ہیں اور ان کے پاس عوامی اعزاز واحترام کے علاوہ سیادت وشرافت کا کوئی مظہر نہیں رہ گیا ہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے ہدایت دیدی ہے اور میری آنکھوں کو کھول دیا ہے۔ حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی ہے اور راہ حق میرے لئے مکمل طور پر روشن اور تابناک ہو گئی ہے۔

میرے تشیع کے اسباب

جن مختلف اسباب نے مجھے مذہب شیعہ کے اختیار کرنے کی دعوت دی اور مجھے اس منزل حقیقت تک پہونچایا ان کی داستان بہت طویل ہے اور ان کا احصار اس مختصر وقت میں ممکن نہیں ہے صرف چند بنیادی اسباب کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔

۱۔ نص خلافت:- میں نے اس بحث کے آغاز ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ میں انہیں بیانات پر اعتماد کروں گا جو فریقین کے درمیان متفق علیہ اور قابل اعتماد ہوں گے اور کسی ایک فرقہ کے منفرد بیان کو ہرگز قابل اعتنا نہیں قرار دونگا — اور اس بنیاد پر میں نے ابوبکر اور علی بن ابیطالب کے فضائل پر غور کرنا شروع کیا اور یہ طے کرنا شروع کیا کہ خلافت کے بارے میں حضرت علیؑ پر کوئی نص تھی یا یہ کام انتخاب اور شوریٰ کے ذریعہ انجام پانا چاہیے تھا؟

نظر خیال میں انسان بلا عوارض اور تعصبات سے الگ ہو کر صرف حقیقت پر نگاہ رکھے تو دیکھے گا کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب کے بارے میں واضح طور پر نص موجود ہے جیسے حضور اکرم کا یہ ارشاد کہ "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" — جسے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا اور جسکی مبارکباد تمام صحابہ نے پیش کی تھی جن میں ابوبکر اور عمر بھی شامل تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ " ابو طالب کے فرزند مبارک ہو آج سے آپ تمام مومنین و مومنات کے ولی ہو گئے" — (مسند احمد ۴ ص ۲۸۱، سر العالمین غزالی ص ۱۲، تذکرہ خواص الامۃ ص ۲۹، الریاض النضرۃ للطبری ۲ ص ۱۶۹، کنز العمال ۶ ص ۳۹۷، البدایۃ والنہایۃ ۵ ص ۲۱۳ تاریخ ابن عساکر ۲ ص ۵۰، تفسیر رازی ۳ ص ۶۳، الحاوی للفتاوی سیوطی ۱ ص ۱۱۲)

اس نص پر اہلسنت اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہے — یاد رہے کہ میں نے صرف اہلسنت کے مصادر کا ذکر کیا ہے اور باقی مصادر کا تذکرہ نہیں کیا ہے جو مذکورہ ماخذ و مصادر سے کہیں زیادہ ہیں اور جن کی تفصیلات کے لئے علامہ امینی کی کتاب الغدیر کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ جسکی تیرہ جلدیں چھپ چکی ہیں اور جس میں مصنف نے اہلسنت والجماعت کے طرق سے روایت کے تمام راویوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

رہ گیا وہ اجماع جس کا ادعا ابوبکر کی خلافت کے بارے میں کیا گیا ہے۔ اور جسکی بنیاد پر مسجد رسولؐ میں ان کی بیعت کی گئی تھی۔ تو وہ ایک دعویٰ بلا دلیل ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؑ، عباس اور تمام بنی ہاشم کے الگ رہنے کے باوجود اجماع کا ادعا کس طرح کیا جا سکتا ہے، پھر عام اصحاب میں سے بھی اسامہ بن زید، زبیر، سلمان فارسی، ابوذر غفاری مقداد بن اسود، عمار بن یاسر، حذیفہ بن یمان، خزیمہ بن ثابت، ابو بریدہ اسلمی، براء بن عازب، ابی بن کعب، سہل بن حنیف، سعد بن عبادہ، قیس بن سعد، ابوالہیثم

انصاری، جابر بن عبد اللہ، خالد بن سعید وغیرہ نے بھی شرکت نہیں کی اور ان شرکت نہ کرنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ (طبری، ابن اثیر، تاریخ الخلفاء، تاریخ الخمیس، استیعاب وغیرہ)

بندگان خدا! آپ بتائیں اس اجماع کی کیا حقیقت ہے جس میں اس قدر جلیل القدر اصحاب شریک نہ ہوں۔ چہ جائیکہ اگر تنہا علیؑ بن ابیطالب شریک نہ رہتے۔ تو بھی اجماع بے قیمت تھا کہ وہ تنہا خلافت کے امیدوار تھے اور اگر ان کے بارے میں نص رسولؐ نہ ہوتی تو ان کا ذکر بہر حال آنا چاہیے تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر کی بیعت کسی مشورہ کے بغیر بلکہ مسلمانوں کی غفلت کے عالم میں ہو گئی۔ جب کہ ارباب حل و عقد رسول اکرمؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ اور مدینہ کو اچانک وفات رسولؐ کے حادثے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اور پھر قہر و جبر کے ساتھ ان کے سر پر یہ بیعت مسلط کر دی گئی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ ا ص۱۸)

جس کا اندازہ بیت فاطمہؑ میں آگ لگا دینے کی دھمکی سے ہوتا ہے کہ اگر اس گھر میں رہنے والے بیعت ابوبکر کیلئے گھر سے باہر نہ آئے تو گھر میں آگ لگا دی جائے گی۔

ایسی حالت میں یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ابوبکر کی بیعت کسی رائے یا مشورہ یا اجماع کا نتیجہ تھی جب کہ خود عمر بن الخطاب کا بھی بیان ہے کہ ابوبکر کی بیعت ایک ناگہانی حادثہ تھی جس کے شر سے خدا نے مسلمانوں کو بچا لیا اور اب اگر کوئی ایسا اقدام کرے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یا دوسرے الفاظ میں کوئی ایسی بیعت کی دعوت دے گا تو اسکی بیعت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ (بخاری ۳ ص۱۳۷)

امام علیؑ نے اس بیعت کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا تھا کہ "خدا کی قسم ابن ابی قحافہ نے قمیص خلافت کو کھینچ تان کر پہن لیا جب کہ اسے معلوم تھا کہ میری جگہ اس خلافت میں وہ مرکزی جگہ ہے جو چکی میں درمیانی کیل کی جگہ۔ تیر ہے

کہ علم کا سیلاب میری ذات سے جاری ہوتا ہے اور فکر کا طائر میری بلندیوں تک پرواز نہیں کر سکتا ہے۔

اور سعد بن عبادہ کا بیان تھا کہ جنہوں نے ابوبکر اور عمر سے سقیفہ میں شدید اختلاف کیا اور پوری امکانی کوشش کی کہ خلافت ان لوگوں کے حصہ میں نہ جانے پائے لیکن مرض کی بنیاد پر باقاعدہ طور پر مقابلہ نہ کر سکے اور جب انصار نے ابوبکر کی بیعت کر لی تو فرمایا کہ خدا کی قسم میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا جبتک کہ میرے ترکش کے تمام تیر ختم نہ ہو جائیں اور میرا نیزہ خون سے رنگین نہ ہو جائے اور میری تلوار تمہارے مقابلے میں نہ اٹھ جائے میں اپنے عشیرہ اور قبیلہ کے سہارے تم سے جنگ کروں گا اور خدا کی قسم اگر تمہارے ساتھ انسان اور جنات سب مل جائیں تو بھی میں بیعت نہیں کروں گا یہاں تک کہ اپنے رب کی بارگاہ میں پہونچ جاؤں

اور اسی نظریہ کی بنا پر سعد ان کے ساتھ نماز اور دیگر اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے تھے اور اگر انہیں اعوان و انصار مل جاتے تو یقیناً مقابلہ کرتے اور اگر ایک شخص بھی ان کے ہاتھ پر جنگ کرنے کے لئے بیعت کر لیتا تو جہاد کرتے۔ لیکن مجبوراً خود بیعت سے الگ ہو گئے۔ اور شام میں عمر کے دور خلافت میں انتقال کیا۔ (تاریخ الخلفاء ۱۷۱)

اب جب کہ یہ بیعت ایک ناگہانی حادثہ تھی اور خدا نے مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا لیا ہے جیسا کہ خود حضرت عمر نے فرمایا تھا جنہوں نے بیعت کے ارکان کو مضبوط بنایا تھا۔ اور خود آپ حضرات نے بھی اس کا انجام دیکھ لیا ہے۔

اور حضرت علیؑ کے الفاظ میں یہ قمیص خلافت کی کھینچا تانی تھی۔

اور سعد بن عبادہ کی زبان میں یہ ایک صریحی ظلم تھا۔

اور اکابر صحابہ کے انکار اور علیحدگی کی بنا پر قطعاً غیر شرعی تھی۔

تو ابوبکر کی خلافت کی کیا سند رہ جاتی ہے اور اسے کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے ـــــ حقیقت امر یہ ہے کہ اس خلافت کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے اور یہ صرف ایک ہٹ دھرمی ہے اور کچھ نہیں ہے ـــــ اور اس بنیاد پر شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل صحیح ہے کہ خلیفہ بلا فصل حضرت علیؑ ہیں جنکی خلافت پر نص رسولؐ موجود ہے اور اسے تمام علماء اہلسنت نے نقل کیا ہے اور اس کی تاویل صرف عظمت صحابہ کے تحفظ کی بنا پر کی گئی ہے۔ ورنہ انصاف پسند انسان جانتا ہے کہ ان نصوص سے ٹکرانے کا کوئی جواز نہیں ہے اور تمام خصوصیات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ان کے نہ ماننے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ (السقیفہ والخلافۃ عبد الفتاح عبد المقصود، السقیفہ محمد رضا المظفر)

۲- ابوبکر کے ساتھ حضرت فاطمہ کا اختلاف:

اس موضوع کی صحت پر بھی فریقین کے علماء کا اتفاق ہے اور اسے دیکھنے کے بعد کوئی انصاف پسند ابوبکر کو ظالم اور غاصب نہ بھی قرار دے تو بھی عیب ماننے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس حادثہ کے تمام خصوصیات پر نظر کرنے والا اس امر کو بخوبی جان لیتا ہے کہ ابوبکر نے قصداً جناب فاطمہ کو اذیت دی ہے اور انکی تکذیب کی ہے تاکہ وہ نصوص غدیر وغیرہ سے اپنے شوہر کی خلافت پر استدلال نہ کرسکیں جس کے بے شمار قرائن موجود ہیں۔

جنمیں سے ایک قرینہ مورخین کا یہ بیان ہے کہ جناب فاطمہؑ راتوں کو انصار کے دروازے پر جا کر اپنے ابن عم کے واسطے بیعت اور نصرت کا تقاضا کرتی تھیں تو اہل مدینہ کا جواب صرف یہ تھا کہ بنت رسول! ہم ابوبکر کی بیعت کر چکے ہیں ورنہ آپ کے ابن عم ابوبکر سے پہلے آگئے ہوتے تو ہم انہیں کی بیعت کر لیتے ـــــ جس پر

آپ نے فرمایا کہ ابو الحسن نے جو کچھ کیا ہے انہیں وہی کرنا چاہیے تھا اور تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا حساب اللہ کی بارگاہ میں دینا ہوگا۔ (تاریخ الخلفا ابن قتیبہ ۱/۱۹، شرح نہج البلاغہ بیعت ابی بکر)

بیشک ابو بکر نے حسن نیت یا اشتباہ کی بنا پر غلطی کی ہوتی تو جناب فاطمہؑ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں لیکن آپ نے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کلام کرنے کو ترک کر دیا اور زندگی بھر بات نہیں کی کہ انہوں نے آپ کے دعویٰ کو رد کر دیا ہے اور آپ کی گواہی کو قبول نہیں کیا ہے اور اس بنیاد پر آپ کا غضب اتنا شدید ہو گیا کہ اپنے جنازہ میں بھی شرکت کی اجازت نہیں دی۔ اور اپنے شوہر کو وصیت کر دی کہ میرے جنازہ کو رات کی تاریکی میں خاموشی سے دفن کر دیا جائے۔

(بخاری ۳/۳۶، مسلم ۲/۲۲ باب لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

جناب فاطمہؑ کے رات کے وقت خاموشی سے دفن کرنے کی بات آگئی ہے تو یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ میں نے اپنی تحقیق کے دوران خود مدینہ منورہ کا سفر کیا ہے تاکہ بعض حقائق کا اندازہ کر سکوں تو مجھ پر حسب ذیل امور کا انکشاف ہوا ہے۔

۱۔ فاطمہ زہرا کی قبر آج تک نامعلوم ہے کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حجرہ پیغمبرؐ میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حجرہ کے سامنے اپنے گھر میں ہے اور بعض کا بیان ہے کہ بقیع میں اہلبیتؑ کی قبروں کے درمیان ہے لیکن اس کی کوئی جگہ معین نہیں ہے

اس پہلی حقیقت سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ جناب فاطمہؑ نے اپنی وصیت کے ذریعہ ہر نسل کو دعوت فکر دی ہے کہ لوگ ان اسباب کا پتہ لگائیں جنکی بنا پر انہوں نے اپنے شوہر کو وصیت کی تھی کہ انہیں راتوں رات دفن کر دیا جائے۔ اور کوئی شخص ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو ——— کہ اس طرح صحیح الفکر مسلمان حقیقت کا پتہ لگا سکتا ہے اور اس پر بہت سے راز منکشف ہو سکتے ہیں۔

۲ ـــ مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ عثمان بن عفان کی قبر کی زیارت کرنے والے کو کافی دور چلنا پڑتا ہے جہاں ان کی قبر بقیع کے آخر میں دیوار کے قریب ہے جب کہ تمام صحابہ ابتدائے بقیع میں دروازہ کے قریب دفن کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت مالک جو تابعین کے بھی تابع تھے ان کی قبر بھی ازواج پیغمبرؐ کی قبروں کے قریب ہے۔ جس سے مورخین کا یہ بیان ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کی قبر یہودیوں کے قبرستان حش کوکب میں ہے کہ مسلمانوں نے انہیں اپنے قبرستان میں دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ اور جب حکومت معاویہ کے ہاتھوں میں آئی تو اس نے یہودیوں سے یہ زمین خرید کر بقیع میں شامل کر دی تاکہ اپنے خاندان کے سربراہ کی قبر مسلمانوں کے قبرستان میں داخل ہو جائے ـــ جنت البقیع کی زیارت کرنے والا آج بھی اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

مجھے اس امر پر انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ کا انتقال رسولؐ اکرم کے بعد سب سے پہلے ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان بہت سے بہت چھ ماہ کا فاصلہ ہے تو ان کی قبر باپ کے پہلو میں کیوں نہیں ہے۔

اور اگر یہ اس بنیاد پر ہے کہ انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ میرے جنازہ کو خاموشی سے دفن کر دیا جائے تو ان کے فرزند امام حسنؑ کے جنازہ کو کیوں نہیں دفن کیا گیا ـــ کہ جب امام حسین دفن کرنے کے لئے لائے تو ام المومنین عائشہ خچر پر سوار ہو کر آگئیں اور نعرہ لگانا شروع کر دیا کہ میرے گھر میں اسے ہرگز دفن نہ کرو جسے میں پسند نہیں کرتی ہوں اور بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان جنگ وجدال کی نوبت آگئی کہ امام حسین نے فرمایا کہ میں جنازہ کو طواف قبر رسول کے لئے لایا ہوں ـــ اور یہ کہہ کر بقیع میں لیجا کر دفن کر دیا کہ امام حسن نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازہ پر خونریزی نہ ہونے پائے اور ابن عباس نے اس موقع پر ام المومنین کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ آپ اونٹ پر سوار ہو چکیں، خچر پر سوار ہو چکیں اور اگر کچھ دنوں اور رہ گئیں تو ہاتھی پر بھی سوار ہو گی۔ ـــ کما حضرات نے ... انوار ... ملکۃ نے

سارے مال پر قبضہ کر لیا۔

یہ ایک دوسری خوفناک حقیقت ہے جس کا انکشاف ابن عباس نے کیا ہے کہ آپ کا حصّہ آٹھویں حصّہ کا نواں حصّہ تھا اور آپ نے کل پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اگر آپ کے باپ کی روایت کو تسلیم کر لیا جائے کہ نبی کے یہاں میراث ہی نہیں ہوتی ہے تو آپ کا کوئی حصّہ نہیں تھا۔ کل اور جزو کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو کیا کوئی ایسی آیت بھی ہے جس میں زوجہ کا حصّہ ہے اور بیٹی کا حصّہ نہیں ہے ــــ یا یہ صرف سیاست ہے جس نے تمام اقدار کو بدل کر رکھ دیا ہے اور بیٹی کو تمام اموال سے محروم بنانے کے بعد زوجہ کو سارے اموال کا مالک اور وارث بنا دیا ہے۔

اس مقام پر ایک واقعہ کا بیان کر دینا ضروری ہے جسے بعض مورخین نے نقل کیا ہے اور اس کی اس موضوع سے مناسبت بھی ہے۔

ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں ناقل ہیں کہ عثمان کے دور خلافت میں حضرت عائشہ اور حفصہ ان کے پاس آئیں اور ان سے مطالبہ کیا کہ میراث رسولؐ سے ان کا حصہ دیدیا جائے ــــ تو عثمان سنبھل کر بیٹھ گئے اور انہوں نے کہا کہ تم دو کل ایک پیشاب سے طہارت کرنے والے کو لے آئیں اور اس بات کی گواہی دلوا دی کہ رسول کے یہاں میراث نہیں ہوتی ــــ تو اگر یہ بیان صحیح ہے تو اب کس چیز کا مطالبہ کرنے آئی ہو؟ اور اگر غلط ہے تو تم لوگوں نے فاطمہؑ کو ان کے حق سے کیوں محروم کیا ہے جس پر وہ غضبناک ہو کر چلی گئیں اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ "نعثل کو قتل کر دو کہ وہ کافر ہو گیا ہے"۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۶ ص ۲۲۰ - ۲۲۳)

۳۔ علیؑ ہی اتباع کے اہل ہیں:

مجھے آبا ؤ اجداد کے طریقہ کو چھوڑ کر تشیع کی دعوت دی ہے

ان میں سے ایک سبب ابوبکر اور علیؑ کے درمیان عقلی اور نقلی موازنہ بھی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں بھی اس طریقہ کو اختیار کیا کہ متفق علیہ حقائق پر اعتماد کیا جائے اور انفرادی بیانات کو نظرانداز کر دیا جائے۔

چنانچہ میں نے فریقین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور سوائے علی ابن ابیطالب کے کسی ذات پر کوئی اتفاق نہیں پایا۔ انہیں کی امامت پر فریقین نے اتفاق کیا ہے۔ جبکہ ابوبکر کی خلافت کے قائل صرف بعض مسلمین ہیں اور خود عمر نے اس خلافت کو ایک ناگہانی حادثہ قرار دیا ہے۔

جس طرح کہ علیؑ ابن ابیطالب کے اکثر فضائل و مناقب جن کا شیعہ حضرات تذکرہ کرتے ہیں، اہلسنت کی کتابوں میں موجود ہیں اور ایسے طرق کے ساتھ ہیں جن کا انکار ممکن نہیں ہے کہ ان کے راوی صحابہ کرام ہیں۔ اور اس کثرت کے ساتھ ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ "اصحاب رسول میں سے کسی کے لئے اتنے فضائل نقل نہیں کئے گئے ہیں جتنے فضائل حضرت علی بن ابیطالب کے لئے نقل کئے گئے ہیں ــــ" (مستدرک حاکم ۳ ص۱۰۷، مناقب خوارزمی ص۳، ۱۹، تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۶۸، صواعق محرقہ ص۷۲)

اور قاضی اسماعیل، نسائی، اور ابو علی نیشاپوری کا بیان ہے حسن اسناد کے ساتھ جس قدر روایات حضرت علیؑ کے بارے میں نقل ہوئی ہیں کسی دوسرے کے بارے میں نقل نہیں ہوئی ہیں۔" (الریاض النضرۃ طبری ۲ ص۲۸۲۔ صواعق محرقہ ص۷۲)

اس کے بعد اس نکتہ کو بھی نگاہ میں رکھا جائے کہ بنی امیہ نے شرق و غرب عالم کو مجبور کیا تھا کہ حضرت علیؑ پر لعنت کی جائے اور انہیں برا بھلا کہا جائے، ان کے فضائل نقل نہ کئے جائیں۔ اور کوئی شخص ان کے نام پر بھی نام رکھے

اور اس کے بعد ان کے فضائل اس قدر ہیں کہ امام شافعی کا ارشاد ہے کہ "مجھے اس شخص کے بارے میں انتہائی تعجب ہے کہ جس کے فضائل کو اس کے دشمنوں نے دشمنی کی بنا پر اور دوستوں نے تقیہ کی بنا پر چھپایا لیکن اس کے باوجود اس قدر ہیں کہ شرق وغرب عالم کو پُر کر دیا ہے۔"

اور اس کے مقابلہ میں ابوبکر کے فضائل کے روایات خود اہلسنت کی کتابوں میں بھی اس مقدار میں یقیناً نہیں ہیں اور جو روایات ہیں وہ یا تو ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ سے منقول ہیں جنکا موقف بالکل واضح ہے کہ وہ حضرت علی کی عداوت میں اپنے باپ کی ہر طرح تائید کرنا چاہتی تھیں چاہے اس کام کے لیے روایتیں ہی کیوں نہ وضع کرنا پڑیں ـــــــ یا عبداللہ بن عمر سے منقول ہیں جو امام علیؑ سے بالکل بیزار تھے۔ اور تمام امت کے بیعت کرلینے کے بعد بھی انہوں نے امام علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور یہ اعلان کرتے رہے کہ افضل الناس بعد النبی ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان اور پھر اس کے بعد کوئی افضلیت نہیں ہے۔ اور تمام لوگ برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (بخاری ۲ ص ۲۰۲)

یعنی اس بیان نے حضرت علی کو عوام الناس کے برابر بنا دیا۔ اور ان کی حیثیت ایک معمولی انسان سے زیادہ کچھ نہ رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ عبداللہ بن عمر کے اس بیان کی کیا حیثیت ہے۔ علماء امت کے ان بیانات کے مقابلہ میں جنمیں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت علی کے برابر کسی صحابی کے فضائل نقل نہیں کیے گئے ہیں ـــــ تو کیا عبداللہ بن عمر نے ان احادیث میں سے کوئی حدیث نہیں سُنی تھی؟ اور انہیں کسی بات کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ یقیناً ہوئی تھی لیکن خدا برا کرے سیاست دنیا کا کہ یہ حقائق کو بدل دیتی ہے اور اعجوبہ روزگار اعمال انجام دیا کرتی ہے۔

اس کے علاوہ ابو بکر کے فضائل عمرو بن العاص، ابو ہریرہ، عروہ اور عکرمہ نے بیان کئے ہیں۔ جو سب کے سب حضرت علیؑ کے دشمن اور ان سے مقابلہ کرنے والے تھے چاہے وہ اسلحہ لے کر میدان میں آجائیں یا دشمنوں کے حق میں روایات تیار کر دیں۔ امام احمد بن حنبل نے سچ کہا تھا کہ "حضرت علیؑ کے دشمن بے پناہ تھے۔ اور سب نے مل کر چاہا کہ ان کے کردار میں عیب تلاش کریں۔ لیکن جب نہ پیدا کر سکے تو ان کے حریفوں کے لئے فضائل و مناقب تیار کرنے لگے اور اس کا ایک انبار لگا دیا۔ (فتح الباری فی شرح البخاری، ۸۳، تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۹۹، صواعق محرقہ ص۱۲۵)

لیکن رب العالمین کا واضح اعلان ہے کہ "یہ لوگ اپنی مکاری کر رہے ہیں اور ہم اپنی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اب کافرین کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دو اور انہیں مہلت دیدو۔ (طارق آیت ۱۵، ۱۶، ۱۷)

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ رب العزت کا معجزہ ہے کہ ۶ سو برس کے مسلسل اموی اور عباسی مظالم کے باوجود امام علیؑ کے فضائل محفوظ رہ گئے اور کتابوں میں ان کے آثار باقی ہیں۔

ابو فراس حمدانی کے مطابق بنی عباس کے مظالم اہلبیت رسولؐ کے حق میں بنی امیہ سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ اور انہوں نے ان کے قتل عام اور ظلم و ستم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔

"بنی امیہ نے عظیم ترین جرائم کے باوجود ان حدود کو نہیں پایا جہاں بنی عباس کے مظالم تھے۔ بنی عباس! تم نے دین میں کس قدر غداری سے کام لیا ہے اور رسول اکرمؐ کا کتنا خون بہایا ہے۔ تم اپنے گوان کا پیر دیکھتے ہو اور تمہارے چنگل ان کی پاکیزہ اولاد

کے خون سے تر ہیں۔"

ان تمام تاریکیوں کے باوجود اگر ان پنجوں سے فضائل بچ کر نکل جائیں تو اسے خدا کی حجت بالغہ کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے اور خدا خود بھی نہیں چاہتا ہے کہ اس پر کسی کی حجت تمام ہو سکے۔

دوسری طرف ابوبکر تھے جو خلیفہ اول اور ان کے قوم میں اثرات تھے اموی حکومتوں نے ان کے حق میں روایتیں گڑھنے والوں کے لئے انعامات مقرر کئے تھے۔ ان کے جعلی فضائل سے کتابوں کے صفحات سیاہ کئے گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے کل فضائل امام علیؑ کے فضائل و مناقب کے عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔

اور جو فضائل بھی ہیں اگر ان کا تجزیہ کیا جائے اور تاریخ کے حقائق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان میں ایسے امور تذکرہ پایا جاتا ہے جو عقل اور شرع کسی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر یہ روایت کہ "اگر ابوبکر کے ایمان کو ساری امت کے ایمان سے تولا جائے تو ابوبکر کا پلہ بھاری رہے گا" قطعاً ناقابل اعتبار ہے اس لئے کہ اگر رسول اکرمؐ کو ایسے عظیم ایمان کا علم ہوتا، تو ہرگز اسامہ کو ان کا سردار نہ بناتے، اور ان کے بارے میں شہادت دینے سے گریز نہ فرماتے، اور یہ نہ فرماتے کہ خدا جانے تم لوگ میرے بعد کیا کرنے والے ہو۔ یہاں تک کہ ابوبکر زار و قطار رونے لگے اور حضورؐ نے تسلی بھی نہ دی۔ (موطا امام مالک ۱ ص۳۰۷، مغازی واقدی ص۳۱۰)

اور پھر سورہ برائت کو دینے کے بعد حضرت علیؑ کو بھیج کر ان سے واپس نہ لیتے اور انھیں تبلیغ برائت سے منع نہ فرماتے۔ (ترمذی ۴ ص۳۳۹، مسند احمد بن حنبل ۲ ص۳۱۹، مستدرک حاکم ۳ ص۵۱)

اور روز خیبر یہ اعلان کرنے کے بعد کہ "کل اُسے علم دوں گا جو مرد میدان

خدا و رسول کا محب و محبوب اور کرار غیر فرار ہوگا اور خدا نے اس کے دل کا امتحان لے لیا ہوگا، یہ علم لشکر حضرت علی کے حوالے نہ کر دیتے اور ابوبکر ہی کو دیدیتے۔ (صحیح مسلم باب فضائل علی بن ابیطالبؑ)

اور اگر آپ کو اس وسیع و عظیم ایمان کا علم ہوتا تو ہرگز اس بات کی تہدید نہ فرماتے کہ اگر تم نے رسول کی آواز پر آواز کو بلند کر دیا تو تمہارے سارے اعمال برباد کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری ۴ ص ۱۸۴)

اور اگر حضرت علیؑ یا دیگر اصحابؓ کو اس بلند ترین ایمان کی خبر ہوتی تو ہرگز ان کے بیعت سے انکار نہ کرتے ——— ؟

اور اگر حضرت فاطمہ زہراؑ کو اس ایمان کا علم ہوتا تو ان سے ناراض نہ ہوتیں۔ اور ان سے تاحیات ترک کلام کا عہد نہ کر لیتیں اور ان کے سلام کا جواب دیدیتیں۔ اور ہر نماز کے بعد ان کے حق میں بد دعا نہ کرتیں۔ (الامامۃ والسیاستہ ۱۴۱، رسائل جاحظ ص ۳۰۱، اعلام النساء ۳ ص ۱۲۵) اور انہیں اپنے جنازہ میں شرکت سے منع نہ کرتیں۔

اور اگر خود ابوبکر کو بھی اس ایمان کا علم ہوتا تو اس امر پر افسوس نہ کرتے کہ کاش میں نے خانۂ زہراؑ پر حملہ نہ کیا ہوتا ——— اور کاش میں نے فجاۃ السلمی کو جلا نہ دیا ہوتا ——— اور کاش میں نے خلافت کو عمر یا ابو عبیدہ کے حوالہ کر دیا ہوتا۔ (طبری ۴ ص ۵۲، الامامۃ والسیاستہ ۱۸، تاریخ مسعودی ۲ ص ۴۱۴)

اس لئے کہ جس کے پاس ایسا عظیم ایمان ہوتا ہے وہ زندگی کے آخری لمحات میں اس طرح کی ندامت یا شرمندگی یا پشیمانی کا اظہار نہیں کرتا ہے۔ اور نہ یہ آرزو کرتا ہے کہ اے کاش میں انسان نہ ہوتا جانور کا بال یا اونٹ کی مینگنی ہو جاتا۔ کیا ایسے انسان کا ایمان بھی ساری امت کے ایمان کے برابر

یا اس سے افضل ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد ہم دوسری حدیث "اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا" کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس کا بھی یہی حال نظر آتا ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو ابوبکر مواخات صغریٰ کے دن کہاں تھے۔ اور مواخات کبریٰ کے موقعہ مدینہ میں کہاں چلے گئے تھے کہ رسول اکرمؐ نے انہیں کو اپنا بھائی نہ قرار دیا اور علیؑ کو دنیا و آخرت کے لئے اپنا بھائی قرار دیدیا۔

میں اس موضوع کو طول نہیں دینا چاہتا ہوں کہ میرے لئے یہی دو مثالیں کافی ہیں ورنہ شیعوں کے پاس تو کوئی روایت بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور ان کے پاس بے شمار دلائل ہیں کہ فضائل ابوبکر کی تمام روایتیں خود ابوبکر کے دور کے بعد تیار کی گئی ہیں۔ اور ان کی زندگی میں ان فضائل کا دور تک پتہ نہیں تھا۔

فضائل کے بعد اگر نقائص اور معائب کا موازنہ کیا جائے تو وہاں بھی فریقین کی تمام کتابوں میں ملا کر بھی حضرت علیؑ کی ایک برائی نظر نہ آئے گی جبکہ اس کے برخلاف صحاح و تواریخ و سیر میں ابوبکر کی متعدد برائیوں و کمزوریوں کا تذکرہ موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین کا اجماع حضرت علیؑ کی فضیلت اور امامت پر ہے ابوبکر کی فضیلت و خلافت پر نہیں۔ پھر حضرت علیؑ کے علاوہ کسی کی باقاعدہ بیعت بھی نہیں ہوئی ہے۔ وہ حضرت علی ہی تھے جو مسلسل انکار کر رہے تھے اور مہاجرین و انصار بیعت کرنے کے لئے بے چین تھے اور جو اس صف سے الگ تھے انہیں مجبور بھی نہیں کیا گیا جب کہ اس کے برعکس ابوبکر کی بیعت ایک ناگہانی حادثہ تھی جس کے شر سے بقول عمر خدا نے امت اسلامیہ کو بچا لیا تھا اور خود عمر کی خلافت بھی ابوبکر کی نامزدگی پر طے ہوئی تھی۔ عثمان کی خلافت تو صرف ایک تاریخی مذاق ہے جس میں

عمر نے چھ آدمیوں کو نامزد کیا تھا اور پھر یہ ترتیب قرار دی تھی اگر چار متفق ہو جائیں تو دو اختلاف کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور اگر تین تین کے گروہ بن جائیں تو اس کو خلیفہ بنایا جائے جس کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف ہو اور اگر وقت مقررہ کے اندر فیصلہ نہ ہو سکے تو سب کو قتل کر دیا جائے ـــــ

یہ داستان انتہائی دلچسپ اور عجیب و غریب ہے لیکن اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے علیؑ کے سامنے یہ شرط رکھی کہ کتاب خدا اور سنتِ رسولؐ کے ساتھ سیرت شیخین پر عمل کریں اور آپ نے انکار کر دیا تو عثمان نے قبول کر لیا اور عثمان کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ اور حضرت علیؑ اس مجمع سے باہر نکل گئے کہ آپ کو اس ترتیب کا انجام معلوم تھا۔ جس کا تذکرہ آپ نے اپنے خطبہ شقشقیہ میں واضح انداز سے کیا ہے۔

حضرت علیؑ کے بعد اس خلافت پر معاویہ نے قبضہ کر لیا اور اس نے خلافت اسلامی کو قیصریت میں تبدیل کر دیا۔ جہاں بنی امیہ اور بنی عباس نسلاً بعد نسل حکومت کرتے رہے اور ہر خلیفہ اپنے پیشرو کی نص، تلوار اور اسلحہ کے زور پر خلافت حاصل کرتا رہا۔ نہ بیعت کی کوئی قیمت رہ گئی اور نہ رائے کی ـــ جس کا واضح سا مطلب یہ ہے کہ پوری تاریخ اسلام میں خلفاء کے عہد سے کمال اتاترک کے دور تک کسی ایک خلیفہ کی صحیح طور پر بیعت نہیں ہوئی ہے ـــ یہ امتیاز اگر حاصل ہوا ہے تو صرف امام علیؑ کو جنہوں نے تمام فریقوں کی طرف سے اختیاری بیعت حاصل کی ہے اور کسی پر کسی طرح کا جبر نہیں کیا ہے۔

۴۔ حضرت علیؑ کے بارے میں احادیث :-

جن روایات و احادیث نے مجھے اس بات پر مجبور کیا ہے کہ میں امام علیؑ کی

اقتدار کروں اور جنہیں اصحاب صحاح و مسانید اہلسنت نے بھی نقل کیا ہے وہ حسب ذیل احادیث ہیں ـــ علمائے شیعہ کے یہاں تو یہ ذخیرہ بہت عظیم ہے۔ لیکن میں نے شروع سے یہ طے کر لیا ہے کہ صرف متفق علیہ مواد پر اتفاق کروں گا اور منفردات کو نظر انداز کر دوں گا۔

۱۔ حدیث " انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا " ـــ مستدرک حاکم ۳ ۱۲۴، تاریخ ابن کثیر ۷ ۳۵۸، مناقب احمد بن حنبل)

یہ حدیث تن تنہا اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام میں اتباع کے قابل امام علی بن ابیطالبؑ کی ذات گرامی ہے اسلئے کہ اسلام میں عالم ہی قابل اتباع ہوتا ہے اور جاہل قابل اتباع نہیں ہوتا ہے چنانچہ ارشاد جناب احدیت ہے "کیا جاہل اور عالم برابر ہو سکتے ہیں" (زمر ۹) ـــ "کیا جو شخص ہدایت کرتا ہے وہ زیادہ حقدار اتباع ہے یا جو خود بھی ہدایت کا محتاج ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم لوگ کس طرح کے فیصلے کرتے ہو" (یونس ۳۵) ـــ اور واضح سی بات ہے کہ ہدایت کرنے والا عالم ہوتا ہے اور ہدایت کا محتاج جاہل ہوتا ہے۔

خود تاریخ اسلام نے بھی صریح لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ علیؑ بن ابی طالب تمام صحابہ میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے اور تمام صحابہ اہم ترین مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ جب کہ خود انہوں نے کسی مسئلہ میں کسی ایک شخص کی طرف بھی رجوع نہیں کیا۔

امام علیؑ کے بارے میں خود ابو بکر کا یہ اعتراف تھا کہ "خدا اس مشکل کے لئے باقی نہ رکھے جس کے حل کرنے کے لئے ابو الحسن نہ ہوں" اور عمر کا مشہور مقولہ تھا۔ "اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا" (استیعاب ۳ ۳۹، مناقب خوارزمی صـ ۴۸، الریاض النضرۃ ۲ ۱۹۴)۔

ابن عباس کا کھلا ہوا اعلان تھا کہ "میرا اور تمام اصحاب محمدؐ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ" (الریاض النضرۃ ۲ ص ۱۹۴)

خود امام علیؑ نے بھی اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ "جو چاہو دریافت کر لو کہ میں قیامت تک کے تمام واقعات سے باخبر کر سکتا ہوں۔ مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں دریافت کرو میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے کہ دن میں۔ صحرا میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر" (الریاض النضرۃ ۲ ص ۱۸۹، تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۲۴، اتقان ۲ ص ۳۱۹، فتح الباری ۸ ص ۴۸۵، تہذیب التہذیب ۷ ص ۳۳۸)

جب کہ ابو بکر سے "ابا" کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر کون سا آسمان سایہ کرے گا اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی اگر میں کتاب خدا کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں ہے"

اور عمر نے واضح لفظوں میں اعلان کر دیا تھا کہ "تمام لوگ عمر سے زیادہ دینیات سے باخبر ہیں یہاں تک کہ گھروں میں رہنے والی عورتیں"۔ اور جب ان سے کتاب اللہ کے بارے میں کوئی سوال کیا جاتا تھا تو اولاً تو جھڑک دیتے تھے اور اس کے بعد سائل کی اس طرح مرمت کرتے تھے کہ لہولہان ہو جاتا تھا۔ اور فرماتے تھے کہ ایسی باتوں کے بارے میں مت پوچھو جو تمہیں معلوم ہو جائیں تو بری معلوم ہوں" (سنن دارمی ۱ ص ۵۴، تفسیر ابن کثیر ۴ ص ۲۳۲، درمنثور ۶ ص ۱۱۱)

اور بقول تفسیر طبری ان سے "کلالہ" کے معنی پوچھے گئے تو فرمایا کہ اگر مجھے اس کے معنی معلوم ہو جائیں تو میرے لئے شام کے محلات سے زیادہ عزیز ہوں گے ——

اور ابن ماجہ نے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے" تین باتیں رسول اکرمؐ نے بیان کر دی ہوتیں تو میری نگاہ میں دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہوتیں۔ کلالہ، ربا، خلافت"

استغفراللہ ۔میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا ہوں کہ رسول اکرم نے اتنے اہم مسائل کو بیان نہیں کیا۔ اور اسی طرح دنیا سے چلے گئے۔

(ب) حدیث :۔"یا علی انت بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔"

اس حدیث کا انداز بھی واضح کر رہا ہے کہ امیر المومنین کو پیغمبر اسلام سے وہ خصوصیت اور ارتباط حاصل ہے جو کسی کو حاصل نہیں ہے اور آپ اس طرح حضرت کے وصی، وزیر اور خلیفہ ہیں۔ جس طرح ہارون حضرت موسیٰ کے وصی وزیر اور خلیفہ تھے۔ جب وہ کوہ طور پر مناجات کے لیے تشریف لے گئے تھے ـــــ اور حضرت علیؑ کو وہی منزلت حاصل ہے جو حضرت ہارون کو حاصل تھی۔ صرف آپ کے لئے نبوت نہیں ہے کہ نبوت رسول اکرمؐ پر تمام ہو گئی ہے ـــــ اور آپ تمام صحابہ سے افضل و برتر ہیں کہ آپ سے بالاتر صاحب رسالت کے علاوہ کوئی نہیں ہے!

(ت) حدیث "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ"۔

یہ حدیث تنہا بھی ان تمام خیالات کی تردید کیلئے کافی ہے جنمیں ابوبکر و عمر و عثمان کو حضرت علی پر مقدم کیا گیا ہے اور آپکی ولایت کا احترام نہیں کیا گیا ہے۔ مولیٰ کی تفسیر میں محب اور ناصر کے معنی پیدا کرنا اس مفہوم سے انحراف ہے جس کے لئے رسول اکرم نے یہ اعلان فرمایا تھا ـــ اور اس کا منشاء عزت اصحاب کے تحفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے غدیر کے میدان میں شدید ترین گرمی کے ماحول میں خطبہ ارشاد فرمایا تھا تو قوم سے یہ سوال کیا تھا کہ تم لوگ اس بات پر گواہ نہیں ہو کہ میں تمام مومنین سے ان کے نفوس کے مقابلے میں زیادہ اولیٰ ہوں اور جب سب نے اقرار کر لیا تھا تو فرمایا تھا۔"جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے۔" ـــ جو خلافت کے بارے میں ایک نص صریح ہے اور جس کا انکار کسی صاحب عقل اور انصاف پسند

کے لئے ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اس مولائیت اور حاکمیت کے انکار میں رسول اکرمؐ کا استخفاف اور ان کی حکمت کا استہزاء ہے کہ انہوں نے اس ناقابل برداشت گرمی میں سارے اصحاب کے مجمع کو روک کر ایسا اعلان کیا ہے جسے ہر انسان جانتا تھا کہ علیؑ صاحبان ایمان کے دوست اور مددگار ہیں۔

درحقیقت یہ تاویل صحابہ کی عزت کے تحفظ کے لئے کی گئی ہے جب کہ عزت رسول کا تحفظ عزت صحابہ کے تحفظ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

پھر اگر مسئلہ محبت اور نصرت ہی کا ہے تو اس اجتماع کی کیا تاویل کی جائے گی جس میں سرکار دو عالم نے علی کی بیعت کا اہتمام کیا تھا اور سب سے پہلے امہات المومنین نے بیعت کی تھی۔ اس کے بعد ابوبکر و عمر نے کہا تھا کہ "ابو طالب کے فرزند مبارک ہو آپ تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے"۔

حقیقت یہ ہے کہ تاویل کرنے والے غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ اور اپنے ذاتی بیانات کو خدا و رسولؐ کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ جب کہ قرآن مجید نے صاف کہدیا ہے کہ "ایک فریق حق کو چھپا رہا ہے جبکہ وہ حق کی حقانیت سے خوب باخبر ہے۔" (بقرہ ۱۴۶)

ث ـ "علی منی وانا من علیؑ ولا یودی عنی الا انا و علیؑ"۔
(سنن ابن ماجہ ۱/۴۴، خصائص نسائی صفحہ ۲۰، ترمذی ۵/۳۰۰)

یہ حدیث شریف بھی واضح اعلان ہے کہ علی بن ابی طالب ہی وہ تنہا شخص ہیں جنہیں صاحب رسالت نے اپنا پیغام پہونچانے کے لئے منتخب کیا تھا۔ اور یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب سورۂ برائت کی تبلیغ کے لئے حضرت علی کو بھیجا اور ابوبکر کو معزول کر دیا۔ اور انہوں نے واپس آکر دریافت کیا کہ کیا میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس امر کی تبلیغ یا میں

کردوں گا یا علیؑ"۔

اور یہ ارشاد بالکل اسی ارشاد کے ہم پلہ ہے جو آپ نے دوسرے مقام پر علیؑ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "یا علیؑ تم میری امت کے تمام اختلافات میں حقیقت کے بیان کرنے والے ہو۔ تاریخ دمشق ابن عساکر ۲ صـ۴۸۸، کنوز الحقائق مناوی صـ۲۰۳، کنز العمال ۵ صـ۳۳)۔

اور جب رسول اکرمؐ کے پیغام کی تبلیغ کرنے والا علیؑ کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور وہی ہر اختلاف کی حقیقت بیان کرنے والے ہیں تو ان پر ایسے افراد کو کس طرح مقدم کر دیا جائے گا جو ابا اور کلالہ کے معنی سے بھی بے خبر ہوں۔

یہ تو وہ مصیبت ہے جس میں ساری امت کو مبتلا کر دیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں امت اس فریضہ کو ادا نہ کر سکی جسے خدا نے اس کے حوالے کیا تھا بیشک خدا کی حجت ان لوگوں پر تمام ہے جنھوں نے حقائق کو مسخ کیا ہے اور واقعات کو بدل ڈالا ہے۔ ارشاد جناب احدیت ہے "جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حکم خدا اور رسولؐ کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ چاہے ان کے باپ دادا بالکل جاہل رہے ہوں اور بالکل ہدایت یافتہ نہ ہوں"۔ (مائدہ ۱۰۴)

ج:۔ حدیث: "الدار یوم الانذار"

دعوت روز عشیرہ میں رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ "یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے لہٰذا اس کی بات سنو اور اس کے امر کی اطاعت کرو۔ (طبری ۲ صـ۳۱۹، ابن اثیر ۲ صـ۶۲، السیرۃ الحلبیہ ۱ صـ۳۱۱، شواہد التنزیل حسکانی ۱ صـ۳۷۱، کنز العمال ۱۵ صـ۱۵، تاریخ ابن عساکر ۱ صـ۸۵، تفسیر خازن علاء الدین الشافعی ۳ صـ۳۷۱)

یہ حدیث شریف ان صحیح احادیث میں سے ہے جسے ابتداء بعثت کے حالات میں تمام مورخین نے نقل کیا ہے اور اسے پیغمبرؐ کے معجزات میں شمار کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ سیاست دنیا نے حقائق کو تبدیل کر دیا اور واقعات کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے بلکہ آج روشنی کے دور میں بھی یہ کاروبار برابر ہو رہا ہے جو کل جہالت اور تاریکی کے دور میں ہو رہا تھا۔ یہ حضرت محمد حسین ہیکل ہیں ــــــ جنہوں نے حیات محمدؐ کے پہلے ایڈیشن میں ۱۳۵۴ھ میں ص۱۰۴ پر اس حدیث کو مکمل انداز سے نقل کیا تھا۔ اور پھر دوسرے ایڈیشن میں "وصی و خلیفتی من بعدی" کے لفظ کو حذف کر دیا ــــــ جس طرح کہ تفسیر طبری کے جلد ۱۹ ۱۲۱ پر "وصی و خلیفتی" کے لفظ کو اخی وکذا وکذا کر دیا گیا۔ اور یہ بھلا دیا گیا کہ طبری کی تاریخ کے ۲ ۳۱۹ پر مکمل حدیث موجود ہے اور تفسیر میں تحریف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

افسوس کہ یہ علماء اسلام کس طرح کلمات کو ان کی جگہ سے تحریف کر رہے ہیں۔ اور حقائق کو منقلب کر رہے ہیں اور ان کا منشاء صرف یہ ہے کہ کسی طرح نور خدا کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ جبکہ انہیں یہ معلوم ہے کہ خدا اپنے نور کو بہر حال مکمل کرنے والا ہے۔

میں نے اپنی تحقیق کے دوران یہ چاہا کہ مجھے حیات محمد کا پہلا ایڈیشن مل جائے اور میں حقیقت حال پر مطلع ہو جاؤں اور اس کے لئے مجھے بے حد زحمت کرنا پڑی اور کافی رقم خرچ کرنا پڑی لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھے کتاب مل گئی اور میں اہل ہوئی کی کوششوں سے باخبر ہو گیا جو وہ حقائق کو مسخ کرنے کے لئے صرف کر رہے ہیں۔

بیشک کوئی بھی صاحب عقل و انصاف ان شرارتوں سے باخبر ہو گا

تو ایسے اہل علم سے دور ہو جائے گا اور اسے اندازہ ہو جائے گا کہ اُن کے پاس تحریف و ترمیم کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے اور حکام وقت نے ایسے افراد کو کرایہ پر حاصل کرنے کے لئے بے تحاشہ پیسہ بھی خرچ کیا ہے اور بڑے بڑے القاب و خطابات سے بھی نوازا ہے تاکہ یہ لوگ شیعوں کے خلاف مقالے لکھیں۔ انہیں کافر قرار دیں اور ہر باطل طریقہ سے ان صحابہ کی عظمت کا تحفظ کریں جو الٹے پاؤں اپنے پرانے مذہب کی طرف پلٹ گئے تھے۔ اور جنہوں نے رسول اکرمؐ کے حق کو باطل میں تبدیل کر دیا تھا۔ ایسا ہی کاروبار ان سے پہلے والے بھی کر چکے ہیں۔ ان سب کے دل ایک جیسے ہیں اور ہم نے اپنی آیات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ (بقرہ ۱۱۸)

احادیث صحیحہ۔ جو اتباع اہلبیتؑ کو لازم قرار دیتی ہیں

۱۔ حدیث ثقلین :۔

"ایہا الناس! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جنہیں لے لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ کتاب خدا ہے اور میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں۔ دوسرے الفاظ میں "قریب ہے کہ نمائندہ پروردگار مجھے طلب کرنے کے لئے آجائے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہدوں لہٰذا میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ ایک کتاب خدا ہے جسمیں ہدایت اور نور ہے اور ایک میرے اہلبیت ہیں۔ تمہیں خدا کو یاد دلا رہا ہوں اپنے اہلبیتؑ کے بارے میں۔ میں تمہیں خدا کو یاد دلا رہا ہوں اپنے اہلبیت کے بارے میں۔" (صحیح مسلم باب فضائل علیؑ ۵ ص ۱۲۲، صحیح ترمذی، ۵ ص ۳۲۸، مستدرک حاکم ۳ ص ۱۴۸، مسند احمد علیؑ)

اگر ہم حدیث کے عنوان پر غور کریں جسے اہلسنت کے صحاح نے نقل کیا ہے تو اندازہ ہوگا کہ امت اسلامیہ میں ثقلین یعنی کتاب و عترت کا اتباع کرنے والا شیعوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اہلسنت نے تو حضرت عمر کے قول "حسبنا کتاب اللہ" کا اتباع کرلیا ہے اور کاش اس کا اتباع بغیر کسی خواہشاتی تاویل و تفسیر کے کرلیا ہوتا۔ ــــ لیکن جب خود عمر کو کلالہ کے معنی نہیں معلوم تھے اور وہ حکم تیمم سے ناآشنا تھے اور بہت سے دوسرے احکام سے بے خبر تھے تو ان کے بعد آنے والوں اور بلا تحقیق ان کی تقلید کرنے والوں یا نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اجتہاد کرنے والوں کا کیا حال ہوگا ــــ؟

بظاہر میں ان سوالات کے مقابلہ میں ایک ہی بات کہی جائے گی کہ رسول اکرمؐ

کا ارشاد ہے کہ "میں کتاب اور اپنی سنت کو چھوڑے جا رہا ہوں"

لیکن یاد رہے کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اپنے مفہوم میں صحیح ہوگی اور دونوں روایتوں کا خلاصہ یہ ہوگا کہ تم لوگ میرے اہلبیت کی طرف رجوع کرنا کہ وہی میری سنت کے بتانے والے ہوں گے۔ اور وہی صحیح احادیث کے نقل کرنے والے ہوں گے کہ ان کا دامن ہر کذب اور غلط بیانی سے پاک ہے، اور رب العالمین نے آیت تطہیر کے ذریعہ ان کی عصمت و طہارت کا اعلان کیا ہے۔

اس کے بعد وہی سنت کا مفہوم سمجھانے والے اور اس کی حقیقت کے واضح کرنے والے بھی ہوں گے کہ تنہا کتاب خدا ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے۔ ورنہ ہر گمراہ فرقہ کتاب خدا سے استدلال نہ کرتا: اور بہت سے قاریان قرآن پر قرآن لعنت نہ کرتا۔ کتاب اللہ ایک خاموش صحیفہ ہے جس میں متعدد معانی کا احتمال پایا جاتا ہے اور اس میں محکمات کے ساتھ متشابہات بھی ہیں اور اسکو سمجھنے کے لئے ایسے راسخون فی العلم کی ضرورت ہے جو رسول اکرمؐ کی لفظوں میں اہلبیت طاہرینؑ ہوں اور قرآن حکیم کے واقعی مفاہیم سے آشنا بنا سکیں۔

حضرات شیعہ انہیں ائمہ معصومینؑ اور اہلبیتؑ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اجتہاد سے وہاں کام لیتے ہیں جہاں ان کی کوئی نص موجود نہ ہو اور رہ گئے اہلسنت سب سے پہلے صحابہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہیں سے تفسیر قرآن اور تعبیر سنت کا سبق لیتے ہیں۔ جبکہ صحابہ کے حالات ان کے اجتہاد بالرائے اور اجتہاد در مقابل نص کے واقعات طشت از بام ہیں اور ان کی تعداد سیکڑوں سے تجاوز کر چکی ہے۔

ہم اگر اپنے علماء کرام سے سوال کریں کہ آپ کس سنت کا اتباع کرتے ہیں تو ہر ایک کا جواب ہوگا کہ سنت رسولؐ ــــ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برخلاف

ہے۔ انہوں نے خود ہی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ سرکارؐ نے فرمایا ہے کہ "میری اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا اور دین میں بہت مستحکم رہنا" جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اکثر اوقات میں خلفاء راشدین کی سنت کا اتباع کرتے ہیں اور کبھی سنت رسولؐ سے اسناد کرتے ہیں۔ تو وہی خلفاء راشدین ہی کے طریق سے۔

جب کہ ہم نے اپنی کتابوں میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے سنت کی کتابت سے منع فرمایا ہے تاکہ کتاب وسنت مخلوط نہ ہونے پائیں اور ابوبکر وعمر نے اسی روایت کی روشنی میں اپنے ایام خلافت میں مکمل پابندی عائد کردی تھی جس کے بعد سنت کے چھوڑنے کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔! واضح رہے کہ یہ "سنتی" کا لفظ صحاح ستہ میں کسی کتاب میں وارد نہیں ہوا ہے اور اس لفظ کے ساتھ روایت صرف امام مالک نے موطا میں مرسل طور پر نقل کیا ہے اور اس کے بعد ان سے طبری، ابن ہشام وغیرہ نے اخذ کرکے مرسل ہی نقل کردیا ہے۔ اور اس کی کوئی سند نہیں درج کی ہے۔!

پھر جن واقعات کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور جن بےشمار واقعات کا ذکر میں نے نہیں کیا ہے سب اس حدیث کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ سنت خلفاء راشدین اور سنت رسول کا جمع کرنا ہی ممکن نہیں ہے اور اس روایت میں دونوں سے تمسک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد پیش آنے والے واقعات میں سب سے پہلا واقعہ جناب فاطمہؑ اور ابوبکر کے اختلاف کا ہے جہاں ابوبکر نے حدیث "نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقہ" سے استدلال کیا تھا اور جناب فاطمہؑ نے آیات قرآنی کے حوالے سے اس روایت کی تکذیب کی تھی اور ابوبکر سے صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ میرا باپ احکام قرآنی کی مخالفت نہیں کرسکتا ہے اور جب

قرآن نے تمام اولاد کی وراثت کا ذکر کیا ہے (نساء ۱۱) اور جناب سلیمانؑ کے وارث داؤد ہونے کی تصریح کی ہے (نحل ۱۶) اور جناب زکریا کی اس دعا کا تذکرہ کیا ہے کہ "خدا مجھے ایک وارث عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اسے پسندیدہ قرار دیدے۔ (مریم ۵-۶) تو عمومی اور خصوصی دونوں قسم کے تذکروں کے بعد اس حدیث کی کیا قیمت رہ جاتی ہے۔

پھر اس کے بعد دوسرا حادثہ جو ابوبکر کے دور خلافت میں پیش آیا اور جسے تمام اہلسنت کے مورخین نے نقل کیا ہے۔ جہاں ابوبکر کا اختلاف ان کے قریب ترین شخص عمر بن الخطاب سے ہوا اور جس کا تعلق مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے سے تھا کہ عمر اس جنگ کے قطعی مخالف تھے اور ان کا کہنا تھا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "اس وقت تک جہاد کرو جب تک کہ لوگ لاالٰہ الااللہ اور محمد رسول اللہ نہ کہدیں" اور یہ لوگ تو مستقل کلمہ پڑھ رہے ہیں تو ان کے جان و مال کو کس طرح حلال کر لیا جائے گا۔

اور اس روایت کو صحیح مسلم میں جنگ خیبر کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے روز خیبر حضرت علیؑ کو علم لشکر دیکر روانہ کیا تو انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کب تک جہاد کروں ــــ ؟ فرمایا جب تک یہ لوگ توحید اور رسالت کی گواہی نہ دیدیں ــ کہ اس کے بعد اگر گواہی دینے لگیں تو ان کا خون اور مال محفوظ ہو گیا۔ اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہو گا" ــــــ لیکن ابوبکر اس روایت سے مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ ہم ان لوگوں سے بہر حال جنگ کرینگے جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا ہے اور نماز ادا کرنے کے باوجود زکوٰۃ نہیں ادا کی ہے۔ بلکہ اگر مختصر مال بھی رسول اکرمؐ کو دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیا تو میں ان سے جہاد کروں گا۔

جس کے بعد عمر بھی ان کے بیان سے مطمئن ہو گئے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ ابوبکر اپنے موقف پر اس طرح اڑے رہے کہ خدا نے میرے سینے کو کشادہ کر دیا۔ اور میں نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا ۔۔۔

یہ مسئلہ بہرحال قابل غور ہے کہ خدا سنت و سیرت رسول ص کی مخالفت کرنے والوں کا سینہ کس طرح کشادہ کر دیتا ہے ۔ ؟

درحقیقت یہ تمام تاویلیں مسلمان سے جہاد کو جائز کرنے کی تدبیریں تھیں۔ ورنہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ "ایمان والو جب زمین کا راستہ طے کرو تو پہلے تحقیق کر لو اور خبردار کسی امتی کی پیشکش کرنے والے کو غیر مومن نہ بنا دینا کہ تم مال دنیا چاہتے ہو اور خدا کے پاس منافع بہت ہیں۔ تم خود بھی پہلے انہیں کے جیسے تھے۔ یہ تو خدا کا احسان تھا کہ اس نے تم کو ہدایت دیدی تو اب بلا تحقیق کوئی قدم نہ اٹھانا کہ خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔ (نساء ۹۴)

علاوہ اس کے کہ ان حضرات نے ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ اصل وجوب زکوٰۃ کے منکر نہیں تھے ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ صورت حال کی تحقیق کریں۔ اور بقول شیعہ ان کے لئے ابوبکر کی خلافت کی خبر ایک حادثہ ناگہانی تھی۔ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم ص کو امام علی کی ولایت کا اعلان کرتے دیکھ چکے تھے۔ تو انہوں نے چاہا کہ نئی صورت حال کا جائزہ لیں کہ یہ انقلاب کس طرح آگیا ہے ۔۔۔ لیکن ابوبکر نے انھیں مہلت نہ دی اور ان کے اوپر حملہ کر دیا۔

میں اپنی قرارداد کے مطابق کسی ایک فریق کے بیانات سے استدلال نہیں کرتا ہوں۔ لہٰذا اس تاویل کو شیعوں ہی کے حوالے کر دیتا ہوں اور وہی اپنے بیان کے ذمہ دار ہیں۔ دوسرے حضرات کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس بیان کی صداقت کے بارے

میں تحقیق کریں. شاید حقیقت حال واضح ہو جائے۔

لیکن میں اس قصّہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا جو خود رسول اکرمؐ کی حیات میں پیش آیا ہے. جب ثعلبہ نے آپ سے خواہش کی کہ دولت کیلئے دعا فرمادیں اور پھر بیحد اصرار کیا جس کے بعد آپ نے دعا کردی اور خدا نے اس قدر دولت دیدی کہ بھیڑ، بکری اور اونٹوں کی مدینہ میں جگہ نہ رہ گئی اور وہ باہر چلا گیا جس کے بعد نمازوں میں حاضری کم ہو گئی اور جب آپ نے نماز جمعہ میں نہیں دیکھا تو اپنے عامل کو بھیجا کہ نماز میں نہیں آسکتے ہو تو نہ آؤ جانوروں کی زکوٰۃ دیدو ــــ تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو ایک طرح کا جزیہ ہے جو کفار کے بجائے مسلمانوں سے لیا جا رہا ہے ــــ لیکن اس کے باوجود نہ آپ نے اسے قتل کیا اور نہ اس سے جنگ کا اعلان فرمایا یہاں تک کہ پروردگار نے بھی اس انداز سے واقعہ کو بیان کیا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا سے اس امر کا عہد کرتے ہیں کہ اگر اس نے اپنے فضل و کرم سے کچھ عطا کر دیا تو اس کی راہ میں صدقہ دینگے اور نیک کردار ہو جائیں گے ــــ لیکن جب خدا نے اپنے فضل سے دیدیا تو بخل کرنے لگے اور منھ پھیر کر کنارہ کش ہو گئے۔ (توبہ ۷۵-۷۶)

ثعلبہ اس آیت کو سنکر روتا ہوا حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے زکوٰۃ دینے کا وعدہ کیا لیکن آپ نے بحسب روایت زکوٰۃ لینے سے انکار فرمادیا۔

تو اگر ابو بکر اور عمر سیرت رسول کی پیروی کر رہے تھے تو انہوں نے اس سیرت کی مخالفت کیوں کی اور مسلمانوں کے خون کو کیوں مباح کر دیا. جب کہ ابو بکر کی طرف سے یہ عذر پیش کرنے والے کہ زکوٰۃ حق مال ہے اور حق مال میں کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی ہے ــــ ثعلبہ کی روایت کے بعد کوئی عذر نہیں پیش کر سکتے کہ

وہ بھی ان ہی کا معاملہ تھا۔ اور اس نے زکوٰۃ ہی کو جزیہ جیسا قرار دینے کی جسارت کی تھی۔

میرا خیال ہے کہ ابوبکر کی تقریر کے بعد عمرؓ کے مطمئن ہو جانے کا راز بھی یہی تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ میدان غدیر میں موجود تھے اور یہ زندہ رہ گئے! ان کا انکار مشہور ہو گیا تو روایت غدیر خود بخود مشہور ہو جائے گی اور ان کی خلافت خطرہ میں پڑ جائے گی اسی لئے خدا نے فی الفور ان کے سینے کو کشادہ کر دیا اور وہ جہاد کے لئے تیار ہو گئے جس طرح کہ خانۂ فاطمہؑ میں رہ کر بیعت نہ کرنے والوں پر گھر جلانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

تیسرا حادثہ ابوبکر کی خلافت کے ابتدائی دور میں پیش آیا تھا اور اس میں بھی عمر نے ان سے اختلاف کیا تھا اور آیات قرآنی اور ارشادات نبوی کی حسب خواہش تاویل کر لی تھی۔ یہ خالد بن ولید کا قصہ ہے جس نے مالک بن نویرہ کو بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ اور اسی رات ان کی زوجہ سے ہمبستری کی جس پر عمر نے خالد سے کہا کہ "اے دشمن خدا تو نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اور اس کی زوجہ سے بدکاری کی ہے، خدا کی قسم میں تجھے سنگسار کروں گا۔

(طبری ۳ ص۲۸۰، تاریخ ابوالفداء ۱ ص۱۵۸، تاریخ یعقوبی ۲ ص۱۱۰، الاصابہ ۳ ص۳۳۶)

لیکن ابوبکر نے خالد کی طرف سے دفاع کیا اور فرمایا کہ عمر! خالد کو معاف کر دو۔ انہوں نے تاویل میں غلطی کی ہے لیکن اپنی زبان کو روکے رہو۔"

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس میں ایک صحابی کے کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے اور پھر ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ اس صحابی کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کریں اور اسے سیف اللہ کے لقب سے یاد کریں۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے ایسے صحابی کے بارے میں کیا کہنا چاہیئے۔ جو مالک بن نویرہ جیسے جلیل القدر صحابی، سردار بنی تمیم و بنی یربوع کو قتل

کرے جنگی مردانگی اور کرم و شجاعت شہرہ آفاق تھی اور مورخین نے وضاحت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ خالد نے مالک کو دھوکہ دیا ہے اور جب ان لوگوں نے اسلحہ رکھدیا اور نماز جماعت میں شریک ہو گئے تو انھیں رسیوں سے باندھ دیا اور انہیں اسیروں کے درمیان لیلیٰ بنت منہال زوجۂ مالک کو دیکھا جو اپنے حسن جمال میں شہرہ آفاق تھی اور بعض بیانات کے مطابق عرب میں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی عورت نہ تھی ـــــ تو اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ اور مالک نے صاف کہدیا کہ " خالد ہمیں ابو بکر کے پاس بھیجدو وہ ہمارے بارے میں فیصلہ کردینگے اور عبداللہ بن عمر اور ابو قتادہ انصاری نے بھی اس تجویز کی تائید کی کہ انہیں ابو بکر کے پاس بھیجدیا جائے اور وہ فیصلہ کریں لیکن خالد نے تمام مطالبات کو ٹھکرا دیا۔ اور کہا کہ خدا مجھے معاف نہ کرے اگر میں اسے قتل نہ کردوں " ـــــ یہ سنکر مالک نے اپنی زوجہ کی طرف دیکھا کہ " خالد اصل میں میرے قتل کی بنیاد یہ عورت ہے " جس پر خالد نے ان کی گردن اڑا دی اور لیلیٰ کو گرفتار کرکے اسی رات اس سے ہمبستری کی۔ (ابو الفداء ۱ ص ۱۵۸، لیعقوبی ۲ ص ۱۱۰، تاریخ ابن شحنہ برحاشیہ کامل ۱۱ ص ۱۱۴، وفیات الاعیان ۶ ص ۱۴)

آخر میں ان صحابہ کے بارے میں کیا کہوں جو حرام خدا کو حلال کر لیتے ہیں اور نفوس محترم کو قتل کر دیتے ہیں۔ صرف اپنی خواہش نفس کی بنا پر عصمتوں کو مباح بنا لیتے ہیں جب کہ اسلام میں شوہر کے مرنے کے بعد عدت گذرنے سے پہلے کسی قیمت پر عقد جائز نہیں ہے۔ افسوس کہ خالد نے خواہش کو اپنا خدا بنا لیا اور اپنے کو ہلاکت میں ڈالدیا ـــــ اور ظاہر ہے کہ جو مسلمان کو اس بیدردی اور غداری سے قتل کر سکتا ہے اور عبداللہ بن عمر اور ابو قتادہ انصاری کی شہادت کی بنا پر کلمہ پڑھنے والوں کو تہ تیغ کر سکتا ہے اس کی نگاہ میں عدالت کی کیا قیمت ہے

— یہی وجہ ہے کہ ابو قتادہ واپس چلے آئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ جس لشکر کا سردار خالد ہوگا اس میں ہرگز شرکت نہیں کریں گے۔ (طبری ۳ ص۲۸۰ یعقوبی ص۱۱۱، ابوالفداء، اصابہ ۳ ص۳۳۶)

اس سلسلے میں استاذ ہیکل کا وہ اعتراف نقل کر دینا بھی کافی ہوگا کہ جو انہوں نے اپنی کتاب "ابوبکر الصدیق" میں رای عمر وحجتہ فی الامر کے ذیل میں درج فرمایا ہے کہ حضرت عمر قطعی عدالت کا نمونہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ خالد نے ایک مسلمان پر زیادتی کی ہے اور اس کی زوجہ سے بدکاری کی ہے لہٰذا اس کا لشکر میں رہنا کسی قیمت پر مناسب نہیں ہے تاکہ ایسے جرائم کی تکرار نہ ہونے پائے اور امور مسلمین میں فساد نہ پیدا ہو — اور اسے بغیر سزا نہ چھوڑا جائے کہ اس نے لیلیٰ کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔"

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خالد نے تاویل میں غلطی کی ہے تو یہ تو مالک کے معاملہ میں ہوگا اگرچہ حضرت عمر کو یہ بھی تسلیم نہیں ہے۔ لیکن ان کی زوجہ کے ساتھ بدکاری تو بہرحال حد کی موجب ہے اور اس کا یہ عذر ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ سیف اللہ ہے یا وہ ایک ایسا سردار ہے جس کی رکاب میں فتح وظفر ساتھ چلا کرتی تھی — اس لئے کہ ایسے عذر قابل قبول ہوگئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خالد جیسے افراد کے لئے تمام حرام حلال ہوجائیں اور یہ بات احترام کتاب اللہ کی بدترین مثال ہوگی — اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر برابر ابوبکر سے سزا کے بارے میں اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اسے بلا کر ڈانٹ دیا۔ (الصدیق ابوبکر ص۱۵۱)

اس مقام پر کیا میں استاذ ہیکل اور اپنے ان تمام علماء کرام سے جو تقدیس صحابہ کے لئے ہر ناجائز اقدام کرنے کے لئے تیار ہیں — یہ سوال کر سکتا ہوں کہ

حضرت ابوبکر نے خالد پر حد کیوں نہیں جاری کی ـــــ؟ اور اگر عمر قطعی اور حتمی عدالت و انصاف کے نمونے تھے تو انہوں نے صرف معزولی پر کیوں اکتفا کر لی اور حد کا تقاضا کیوں نہیں کیا تاکہ یہ مسلمانوں میں احترام کتاب اللہ کی بدترین مثال نہ بننے پائے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے احتجاج میں فرمایا تھا اور کیا ان حضرات نے کتاب اللہ کا احترام کر لیا اور حدود الٰہیہ کو قائم کر دیا ـــــ ہرگز نہیں ـــ یہ صرف ایک سیاسی چال تھی جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا کہ سیاست عجائب روزگار ختم دیا کرتی ہے اور حقائق کو منقلب کر دیا کرتی ہے۔ سیاست نصوص قرآنی کو دیوار پہ مار دیا کرتی ہے۔

کیا میں اپنے علماء کرام سے جنہوں نے اپنی کتابوں میں یہ روایت درج کی ہے کہ "جب اسامہ نے ایک چور کے بارے میں سرکار دو عالم سے سفارش کی تو آپ بے حد غضبناک ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ تم حدود الٰہیہ کے بارے میں سفارش کر رہے ہو۔ یاد رکھو کہ اگر اس کی جگہ میری بیٹی فاطمہؑ نے یہ عمل کیا ہوتا تو میں اسکے بھی ہاتھ قطع کر دیتا۔ تم سے پہلے والے اسی بات پر ہلاک ہوئے ہیں کہ جب کسی شریف نے چوری کی تو اسے چھوڑ دیا اور جب کسی معمولی آدمی نے یہی عمل انجام دیا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے ـــــ یہ حضرات ان بیگناہ افراد کے قتل کے سلسلہ میں کیوں خاموش ہیں۔ اور اس بدکاری پر کیوں احتجاج نہیں کرتے ہیں جہاں ان عورتوں پر ظلم کیا گیا ہے جو اپنے شوہروں کے قتل پر غمزدہ بیٹھی تھیں ـــــ اور کاش یہ حضرات خاموش ہی رہ جاتے ـــ لیکن یہ تو خالد کے اعمال کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے طرح طرح کی روایات وضع کر رہے ہیں۔ اور سیف اللہ جیسے فضائل و مناقب کی تخلیق کر رہے ہیں۔

مجھے میرے ایک دوست نے اس وقت حیرت میں ڈال دیا جب میں اسکا

مزاج پسند طبیعت" کو دیکھ کر خالد کے خصوصیات بیان کر رہا تھا اور سیف اللہ، کے لقب سے یاد کر رہا تھا۔ تو اس نے کہا کہ وہ "سیف الشیطان المشلول" تھا۔ اور مجھے یہ بات انتہائی ناگوار اور عجیب معلوم ہوئی تھی لیکن جب میں نے خود تحقیق کی تو اللہ نے میری بصیرت کے دروازے کو کھول کر مجھے ان لوگوں کے حالات سے باخبر بنا دیا جنہوں نے خلافت پر قبضہ کر کے احکام خدا کو تبدیل اور حدود خدا کو معطل کر دیا تھا۔

خالد بن ولید کا ایک واقعہ خود حیات پیغمبر میں بھی پیش آیا ہے جب آپ نے اسے بنی جذیمہ کی طرف دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا اور جنگ کا کوئی حکم نہیں دیا لیکن جب وہ صحیح لہجہ میں اسلام کا اعلان نہ کر سکے تو خالد نے انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ تمام اسیروں کو قتل کر دیں۔ صرف بعض نے ان کے اسلام کو دیکھ کر قتل سے انکار کر دیا اور واپس آکر رسول اکرم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ "خدایا میں خالد کے عمل سے بیزار ہوں" اور یہی فقرہ دو مرتبہ دھرایا۔ (بخاری ۴ ص ۱۷۱، باب اذا قضی الحاکم بجور) ور اس کے بعد حضرت علیؑ بن ابیطالب کو بھیج کر مقتولین کی دیت ادا کرائی اور ن کے تمام اموال کا معاوضہ ادا کرایا ـــ اور حضرت نے رو بہ قبلہ کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے فریاد کی "خدایا میں خالد کے اعمال سے بیزار ہوں" ور اس فقرہ کو تین مرتبہ دہرایا۔ (سیرت ابن ہشام ۴ ص ۵۳، طبقات ابن سعد، سد الغابہ ۳ ص ۱۰۲)

کیا میں ان حضرات سے یہ سوال کر سکتا ہوں کہ صحابہ کرام کی مفروضہ عدالت کہاں چلی گئی ـــ اور اگر خالد اس سلوک کے بعد بھی سیف اللہ ہے تو اللہ کی تلوار سنگناہ مسلمانوں پر اٹھتی ہے۔ اور کیا اس کا مصرف بندگان خدا کی

ہتک حرمت اور آبرو ریزی ہی ہے۔ یہ تو عجیب متضاد منطق ہے کہ ایک طرف خود قتل نفس محترم سے منع کرتا ہے، فحشاء ومنکر سے روکتا ہے اور دوسری طرف اس کی تلوار (سیف اللہ) مسلمانوں کی گردن پر چل رہی ہے اور ان کا ناحق خون بہارہا ہے۔ ان کے اموال غصب ہو رہے ہیں۔ اور ان کے بچے یتیم اور ان کی عورتیں قیدی بنائی جارہی ہیں۔

" خدایا تو پاک و بے نیاز ہے۔ اور ان خرافات سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے۔ تو نے زمین و آسمان کے درمیان کی مخلوقات کو باطل نہیں پیدا کیا ہے یہ تو صرف کافروں کا خیال ہے۔ اور کافروں کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔"

بھلا ابوبکر جیسے خلیفۃ المسلمین کیلئے یہ امر کس طرح جائز ہوگیا کہ ان مہلک جرائم کے بارے میں ساکت اور خاموش رہ جائیں۔ اور عمر بن الخطاب کو زبان بند کرنے کا حکم دیں۔ اور ابوقتادہ پر اس لئے ناراض ہو جائیں کہ انہوں نے خالد کے اعمال پر اعتراض کیا تھا —— کیا واقعاً ان کا یہ خیال تھا کہ خالد نے تاویل میں غلطی کی ہے تو پھر اس واقعہ کے بعد کسی بھی مجرم کو سزا دینے کا کیا جواز رہ جائیگا۔ اور ہر ایک کی تاویل کو کیوں نہ قبول کیا جائے گا۔

میں تو اعتقاد نہیں رکھتا ہوں کہ ابوبکر نے خالد کے معاملہ میں کسی تاویل سے کام لیا ہے جب کہ عمر نے اسے عدو اللہ کہہ کر خطاب کیا تھا اور ان کی رائے تھی کہ خالد کو قتل کر دیا جائے کہ وہ نفس مسلم کا قاتل بھی ہے اور اس کی زوجہ کا زانی بھی ہے۔ اسے بہر حال سنگسار ہونا چاہئے —— ہرگز نہیں۔ خالد محفل خلافت سے فاتحانہ شان سے برآمد ہوا کہ ابوبکر نے اس کی حمایت کر دی حالانکہ وہ اس کے حالات سے زیادہ باخبر تھے۔ جیسا کہ مورخین نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کے بعد بھی خالد کو یمامہ کی طرف بھیجا جہاں اس نے معرکہ کو سر کرلیا اور اسکے بعد لیلیٰ ہی کی طرح

کی ایک دوسری لڑکی سے عقد کر لیا جب کہ ابھی نہ مسلمانوں کا خون خشک ہوا تھا اور نہ مسیلمہ کے پیروکاروں کا لہو۔ یہ ضرور ہے کہ ابوبکر نے اس فعل پر پہلے سے کچھ زیادہ سرزنش کی تھی۔ (الصدیق ابوبکر ص۱۵۱)۔ جب کہ یہ لڑکی لیلیٰ ہی کی طرح شوہردار بھی تھی ورنہ ابوبکر تنبیہ بھی نہ کرتے اور اس پر اس قدر زور بھی نہ دیتے جیسا کہ مورخین نے نقل کیا ہے کہ ابوبکر نے خالد کی طرف یہ فرمان بھیجا کہ فرزند ام خالد تجھے عورتوں سے ہمبستری کرنے کی بڑی فرصت ہے جبکہ تیرے سامنے ۱۲ سو مسلمانوں کے لاشے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے خون خشک نہیں ہوئے ہیں۔ (طبری ۳ ص۲۵۴، تاریخ الخمیس ۳ ص۳۴۳) اور جب خالد نے اس خط کو پڑھا تو برجستہ زبان سے نکلا کہ یہ سب عمر بن الخطاب کی حرکت ہے۔

یہی وہ قوی اسباب ہیں جنہوں نے مجھے ان اصحاب سے متنفر بنا دیا اور ان کے پیروکاروں سے بیزار کر دیا جو ایسے لوگوں کیلئے رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور پوری طاقت سے ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں نصوص الٰہیہ کی تاویل کرتے ہیں۔ اور ان کی شان میں عجیب و غریب واقعات اور روایات جعل کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے ذریعہ ابوبکر، عمر، عثمان، خالد، معاویہ اور عمرو عاص وغیرہ کے اعمال کی توجیہ کر سکیں اور انہیں حق بجانب قرار دے سکیں۔

خدایا میں تجھ سے استغفار اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں ان افراد کے اعمال و اقوال سے بیزار ہوں جن میں تیرے احکام کی مخالفت ہوئی ہے اور تیرے حرام کو حلال بنا دیا گیا ہے اور تیرے حدود کو معطل کیا گیا ہے۔ میں تیری بارگاہ میں ان تمام افراد اور ان کے اتباع اور انصار سے اظہار برائت کرتا ہوں جنہوں نے یہ سب جانتے ہوئے بھی ان سے اظہار خلوص و محبت کیا ہے۔ پروردگار میرے ضمنی کے انحراف کو معاف کر دینا کہ میں جاہل تھا اور تیرے رسول نے فرمایا ہے کہ جاہل

جہالت میں معذور ہوتا ہے۔

خدایا میرے بزرگوں اور سرداروں نے مجھے راستہ سے بہکایا ہے اور حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ہمارے سامنے منحرف صحابہ کو رسول اکرمؐ کے بعد افضل الخلق بنا کر پیش کیا ہے اور یقیناً ہمارے آباء و اجداد بھی اس جعلسازی اور فریب کاری کا شکار ہوئے ہیں جس کا جال بنی امیہ اور اس کے بعد بنی عباس نے بچھایا تھا۔

خدایا مجھے اور انہیں دونوں کو معاف کر دے کہ تو دلوں کے رازوں کا جاننے والا اور اسرار مخفیہ سے باخبر ہے۔ ہماری محبت اور احترام صرف حسن نیت کی بناء پر تھا کہ یہ سب رسول اکرمؐ کے انصار و اعوان اور اصحاب احباب تھے۔ تجھے بخوبی معلوم ہے کہ ہم سب تیرے رسول کی عترت کے چاہنے والے اور ان ائمہ اہلبیتؑ سے محبت کرنے والے ہیں جن سے تو نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور مکمل طور پر پاک و پاکیزہ رکھا ہے اور جن کے راس و رئیس حضرت سید المرسلین امیر المومنین، قائد الغر المحجلین امام المتقین علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

خدایا مجھے ان کے شیعوں میں اور ان کی ریسمان محبت سے تمسک کرنیوالے اور ان کی راہ پر چلنے والوں میں قرار دیدے۔ ہم ان کے سفینۂ نجات پر سوار رہیں اور ان کی مضبوط رسی کو تھامے رہیں، انہیں کے در عقیدت سے داخل ہوں اور انہیں کی محبت کی راہ پر چلتے رہیں۔ انہیں کے اعمال و اقوال کا اتباع کریں اور انہیں کے فضل و احسان کے گن گاتے رہیں۔

خدایا، ہمیں انہیں کے زمرہ میں محشور کرنا کہ تیرے نبی کریمؐ نے وعدہ کیا ہے کہ "ہر انسان اپنے محبوب کے ساتھ محشور کیا جائے گا"

۲ ۔ حدیث سفینہ :- رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "میرے اہلبیتؑ

کی مثال سفینۂ نوح کی مثال ہے کہ جو اس پر سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو اس سے الگ رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔ (مستدرک حاکم ۳ صـ۱۵۱، تلخیص ذہبی، ینابیع المودۃ صـ۳۰، ۳۷۰، الصواعق المحرقہ صـ۱۸۴، ۲۳۴، تاریخ الخلفاء سیوطی اور جامع صغیر، اسعاف الراغبین)

"تمہارے درمیان میرے اہلبیت کی مثال بنی اسرائیل میں باب حطہ کی سی ہے کہ جو اس سے داخل ہو گیا اسے بخش دیا گیا۔" (مجمع الزوائد ۹ صـ۱۶۸)

ابن حجر نے صواعق محرقہ میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اہلبیتؑ کو سفینۂ نوح سے تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ جس نے ان سے محبت کی اور ان کی عظمت کا اعتراف کیا ان کے علماء کی ہدایت کی راہ پر چلتا رہا وہ مخالفتوں کی تاریکیوں سے نجات پا گیا۔ اور جو ان سے منحرف ہو گیا وہ کفران نعمت کے سمندر میں غرق ہو گیا اور سرکشی کے طوفانوں میں گم ہو گیا ـــــ اور باب حطہ سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا نے باب اریحا یا باب بیت المقدس کو بنی اسرائیل کے لئے سبب مغفرت قرار دیدیا تھا۔ اور اگر وہ تواضع اور استغفار کے ساتھ داخل ہو جاتے اسی طرح اس امت کے لئے اہلبیتؑ کی محبت کو وسیلہ مغفرت قرار دیا ہے۔

کاش میں ابن حجر سے پوچھ سکتا کہ کیا جناب اس سفینۂ نجات پر سوار ہو گئے ہیں اور کیا اسلام میں اسی دروازے سے داخل ہوئے ہیں اور کیا انہیں کے علماء سے ہدایت حاصل کی ہے ـــــ یا آپ کا شمار ان لوگوں میں ہے جو کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں اور عقیدہ کے خلاف عمل کرتے ہیں اور ان تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والوں سے سوال کیا جائے تو جواب یہی دیتے ہیں ہم اہلبیتؑ کا احترام کرتے ہیں ان کی عظمت کے قائل ہیں اور کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کے فضل اور فضائل کا منکر ہو۔

بیشک یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ سب کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے یا احترام و اعزاز اہلبیتؑ کا کرتے ہیں اور اتباع ان کے دشمنوں قاتلوں اور مخالفوں کا کرتے ہیں ـــــ یا یہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ اہلبیتؑ کون حضرات ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ اہلبیتؑ سے مراد ازواج پیغمبرؐ ہیں جن سے خدا نے ہر برائی کو دور رکھا ہے۔ اور انہیں طیب و طاہر قرار دیا ہے۔

یہ راز تو مجھ پر اس وقت کھلا جب میں نے اپنے ایک عالم سے پوچھا کہ اہلبیتؑ سے آپ کا رابطہ کیا ہے تو فرمایا کہ ہم سب اہلبیتؑ کی اقتداء کرتے ہیں اور جب میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کس طرح؟ ـــــ تو فرمایا کہ رسول اکرمؐ نے خود فرمایا کہ "اپنا نصف دین حمیرا (عائشہ) سے لے لینا اور ہم نے نصف دین انہیں اہلبیت سے لے لیا ہے۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اہلبیتؑ کے اعزاز و احترام کا مفہوم کیا ہے اور جب ائمہ اثنا عشر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہم امام علیؑ امام حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے ہیں۔ اور پھر ان کی بھی امامت کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس معاویہ کا احترام کرتے ہیں جس نے حضرت امام حسنؑ کو زہر دیا تھا۔ اور اسے کاتب وحی کے لفظ سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور عمرو عاص جیسے افراد کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جس طرح حضرت علیؑ کا احترام کرتے ہیں۔

یہ درحقیقت ایک تناقض اور حقائق کی پردہ پوشی اور حق و باطل کا امتزاج ہے جس کا مطلب نور پر ظلمت کا غلاف چڑھا دینا اور روشنی کو پوشیدہ کر دینا ہے اور بس ورنہ قلب مومن میں حب خدا اور حب شیطان کا جمع ہونا ناممکن ہے۔ رب کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے :-

• تم کسی ایسی قوم کو جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو ایسا نہ پاؤ گے

نہ وہ خدا اور رسول کے دشمن سے محبت کرے چاہے وہ ان کے آباء و اجداد اور برادر و عشیرہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ والوں کے دل میں ایمان لکھ دیا گیا ہے اور خدا نے اپنی روح سے ان کی تائید کر دی ہے اور وہ انہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں یہی درحقیقت خدا کے گروہ والے ہیں اور خدا کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔" (مجادلہ ۲۲)

"ایمان والو خبردار ہمارے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بنانا کہ انہیں محبت کا پیغام دیدو۔ جب کہ یہ لوگ اس حق کے منکر ہیں جو تمہاری طرف آچکا ہے۔ (ممتحنہ ۱)

۳۔ حدیث "من سرّہ ان یحییٰ حیاتی":۔

رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میری طرح کی زندگی کے ساتھ جئے اور اسے میری طرح کی موت نصیب ہو اور اسی جنت عدن میں رہے جسے رب کریم نے مہیا کیا ہے تو وہ میرے بعد علیؑ اور ان کے دوستوں سے محبت کرے، میرے اہلبیتؑ کی اقتدا کرے کہ یہی میری عترت ہیں جنھیں میری طینت سے خلق کیا گیا ہے اور انہیں میرا علم و فہم عطا کیا گیا ہے۔ میری امت میں ان کے فضل کا انکار کرنے والوں اور ان سے قطع تعلق کرنے والوں کے لئے جہنم ہے اور میں ہرگز ان کی شفاعت نہ کروں گا۔" (مستدرک ۳ ص۱۲۸)، جامع کبیر طبرانی، اصابہ ابن حجر عسقلانی، کنزالعمال ۶ ص۱۵۵، مناقب خوارزمی ص۳۴، ینابیع المودۃ ص۱۴۹، حلیۃ الاولیاء، تاریخ ابن عساکر ۲ ص۹۵)

یہ حدیث اپنے مفہوم میں مکمل طور پر صراحت اور وضاحت رکھتی ہے۔ جس میں کسی طرح کی تاویل و تشکیک کی گنجائش نہیں ہے اور اس کا واضح ترین

مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علیؑ سے محبت اور اہلبیتؑ کی پیروی نہیں کرتا ہے تو وہ روز قیامت سرکار دو عالمؐ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

اس مقام پر اس نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ میں نے اپنی تحقیقات کے دوران ابتداءً اس حدیث کی صحت میں شک کیا تھا اور اتنی عظیم تہدید کو ناقابل تصور قرار دیا تھا کہ حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ سے اختلاف کرنے والا شفاعت پیغمبرؐ سے محروم رہ جائے جب کہ اس حدیث میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن میرے ذہن کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا جب میں نے ابن حجر عسقلانی کا یہ بیان پڑھا کہ انہوں نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد یہ نوٹ لگایا ہے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن یعلیٰ ہے جو ضعیف اور واہیات آدمی ہے" اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص جعلساز تھا۔ اور اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے — لیکن اس کی اصل حقیقت کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں نے "مناقشات عقائدیہ فی مقالات ابراہیم الجبہان" نامی کتاب پڑھی اور اس میں دیکھا کہ مصنف نے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ یحییٰ بن یعلیٰ محاربی معتبر آدمی ہے اور اس پر بخاری اور مسلم جیسے محدثین نے اعتبار کیا ہے — اور میں نے خود براہ راست ان حقائق کا مطالعہ کیا اور یہ دیکھا کہ امام بخاری نے باب غزوہ الحدیبیہ میں اپنی صحیح کی جلد ۳ صـ ۳۱ پر اس کی روایت کو نقل کیا ہے اور مسلم نے باب الحدود درج ۵ صـ ۱۱۹ پر اس کی روایت درج کی ہے اور ذہبی نے انتہائی تشدد اور تعصب کے باوجود اس کی وثاقت کو بطور مسلمات درج کیا ہے اور ائمہ رجال نے اسے معتبر راویوں کی فہرست میں جگہ دی ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس جعلسازی اور انکار حقائق کی کیا وجہ ہے اور ابن حجر کو اس قسم کی غلط بیانی کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ کیا صرف اس جرم

میں کہ اس نے اتباع اہلبیت کی روایت کو نقل کر دیا ہے اس کی سزا یہ قرار پائی ہے کہ ابن حجر اسے ضعیف اور واہی قرار دیدے اور یہ بھول جائے کہ اس کے پیچھے بھی علماء و محققین کا ایک گروہ ہے جو ہر چھوٹی بڑی خیانت کا محاسبہ کرنے والا ہے اور تعصب اور جہالت کے پردے اٹھا کر حقائق کو بے نقاب کرنے والا ہے کہ اسے نبوت کی نورانیت اور ہدایت اہلبیتؑ کی روشنی کا سہارا حاصل ہے۔

مجھے اب اندازہ ہوگیا ہے کہ ہمارے بعض علماء کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ حقائق کی پردہ پوشی کریں اور انہیں عوام پر واضح نہ ہونے دیں اور اس راہ میں وہ کبھی احادیث صحیحہ کی تاویل کرتے ہیں اور اسے عجیب و غریب معانی پر محمول کرتے ہیں۔ اور کبھی معتبر احادیث کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔ چاہے ان کا اندراج صحاح اور مسانید ہی میں کیوں نہ ہو ـــــ اور کبھی راویوں کو ضعیف قرار دیکر ان کی بات کو بے وزن بنانا چاہتے ہیں۔ اور کبھی حدیث کا پورا یا آدھا حصہ حذف کر دیتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے خواہشات کے مطابق رہے۔ اور کبھی ایک ایڈیشن میں درج کرنے کے بعد دوسرے ایڈیشن سے نکال دیتے ہیں اور اس حذف و ترمیم کی وجہ بھی بیان نہیں کرتے ہیں ـــــ اگرچہ انہیں معلوم ہے کہ صاحبان نظر ان تمام حرکات و اعمال کے حقیقی اسباب و محرکات سے باخبر ہیں۔ جس طرح مجھ پر یہ تمام حقائق واضح ہو چکے ہیں اور میں اپنے مدعا پر قطعی دلائل کا ایک ذخیرہ رکھتا ہوں۔

کاش یہ علماء کرام عظمت صحابہ کے تحفظ کی خاطر اس قدر حیلہ سازی اور غلط بیانی کرنے کے بجائے اور متناقض اقوال نقل کرنے یا تاریخی حقائق سے واضح طور پر ٹکرانے کے بجائے حق کا اعتراف ہی کر لیتے تو انہیں بھی سکون نصیب ہو جاتا اور لوگ بھی ان کے شر سے محفوظ ہو جاتے اور اس طرح انہیں امت کے افتراق کو مٹانے اور اسمیں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا اجر بھی مل جاتا

اور جب وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ بعض صحابۂ ادیین نقل روایات میں اس قدر غیر معتبر ہیں کہ اپنی خواہش کے مطابق نہ ہونے والے امور کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور خود رسول اکرمؐ کی وصیت کو بھی فراموش کر دیتے ہیں، جیسا کہ بقول بخاری وسلم رسول اکرمؐ نے وقت وفات تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔

۱۔ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دیا جائے۔

۲۔ ہر وفد کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے جیسا کہ میں کیا کرتا تھا۔

۳۔ راوی کا بیان ہے کہ میں تیسری وصیت کو بھول گیا۔ (بخاری ۱ ۱۲۱ باب جوائز الوفد من کتاب الجہاد، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ)

—— اور صحابہ کرام تین وصیتوں کو بھی محفوظ نہ رکھ سکے جب کہ ان حضرات کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ ایک مرتبہ قصیدہ سننے کے بعد پورے قصیدہ کو محفوظ کر لیا کرتے تھے —— تو کیا یہ نہ کہا جائے کہ یہ سب سیاست کی بازیگری ہے جس نے انہیں نسیان اور عدم ذکر پر مجبور کر دیا ہے۔

حقائق اسلام کے ساتھ یہ صحابہ کرام کا دوسرا انداز ہے جہاں یقیناً رسول اکرمؐ کی وصیت کا تعلق حضرت علیؑ کی خلافت سے تھا۔ اور اسی لئے صحابی کا حافظہ خطا کر گیا۔ اور اس وصیت کو یاد نہ رکھ سکا۔ جب کہ اس مسئلہ میں تحقیق کرنے والا احساس کر لیتا ہے کہ روایت سے وصیت وصایت علیؑ کی خوشبو آرہی ہے اگرچہ اس کے چھپانے پر پورا زور صرف کر دیا گیا ہے جیسا کہ بخاری ہی نے کتاب الوصایا میں اور مسلم نے کتاب الوصیۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ کے اس کا تذکرہ کیا گیا تھا کہ رسول اکرم نے حضرت علیؑ کے بارے میں وصیت کی تھی۔ (بخاری ۳ ۹۸، باب مرض النبی و وفاتہ، مسلم ۲ ۱۴ کتاب الوصیۃ)

دیکھا آپ نے اللہ اپنے نور کو کس طرح ظاہر کرتا ہے چاہے ظالمین کو...

پردہ پوشی کیوں نہ کرنا چاہیں۔ اب مجھے دوبارہ کہنا پڑے گا کہ جب نقل وصیت پیغمبرؐ اسلام میں صحابہ کرام اس قدر غیر معتبر ہیں تو ان کے تابعین و تبع تابعین کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے ــــ اور جب حضرت عائشہؓ ام المومنینؓ حضرت علیؑ کے نام کو برداشت نہ کر سکیں اور ان کا ذکر خیر پسند نہ کر سکیں جیسا کہ ابن سعد نے طبقات قسم دوم جلد ۲ ص۲۹، اور بخاری نے باب مرض النبیؐ میں نقل کیا ہے اور حضرت علیؑ کی وفات کی خبر پر سجدۂ شکر ادا کریں۔ تو ان سے کیا توقع رکھی جائے کہ وہ حضرت علی کے بارے میں وصیت کا ذکر کریں گی جب کہ ان کی علی اور اولاد علی سے عداوت شہرۂ آفاق ہے اور ہر خاص و عام کو معلوم ہے۔

فلاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

ہماری سب سے بڑی مصیبت

"اجتہاد در مقابل نص" ہے۔

میں نے اپنی تحقیقات کے دوران یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امت اسلامیہ کی سب سے بڑی مصیبت نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اجتہاد ہے جس نے حدود الٰہیہ کو معطل اور سنت نبویہ کو برباد کر دیا ہے۔ صحابہ کرام کے بعد یہی کاروبار علماء نے کیا ہے اور انہوں نے بھی اپنے افکار کی بنیاد صحابہؓ کے اجتہادات پر رکھی ہے اور اس طرح کبھی صحابہ کے عمل سے ٹکراؤ کی صورت میں نص نبوی کو نظر انداز کر دیا ہے اور کبھی نص قرآنی کو۔ اور میں اس بیان میں قطعی مبالغہ سے کام نہیں لے رہا ہوں بلکہ میں نے اس کی مثالیں بھی نقل کر دی ہیں جس کی واضح ترین مثال آیت تیمم اور سنت رسولؐ کے مقابلہ میں صحابہ

کا اجتہاد اور ان کا ترک نماز کا حکم ہے جس کی توجیہ عبداللہ بن عمر نے اجتہاد ہی کی روشنی میں کی ہے۔

اس راہ میں سب سے پہلے جس صحابی نے اس دروازہ کو پاٹوں پاٹ کھولا ہے۔ وہ خلیفہ دوم حضرت عمر ہیں جنہوں نے وفات رسول کے بعد نص قرآنی کے مقابلہ میں اجتہاد کر کے مولفۃ القلوب کے حصہ کو زکوٰۃ سے ساقط کر دیا اور فرما دیا کہ ہمیں تم لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔

نصوص نبویہ کے مقابلہ میں آپ کے اجتہادات کی مقدار بے حد بے حساب ہے۔ یہاں تک کہ متعدد بار تو حضور کی زندگی میں بھی ان کے احکام کے مقابلہ میں اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیا ہے جسکی مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر۔ اور آخری وقت میں حسبنا کتاب اللہ کا اعلان کرتے وقت سامنے آئی۔ اور سب سے واضح ترین مثال جس نے ان کے نفسیات کو بالکل طشت از بام کر دیا۔ یہی بشارت کا قصہ ہے جسمیں حضرت رسول اکرم نے ابوہریرہ کو یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ زبان پر جاری کرے اور اس کے دل میں توحید کا یقین ہو اسے جنت کی بشارت دیدو۔"

اور ابوہریرہ یہ بشارت لے کر چلے تو راستہ میں عمر سے ملاقات ہو گئی اور انہوں نے اعلان کرنے سے منع کر دیا۔ اور اتنا مارا کہ ابوہریرہ زمین پر گر پڑے اور روتے بلکتے رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمر کے سلوک کی شکایت کی تو آپ نے عمر سے جواب طلب کیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ — انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس اعلان کے لئے حکم دیا تھا۔؟ — آپ نے فرمایا بیشک — انہوں نے کہا کہ ایسا مت کیجئے ورنہ لوگ لا الہ الا اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائینگے — جس طرح ان کے فرزند کو یہ خطرہ تھا کہ لوگ تیمم پر بھروسہ کریں گے اور

اسی طرح نماز پڑھنے لگیں گے لہٰذا نماز کا ترک کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

کاش ان حضرات نے نصوص کو اپنے حال پر رہنے دیا ہوتا اور اپنے بے بنیاد اجتہادات سے شریعت کو برباد کر کے اور محرمات کو مباح کر کے امت میں افتراق پیدا کرنے کا عمل نہ کیا ہوتا تو آج مختلف مذاہب و آراء اور متعدد فرقوں کے درمیان امت اسلامیہ کی تقسیم نہ ہوتی اور باہمی اختلافات اور خونریزی کا سلسلہ نہ ہوتا۔

حضرت عمر کے ان تمام مواقف اور اقدامات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کا اعتقاد عصمت رسول پر ہرگز نہیں تھا اور آپ انہیں ایک عام انسان جیسے سمجھتے تھے۔ جو صحیح بھی کہہ سکتا ہے اور غلطی بھی کر سکتا ہے۔ اور اسی لئے علماء اسلام میں یہ نظریہ پیدا ہوگیا کہ رسول اکرمؐ صرف تبلیغ قرآن میں معصوم تھے اور باقی معاملات میں ان کے یہاں دوسرے افراد کی طرح غلطی کے امکانات پائے جاتے تھے۔ اور اسی لئے حضرت عمر نے مختلف مقامات پر آپ کی غلطیوں کی اصلاح بھی کی ہے:۔

اور ظاہر ہے کہ اگر رسول اکرمؐ کی یہی حیثیت ہے جو بعض جاہلوں نے بیان کی ہے کہ آپ گھر میں آرام فرما رہے تھے اور عورتیں دف بجا رہی تھیں اور شیطان لہو و لعب میں مصروف تھا کہ اچانک حضرت عمر آگئے اور دیکھ کر شیطان فرار ہوگیا اور عورتوں نے سارے دف چھپا دیئے تو آپ نے فرمایا کہ "عمر! شیطان تمہیں کسی راستہ پر جاتے ہوئے دیکھتا ہے تو راستہ بدل دیتا ہے اور ادھر آنے کی ہمت نہیں کرتا ہے" تو کوئی بعید نہیں ہے کہ مذہب کے معاملہ میں عمر کی ایک رائے ہو جو رسول اکرمؐ کی رائے سے متعارض ہو۔ اور سیاست کی طرح دین میں بھی ان کی رائے کو رسول اکرمؐ کے فرمان پر مقدم کر دیا جائے۔ جیسا کہ انہوں نے بشارت جنت کے

معاملہ میں اظہار فرمایا ہے۔

اس اجتہاد در مقابل نص کے نظریہ نے بہت سے صحابہ کی عظمت و انفرادیت کو جنم دیا ہے جن میں سر فہرست عمر بن الخطاب کا نام ہے اور سب نے مل کر پنجشنبہ کے دن نص صریح کی مخالفت کی تھی اور قلم دوات دینے سے منع کر دیا تھا۔ اور یہیں سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان صحابہ نے نص غدیر کو ایک دن کے لئے بھی قبول نہیں کیا تھا۔ اور اس کے واضح انکار کا موقع وفات پیغمبرؐ کے بعد ملا جس میں سقیفہ میں اجتماع کر کے ابو بکر کا انتخاب کر لیا۔ اور اسے بھی ایک اجتہاد قرار دیدیا۔ جسکے نتیجہ میں خلافت کی تمام نصوص کو سترد کر دیا گیا اور ہر معاملہ میں اجتہاد کا دروازہ کھل گیا۔ اور کتاب خدا کے مقابلہ میں جسارت کرکے حدود کو معطل، احکام کو مبدل کر دیا گیا اور وہ قیامت خیز سانحہ پیش آیا جسے حضرت فاطمہؑ نے اپنے شوہر کے خلافت سے محرومی کے بعد برداشت کیا۔ اور پھر مانعین زکوٰۃ کا قتل عام ہوا۔ اور یہ سب "اجتہاد در مقابل نص" کے نتیجہ کے طور پر ہوا۔

اور اس کے بعد عمر بن الخطاب کی خلافت اسی اجتہاد کے نتیجہ میں سامنے آئی اور ابو بکر نے اس شوریٰ کو نظر انداز کر دیا۔ جس سے اپنی خلافت کی صحت پر استدلال کیا کرتے تھے۔ اور عمر نے سنّت کو بھی گیلا کر دیا کہ امور مسلمین پر قبضہ کر کے حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال بنا دیا۔ (سنن ابو داؤد ا ۲۴۳)

اس کے بعد عثمان کا دور آیا تو وہ سو قدم اور آگے چلے گئے اور انہوں نے اپنے سابقین کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور سیاست و مذہب کے میدان میں اجتہاد کا بازار گرم کر دیا۔ یہاں تک کہ انقلاب برپا ہو گیا اور انہیں اپنے اجتہاد کی مکمل قیمت ادا کرنی پڑی۔

ان حالات کے بعد امام علیؑ کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی تو آپ کے سامنے

سب سے بڑا مسئلہ قوم کو سنت نبوی اور قانون الٰہی کی طرف واپس لانے کا تھا جس کے لئے آپ نے پوری پوری کوشش کی کہ بدعتوں کو زائل کیا جائے اور سنت کو قائم کیا جائے لیکن قوم نے " واسنۃ عمراہ " کا نعرہ بلند کر دیا۔ اور برے عقیدہ کی بنا پر جن لوگوں نے حضرت علیؑ سے اختلاف کیا تھا یا ان سے جنگ کی تھی سب اس حادثہ کے مارے ہوئے تھے کہ آپ قوم کو صحیح راستہ پر لانا چاہتے تھے اور بدعتوں کو فنا کر کے نصوص صریحہ کو زندہ کرنا چاہتے تھے جہاں چوتھائی صدی کے ذاتی اجتہاد کا خاتمہ کرنا تھا۔ اور عوام کو اس طریقہ کار سے الگ کرنا تھا جہاں ہوا و ہوس اور بندگان حرص و طمع نے مال خدا کو ذاتی جائداد اور بندگان خدا کو اپنا خادم و غلام بنا لیا تھا۔ گھروں میں سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور مستضعف افراد معمولی سے معمولی حقوق سے محروم ہو گئے تھے۔

اور ہم نے تو ہر دور کے مستکبرین کو ایسا ہی دیکھا ہے کہ انہیں ایسے اجتہاد سے بے حد دلچسپی رہی ہے جو انہیں ان کے خواہشات تک پہونچانے کا راستہ ہموار کر دے جب کہ نصوص صریحہ کا منشا یہ رہا ہے کہ اس راستہ کو روک دیا جائے اور ان کے مقاصد کی راہ میں دیوار کھڑی کر دی جائے۔

پھر اس اجتہاد کو ہر دور میں انصار و اعوان بھی مل گئے اور خود مستضعفین نے بھی سہولت کے پیش نظر اس راستہ کو اپنا لیا۔ اور ہر طرح کی پابندی سے نجات حاصل کر لی۔

نص کا راستہ التزام اور عدم حریت خواہشات کا راستہ تھا جسے رجال سیاست کی اصطلاح میں خدائی راستہ کہا جاتا ہے جبکہ اجتہاد کا راستہ عوامی راستہ تھا۔ اور کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے وفات پیغمبرؐ کے بعد سقیفہ میں اجتماع کیا تھا انھوں نے خدائی حکم کو نظر انداز کر کے ڈیموکریسی کا راستہ اختیار کیا تھا۔ جہاں قوم

خود اپنے نیک و بد کا فیصلہ کرتی ہے اور خدا کو بھی یہ اختیار نہیں دیا جاتا ہے۔ — حالانکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ صحابہ کرام کو ڈیموکریسی کے لفظ کا بھی علم نہیں تھا۔ اور وہ صرف نظام شوریٰ سے باخبر تھے جس کا اطلاق ابوبکر کے انتخاب پر بھی نہیں ہو سکا اس لئے کہ سقیفہ میں جمع ہونے والے افراد کے پاس امت کی نمائندگی کی کوئی سند نہیں تھی۔

آج یہ نص خلافت کے منکر اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ دنیا میں ڈیموکریسی کی ابتدا اسلام سے ہوئی ہے اور اس کا پہلا تجربہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا ہے۔ اور یہ وہی اجتہاد ہے جو نص کے مقابلہ میں لایا گیا تھا اور اس کے ذریعہ اسلام کو مغربی افکار سے قریب تر کر دیا گیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں آج تک مغربی ممالک انہیں ترقی پسند قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے اسلام کو سہولت اور آسانی کا اسلام قرار دیتے ہیں۔ اور نصوص الٰہیہ پر عمل کرنے والوں کو متشدد اور بنیاد پرست جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے اور شیعوں کا تعلق اسی دوسری قسم سے قرار دیا جاتا ہے جو حکم الٰہی اور شوریٰ کا فرق جانتے ہیں اور شوریٰ کا محل وہاں قرار دیتے ہیں جہاں کوئی نص موجود نہ ہو — ورنہ نص کے ہوتے ہوئے کسی شوریٰ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ رب کریم نے خود رسول اکرم کا انتخاب کرنے کے بعد ان سے فرمایا تھا کہ "اپنے معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو" (آل عمران ۱۵۹) اور قائدین بشریت کے انتخاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ "تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے تمہیں انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (قصص ۶۸)

اور اسی بنا پر شیعہ حضرت علیؑ کی خلافت اور امامت کے قائل ہیں اور دوسرے

صحابہ پر تنقید کرتے ہیں اور وہ بھی انہیں صحابہ پر تنقید کرتے ہیں جنہوں نے نص کو اجتہاد سے بدل دیا ہے اور حکم خدا و رسول کو ضائع کر دیا ہے اور اسلام میں ایسا رخنہ پیدا کر دیا ہے جو پر ہونے والا نہیں ہے۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی حکومتوں اور ان کے مفکرین شیعوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور تعصب کا الزام دیکر رجعت پسند قرار دیتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی طرف رجوع کر کے چور کے ہاتھ کاٹنے کے قائل ہیں اور زناکار کے سنگسار کرنے کے قائل ہیں۔ اور پھر راہ خدا میں جہاد کو ضروری سمجھتے ہیں جو ان لوگوں کی نگاہ میں وحشت اور بربریت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مجھے اس تحقیق کے دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے دوسری صدی ہجری سے اجتہاد کا دروازہ کیوں بند کر دیا تھا اور شیعوں کے یہاں یہ دروازہ آج تک کیوں کھلا ہوا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ اہلسنت نے نص کے مقابلہ میں اجتہاد کا دروازہ کھول کر ان مصائب اور خونریز جنگوں کا سامنا کیا ہے جہاں خیرات باہم دست و گریبان رہنے والی امت میں تبدیل ہو گئی اور سامراجیت کا دور دورہ ہو گیا قبائلی نظام رائج ہو گیا۔ اور اسلام جاہلیت میں تبدیل ہو گیا۔ جس کے بعد اس سلسلہ کا روکنا ضروری ہو گیا۔ لیکن شیعوں کے یہاں یہ دروازہ اس وقت تک کھلا رہیگا جب تک نصوص باقی ہیں اور آیات و احادیث کا وجود قائم ہے اس لئے کہ ان کے یہاں اجتہاد ان نصوص کے مفہوم کے ادراک کا نام ہے ان سے مقابلہ کرنے کا نام نہیں ہے۔

اس بحث سے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اہلسنت نے سنت نبوی کے لکھنے سے روکنے کی بنا پر اپنے کو اکثر معاملات میں بے سہارا پایا۔ اور نتیجہ میں قیاس، رائے استحسان اور سد باب ذرائع وغیرہ کا سہارا لینا پڑا لیکن شیعوں کو اس لاوارثی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور انہوں نے حضرت علیؑ کی شخصیت کو اپنا مرکز شریعت قرار دیدیا

جو باب مدینہ علم پیغمبرؐ تھے اور ان کا مسلسل اعلان تھا کہ جو چاہو دریافت کر لو کہ مجھے رسول اکرمؐ نے علم کے ہزار باب تعلیم کئے ہیں اور میں نے ہر باب سے ہزار باب کھولے ہیں۔ (تاریخ دمشق ابن عساکر ۳ ص ۴۸۴، مقتل الحسین خوارزمی ۱ ص ۳۸، الغدیر ۳ ص ۱۲۰)

غیر شیعہ افراد نے معاویہ کے گرد حلقہ باندھا تھا جس کے پاس سنت رسولؐ کا علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور وہ امیر المومنین حضرت علیؑ کے بعد باغیوں کا امام ہونے کے لئے امیر المومنین بھی بن گیا تھا۔ اور اس نے اپنے پیش رو افراد سے زیادہ نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد کیا تھا اور اہلسنت اسے کاتب وحی اور عالم مجتہد کا ہی درجہ دیتے رہے۔ حالانکہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ شخص کس طرح مجتہد قرار دیا جا سکتا ہے جس نے فرزند رسولؐ سردار جوانان جنت امام حسنؑ کو زہر دیا ہو اور ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہو — مگر یہ کہ اسے بھی اجتہاد قرار دیا جائے اور خطائے اجتہادی کا درجہ دیدیا جائے۔

بھلا معاویہ کیسا مجتہد ہے کہ اس نے جبر و قہر کے ساتھ اپنے لئے اور پھر اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت حاصل کی اور نظام شوریٰ کو قیصریت میں تبدیل کر دیا۔ اور حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کرام پر منبروں سے ۷۰ سال تک لعنت کرائی۔ مگر یہ کہ اسے بھی اجتہاد قرار دیدیا جائے۔

آخر معاویہ کو کاتب وحی کس اعتبار سے قرار دیا جاتا ہے جبکہ وحی کا سلسلہ ۲۳ سال تک جاری رہا اور معاویہ اس میں سے ۲۱ سال مشرک رہا اور پھر فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا اور کسی روایت میں نہ معاویہ کے مدینہ میں رہنے کا ذکر ہے اور نہ رسول اکرمؐ کے فتح مکہ کے بعد مکہ میں قیام کرنے کا تذکرہ ہے۔ تو کیا کاتب وحی ایسا ہی انسان ہوتا ہے؟ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

میرا سوال اپنے مقام پر قائم ہے کہ ان دونوں فریقوں میں کون حق پر ہے

اور کون باطل پر۔ علیؑ اور ان کے ساتھی ظالم اور باطل پر ہیں۔ یا معاویہ اور اس کے پیروکار ظالم اور باطل پر ہیں؟

حقیقت امر یہ ہے کہ رسول اکرم نے ہر مسئلہ کو واضح کر دیا تھا لیکن اہلسنت، سنت کے اتباع کا دعویٰ کرنے کے باوجود انحراف سے کام لیتے ہیں اور بعد پر بحث و تحقیق سے بات واضح ہو چکی ہے کہ معاویہ سے دفاع کرنے والے بنی امیہ اور ان کے پیروکار ہیں جن کا سنت رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے خصوصاً اگر ان کے مواقف اور حرکات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان افراد کو شیعیان علیؑ سے نفرت ہے اور یہ عاشورا کو عید کا درجہ دیگر ان صحابہ سے دفاع کرتے ہیں جنہوں نے رسول اکرمؐ کو زندگی میں اور مرنے کے بعد ہر حال میں اذیت دی تھی۔ اور ان کی غلطیوں کو صحیح قرار دیگر ان کے اعمال کی توجیہ و تاویل کرنا چاہتے ہیں۔

میں اپنے برادران اہلسنت سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر آپ کس طرح علیؑ اور اہلبیت سے محبت کرتے ہیں جب کہ ان کے دشمنوں اور قاتلوں کو بھی رضی اللہ عنہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کس طرح اللہ اور رسول سے محبت کرتے ہیں جب کے ایسے لوگوں سے دفاع کرتے ہیں جنہوں نے احکام خدا و رسولؐ کو بدل دیا اور احکام الٰہیہ کے معاملہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا۔

آپ ان لوگوں کا کس طرح احترام کرتے ہیں جنہوں نے رسول اکرم کا احترام نہیں کیا۔ اور انہیں ہذیان گو قرار دیدیا۔ اور ان کے فیصلوں کو ٹھکرا دیا۔

آپ ان ائمہ کی کس طرح تقلید کرتے ہیں جنہیں اموی اور عباسی حکمرانوں نے سیاسی اغراض کے تحت امام مقرر کیا تھا۔ اور پھر ائمہ طاہرینؑ کو نظر انداز کر دیتے ہیں جنکے نام اور ان کے تعداد کی وضاحت خود رسول اکرمؐ نے فرمائی تھی۔ (صحیح بخاری ۴/۱۶۴، صحیح مسلم ۲/۱۹۱ باب الناس تبع لقریش ینابیع المودة، قندوزی حنفی)

آپ ان ائمہ کی تقلید کرتے ہیں جنہیں نبی کریم کا مکمل عرفان حاصل نہیں تھا اور باب مدینۃ العلم کو ترک کر دیتے ہیں جو ان کے لئے ویسا ہی تھا جیسے جناب موسیٰ کے لئے ہارون؟

پھر آخر یہ اہلسنت والجماعت کی اصطلاح کا موجد کون ہے ؟

میں نے تاریخ میں بہت جستجو کی ہے تو اس قدر ملا کہ جس سال معاویہ نے حکومت پر قبضہ کیا ہے اسے "عام الجماعۃ" کہا جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ عثمان کے بعد امت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی، شیعیان علیؑ اور اتباع معاویہ ـــــ اور پھر امام علی کی شہادت کے بعد معاویہ نے امام حسنؑ سے صلح کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھدیا۔ جس کا مطلب یہ ہے اہلسنت والجماعۃ کا مفہوم معاویہ کی سنت کے ماننے والے اور اس کی حکومت پر اجتماع کرنے والے ہیں اس کا سنت رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ سنت رسول کو ان کی اولاد اور ذریت سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے کہ گھر کی بات گھر والے ہی بہتر سمجھتے ہیں اور اہل مکہ اپنے گھاٹیوں سے بہتر واقف ہیں"

لیکن افسوس کہ ہم نے ائمہ اثناء عشر کی مخالفت کی جنکے بارے میں رسول اکرمؐ نے نص فرمائی تھی اور ان کے دشمنوں کا اتباع کر لیا۔ جب کہ ہم ان روایات کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ جن میں رسول اکرمؐ نے صاف صاف اعلان فرمایا ہے کہ میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے اور سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ لیکن ہمارے برادران اہلسنت چار ہی خلیفہ پر رک جاتے ہیں۔

شاید معاویہ ہی نے ہمیں اہلسنت والجماعت کا نام دیا تھا تو اس کا مقصد سب علیؑ کی سنت تھی جس کا سلسلہ ۶۰ برس تک جاری رہا اور جسے عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ کوئی نہ روک سکا اور اس نے بھی روک دیا تو بعض مورخین کے

بیان کے مطابق بنی امیہ ہی نے اس کے قتل کی سازش کی تھی تو صرف اس لئے کہ اس نے سنت یعنی حضرت علیؑ بن ابی طالب پر لعنت کو بند کر دیا۔

برادران اسلام آیئے خدا کی ہدایت کا سہارا لیکر۔ حقیقت کو تلاش کریں۔ ہم سب بنی امیہ اور بنی عباس کے مارے ہوئے ہیں اور ایک تاریک تاریخ کے شہید ہیں۔ ہمیں اس جمود فکری نے تباہ کر دیا ہے جسے ہمارے بزرگوں نے ہمارے سروں پر مسلط کر دیا ہے۔ ہم اس مکر و فریب کے شہید ہیں جس کا سلسلہ معاویہ، عمرو عاص، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ نے جاری کیا تھا۔

آیئے اسلامی تاریخ کا واقعی مطالعہ کریں اور حقائق کا پتہ لگائیں تاکہ دہرے اجر کے حقدار بنیں۔ شاید خدا ہمارے ذریعہ اس یتیم اور ۷۳ فرقوں میں بٹی ہوئی امت پر رحم کر دے۔ اور ہم اسے توحید و رسالت اور اتباع اہلبیت کے پرچم تلے جمع کر سکیں جن کے بارے میں حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ان سے آگے نہ بڑھو کہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان سے الگ بھی نہ رہ جاؤ کہ تباہ ہو جاؤ گے۔ انہیں تعلیم دینے کی کوشش نہ کرو کہ یہ تم سے بہتر جاننے والے ہیں۔" (درمنثور ۲ ص۶۰، اسد الغابہ ۳ ص۱۳۷، صواعق محرقہ ۱۴۸، ینابیع المودۃ ص۴۱، ۳۳۵، کنز العمال ۱ ص۱۶۸، مجمع الزوائد ۹ ص۱۶۳)

اگر ہم نے یہ کام انجام دے لیا تو خدا اپنے غضب کو برطرف کر دے گا اور ہمارے خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ ہمیں زمین میں اقتدار عنایت کریگا اپنی خلافت سے نوازے گا اور اپنے ولی خاص امام مہدیؑ کو ظاہر کر دے گا۔ جس کے بارے میں رسول اکرمؐ کا وعدہ ہے کہ وہ ظلم و جور کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف کی حکومت قائم کر دے گا۔

احباب کیلئے دعوت فکر و نظر

درحقیقت عقیدہ کی تبدیلی سے میری روحانی سعادت کا آغاز ہو گیا تھا اور میں اپنے ضمیر کو مطمئن اور اپنے دل کو مذہب حق یا حقیقی اسلام کے لئے کشادہ پانے لگا تھا۔ میرے دل میں فرحت و مسرت اور افتخار و انبساط کا دور دورہ تھا۔ کہ پروردگار نے مجھے ہدایت اور رشاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اور اب میرے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ میں اپنے دل میں کروٹیں لینے والے جذبات کو پوشیدہ رکھ سکوں اور حقیقت کے ادراک پر خاموش رہ جاؤں۔ چنانچہ میرے دل نے آواز دی کہ حقیقت کا اظہار ضروری ہے اور "نعمت خدا کا بیان انسانیت کی ذمہ داری ہے" اور یہی دنیا و آخرت کی سب سے بڑی سعادت ہے اور نیک بختی ہے۔ ورنہ "حق کے معاملہ میں خاموش رہ جانے والا گونگا شیطان کہا جاتا ہے۔" اور حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اور جس چیز نے میرے اس شعور کو مزید یقین عطا کیا وہ رسول اکرمؐ اور اہلبیت طاہرینؑ سے محبت رکھنے والوں سے اہلسنت کی برائت و بیزاری کا سلوک تھا۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ تاریخ کے تانے بانے بکھیر دیئے جائیں اور حقیقت کے چہرہ کو بے نقاب کر دیا جائے تاکہ لوگ حق کا اتباع کر سکیں اور ان پر نعمت خدا کی تکمیل ہو جائے جس طرح کہ خود میں بھی انہیں حالات سے گذرا ہوں "پہلے تم بھی اسی طرح تھے وہ تو تمہارے اوپر احسان کر دیا ہے۔" (نساء ۹۴)

چنانچہ میں نے اپنے ساتھ کام کرنے والے چار استادوں کو اس امر کی طرف دعوت دی جن میں سے دو تربیت دینی کے استاد تھے اور ایک عربی ادب

استاد تھا۔ اور ایک اسلامی فلسفہ کا، ان میں سے کوئی ایک بھی قفصہ کا رہنے والا نہیں تھا بلکہ تیونس، جمال اور سوسہ وغیرہ کے رہنے والے تھے۔ میں نے ان سے بھی یہ مطالبہ کیا کہ میرے ساتھ اس اہم اور خطرناک بحث میں حصہ لیں اور میں نے اس طرح اظہار کیا کہ میں بعض مفاہیم کے ادراک سے قاصر ہوں اور بعض مسائل میں تشکیک کا شکار ہوں لہٰذا یہ حضرات میرے اس شک کا علاج کریں۔۔۔ چنانچہ سب نے کام تمام کرنے کے بعد میرے گھر آنے کا وعدہ کر لیا اور میں نے مطالعہ کے لئے "کتاب المراجعات" ان کے حوالے کر دی اس اظہار کے ساتھ کہ اس کے مصنف نے عجیب وغریب قسم کے دعوے کئے ہیں۔۔۔ چنانچہ تین افراد نے اس کتاب کو بیحد پسند کیا۔ اور چوتھے نے چار پانچ نشستوں کے بعد ہم سے قطع تعلق کر لیا اور یہ کہا کہ "عرب چاند پر کمند ڈالنے کی فکر میں ہیں اور تم اسلامی خلافت کے بارے میں بحث کر رہے ہو۔"

ایک مہینہ تک اس کتاب پر بحث کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ان میں سے تین افراد راہ حق پر آگئے۔ اور میں نے منزل حقیقت تک پہونچنے میں ان کی ہر امکانی مدد بھی کی کہ یہ کام میرے لئے آسان ہو چکا تھا اور میں وسعت مطالعہ کی بنا پر قریب ترین راستہ سے حق تک پہونچانے کا کام انجام دے سکتا تھا۔ میں نے ہدایت کی شیرینی کو محسوس کر لیا تھا اور میں مستقبل کے بارے میں بہت کچھ خوش بین بھی تھا چنانچہ میں برابر قفصہ کے افراد کو مدعو کرتا رہا اور جن جن افراد سے صوفی حلقات یا مذہبی جلسات میں میرا رابطہ تھا سب کو اس مسئلہ پر غور کرنے کی دعوت دیتا رہا میں نے اپنے بعض شاگردوں کو بھی دعوت فکر دی اور خدا کا شکر ہے کہ سال تمام نہ ہونے پایا تھا کہ ہماری ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی۔ جو اہلبیت رسولؐ سے محبت کرنے والی اور ان کے دشمنوں سے نفرت کرنے والی تھی۔ ہم ان کی خوشی میں خوشی منانے لگے اور ایام عاشورا میں مجالس عزا قائم کرنے لگے۔

میں نے اپنے ہدایت یافتہ ہونے کی خبر سب سے پہلے السید الخوئی اور السید محمد باقر الصدر کو دی جب میں نے عید غدیر کی مناسبت سے قفصہ میں پہلی مرتبہ جشن کا انعقاد کیا اور ہر خاص و عام میں اس امر کی شہرت ہو گئی کہ میں نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا ہے اور آل رسولؐ کی پیروی کی دعوت دے رہا ہوں جس کے بعد الزامات اور تہمتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور مجھے اسرائیل کا جاسوس قرار دیا جانے لگا کہ میں لوگوں کے دین میں تشکیک کرتا ہوں اور صحابہ کرام کو گالیاں دیتا ہوں اور قوم میں فتنہ و فساد پیدا کر رہا ہوں۔

میں نے تیونس میں اپنے دو دوست راشد الغنوشی اور عبد الفتاح مورو سے ملاقات کی جن سے میرا جھگڑا شدید ہو چکا تھا۔ اور ایک دن جب میں نے عبد الفتاح کے گھر میں بحث کے دوران یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں اپنی تاریخ اور اپنی کتابوں پر نظر ثانی کرنا چاہیئے۔ اور ان کے مندرجات پر غور کرنا چاہیئے مثال کے طور پر بخاری میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ دین ـــ تو دونوں کو بیحد غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ آپ کی حقیقت کیا ہے کہ آپ بخاری پر تنقید کریں گے۔ میں نے بہت چاہا کہ وہ میری تحقیق میں شریک ہو جائیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ اگر آپ شیعہ ہو گئے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ نہیں ہیں اور ہمارے پاس اس سے زیادہ اہم یہ مسئلہ ہے کہ ہم ایسی حکومت کا مقابلہ کریں جو اسلام پر عمل نہیں کرتی ہے ـــ میں نے کہا کہ اس کا فائدہ کیا ہے اگر حکومت آپ حضرات کے ہاتھ میں آ گئی تو آپ اس سے بدتر اقدامات کریں گے اور آپ کو خود بھی حقیقت اسلام کا علم نہیں ہے اور نہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں جس پر وہ حضرات بیزار ہو کر چلے گئے اور اس کے بعد ہمارے خلاف پروپیگنڈے اور شدید تر ہو گئے اور اخوان المسلمین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں حکومت کا ایجنٹ ہوں اور مسلمانوں کو

شک مبتلا کر کے اس تحریک سے الگ کرنا چاہتا ہوں جو حکومت سے مقابلہ کے لئے چلائی جا رہی ہے اور اس طرح میں ان نوجوانوں سے بالکل الگ ہو گیا جو اخوان المسلمین کی تحریک کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اور ان شیوخ سے بھی کٹ کر رہ گیا جو صوفی طریقوں کو اپنائے ہوئے تھے اور میری زندگی انتہائی سخت ہو گئی کہ ہم اپنے دیار میں بھی غریب الوطن ہو گئے اور اپنے عشیرہ اور قبیلہ میں بھی اجنبی معلوم ہونے لگے۔

یہ تو خدا کا فضل و کرم تھا کہ اس نے ہمیں دوسرے رفقا و احباب دیدیئے اور ہمارے پاس دوسرے شہروں سے نوجوان آنے لگے۔ اور حقائق کا علم حاصل کرنے لگے۔ اور اس کے نتیجہ میں راہ حق پر آنے لگے کہ میں نے ان کو مطمئن کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا۔ اور اس طرح دار الحکومہ، اور قیروان، سوسہ، سیدی بوزید وغیرہ میں مومنین کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ پھر میں نے گرمی کی تعطیل میں عراق کے سفر کے دوران یورپ میں فرانس وغیرہ میں اپنے بعض احباب سے ملاقات کی اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا تو بحمد اللہ وہ بھی راہ راست پر آ گئے۔

میں اپنی فرحت و مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ جب میں نے نجف اشرف میں السید محمد باقر الصدر سے ملاقات کی اور انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے علماء و افاضل کی جماعت سے میرا تعارف اس طرح کرایا کہ "یہ شخص تیونس میں مذہب آل محمدؐ اور تشیع کا پہلا بیج اور سنگ بنیاد ہے"۔ اور اس کے بعد اس امر کا اظہار فرمایا کہ جب میں نے انہیں پہلی مرتبہ منعقد ہونے والے جشن غدیر اور اپنے تشیع کے ساتھ اپنے اوپر ہونے والے حملوں اور عائد کئے جانے والے الزامات سے باخبر کیا تھا تو انہوں نے کافی گریہ فرمایا تھا۔ اور پھر ہم سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ "مشقتوں کو برداشت کرنا ضروری ہے کہ اہلبیتؑ کا راستہ انتہائی دشوار اور مشکل ہے۔ ایک شخص سرکار دو عالمؐ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ امتحانات کی کثرت کے لئے آمادہ ہو جا ــــــ اس نے کہا کہ میں آپ کے ابن عم علیؑ بن ابی طالب کو بھی دوست رکھتا ہوں ــــــ فرمایا کہ کثرت اعداء کے لئے بھی آمادہ ہو جا ــــــ! اس نے کہا کہ میں آپ کے فرزند حسنؑ و حسینؑ کو بھی دوست رکھتا ہوں ــــــ فرمایا فقر و بلاء کے لئے بھی تیار ہو جا۔" اور ہم نے حق و حقیقت سے دفاع کرنے میں کیا دیا ہے۔ جس طرح کہ امام حسینؑ نے اس کی قیمت اپنے خون سے ادا کی ہے اور اپنے اصحاب و اقرباء کی قربانی دی ہے اور ان کے شیعہ تاریخ کے ہر دور میں اور آج بھی اپنی محبت کی قیمت ادا کر رہے ہیں لہٰذا عزیز من راہ خدا میں قربانی اور مصائب کا برداشت کرنا ضروری ہے کہ اگر خدا نے تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدی تو دنیا و ما فیہا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔

جناب سید الصدر نے مجھے یہ بھی نصیحت کی کہ خبردار گوشہ نشین ہو کر نہ بیٹھ جانا۔ اور اپنے احباب سے تعلقات کو بہر حال برقرار رکھنا اگرچہ وہ تم سے دور ہٹتا جا رہیں گے لیکن نماز انہیں کے ساتھ پڑھنا تاکہ قطع تعلق نہ ہونے پائے۔ اور عوام الناس کو بے قصور سمجھنا کہ یہ سب پروپیگنڈے اور تحریف شدہ تاریخ کے مارے ہوئے ہیں" اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کو نہیں جانتا ہے اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔

اسی طرح السید الخوئیؒ نے بھی مجھے یہی نصیحت فرمائی اور السید محمد علی الطباطبائی الحکیم بھی برابر اپنے خطوط میں ایسی ہی نصیحتوں سے سرفراز فرماتے رہے جس سے میرے ہم مسلک افراد نے کافی فائدہ اٹھایا۔

میں نے نجف اشرف اور علماء نجف اشرف کی مختلف مناسبات میں بارہا زیارت

کی ہے اور میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ ہر سال گرمیوں کی چھٹی کا زمانہ امام علیؑ کی بارگاہ میں گذاروں گا اور السید محمد باقر الصدر کے درس میں حاضر ہوتا رہونگا کیونکہ ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ اور ان کی صحبت نے مجھے بیحد فائدہ پہونچایا تھا جس طرح کہ میں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ بارہ اماموں کی زیارت کا شرف بھی حاصل کروں گا چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ آرزو بھی پوری ہو گئی اور میں نے امام رضاؑ کی بھی زیارت کر لی جن کا مزار مقدس روس کی سرحد کے قریب مشہد (ایران) میں ہے اور وہاں بھی میں نے بہت سے علماء سے ملاقات کی ہے اور ان سے علمی استفادہ کیا ہے۔

جس طرح کہ میرے مقلَّد السید الخوئی نے مجھے خمس و زکوٰۃ کے اموال میں تصرف کرنے کی وکالت بھی دیدی ہے جس کے نتیجہ میں میں نے اپنے برادران کی کافی خدمت کی ہے اور ان کے واسطے برابر کتابیں وغیرہ فراہم کرتا رہا ہوں اور ایک عظیم مکتبہ بھی قائم کر دیا ہے جس میں فریقین کی تمام کتابیں اور تحقیق کا سارا مواد موجود ہے۔ اس مکتبہ کا نام "مکتبہ اہل البیتؑ" ہے اور اس نے کافی افراد کو ہدایت کا راستہ دکھلایا ہے۔

رب کریم نے میری فرحت و مسرت و سعادت کو اس وقت اور دوبالا کر دیا جب تقریباً ۱۵ سال قبل قفصہ کی بلدیہ کے کاتب عام کو یہ توفیق حاصل ہوئی کہ اس نے میری خواہش پر میرے مکان کے راستہ کا نام "شارع الامام علی ابن ابیطالبؑ" رکھدیا۔ اب میرا فرض ہے کہ میں اس کی اس عنایت کا شکریہ ادا کروں کہ وہ باعمل مسلمانوں میں ہے اور اسے امام علیؑ سے کافی محبت ہے اور ان کی طرف کافی رجحان رکھتا ہے۔ میں نے اسے بھی کتاب "المراجعات" دی ہے اور وہ میرے ساتھیوں کے ساتھ کافی محبت اور احترام کا برتاؤ کرتا ہے۔ خدا اسے جزائے خیر دے

اور اس کی مرادوں کو پورا کرے۔ اگرچہ بعض حاسدوں اور معاندوں نے چاہا تھا کہ اس تختی کو ہٹا دیا جائے لیکن ان کی تدبیریں کارگر نہ ہوئیں اور بحمد اللہ وہ تختی باقی ہے اور اب ساری دنیا سے آنے والے خطوط پر "شارع الامام علیؑ" لکھا ہوتا ہے اور میرا شہر اس مبارک نام کی برکت سے متبرک اور منور ہو گیا ہے۔

اب میں ائمۂ طاہرینؑ اور علمائے نجف اشرف کی نصیحت کے مطابق اپنے برادران اسلام سے قریبی تعلقات رکھتا ہوں اور ان کی جماعت میں برابر حاضری دیتا ہوں۔ جس کی بنا پر تعصب قدرے کم ہو گیا ہے اور بہت سے نوجوان میری طرف سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ انہوں نے میرے وضو میری نماز اور میرے عقائد کے بارے میں بار بار سوالات کئے ہیں اور میں نے سب کو کافی اور شافی جوابات دیئے ہیں۔

ہدایتِ حق

ایک روز کا واقعہ ہے کہ تیونس کے جنوب کے ایک دیہات میں ایک محفل عقد کے دوران چند عورتیں کسی شخص کی عورت کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں اور درمیان میں بیٹھی ایک ضعیف عورت اپنے استعجاب کا اظہار کر رہی تھی کہ فلاں عورت نے فلاں مرد سے کس طرح عقد کر لیا ہے اور وہ اس کی زوجہ کس طرح ہو گئی ہے جبکہ دونوں کو میں نے ہی دودھ پلایا ہے۔ اور دونوں رضاعی اعتبار سے بھائی بہن ہیں۔

ان عورتوں نے اس خبر کو اپنے مردوں سے نقل کیا اور ان لوگوں نے تحقیق کی تو لڑکی کے باپ نے بھی تصدیق کر دی۔ اور دونوں قبیلوں میں ایک قیامت برپا ہو گئی اور ایک جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ ہر ایک دوسرے قبیلہ پر الزام لگاتا تھا کہ اس

دھوکا دیا ہے اور اس عذاب عظیم میں مبتلا کیا ہے۔ اتفاق امر کہ اس رشتہ کو دس سال گذر چکے تھے اور تین بچے بھی پیدا ہو چکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورت اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اس نے کھانا پینا ترک کر کے خودکشی کا پروگرام بنا لیا کہ اس نے اپنے بھائی سے عقد کیا ہے اور اس سے بچے بھی پیدا کئے ہیں اور ادھر بچے بھی لاوارث ہو گئے تھے ۔ اور یہ جنگ بعض شیوخ کی مداخلت پر رک گئی تھی۔ لیکن استفتاوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور علاقہ کے مختلف علماء سے مسئلہ دریافت کیا گیا تھا۔ اور سب نے حرمت کا فتویٰ دیدیا تھا اور اپنے اپنے اعتبار سے کفارہ بھی معین کر دیا تھا۔ کہ اتفاقاً وہ لوگ قفصہ آئے اور یہاں کے علماء سے بھی دریافت کیا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا اس لئے کہ سب امام مالک کے مقلد تھے اور وہ ایک قطرہ دودھ پلانے سے بھی حرمت کے قائل ہیں اور ان کی نگاہ میں دودھ کا حکم شراب جیسا ہے کہ اس کا قلیل وکثیر حرام ہے۔

حسن اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شخص نے صاحب معاملہ کو تنہائی میں لے جا کر کہا کہ یہاں ایک شخص اور بھی ہے آپ اس سے دریافت کریں کہ وہ تمام مذاہب سے باخبر ہے اور میں نے اسے تمام علماء سے بحث کرتے اور انہیں شکست دیتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ بات مجھ سے اس عورت کے شوہر نے ملاقات کے دوران حرف بحرف نقل کی اور آخر میں کہا کہ حضور میری عورت خودکشی کرنا چاہتی ہے اور میری اولاد بالکل لاوارث ہو گئی ہے ہمارے پاس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے اور لوگوں نے ہمیں آپ کا پتہ بتایا ہے۔ ہمیں امید قوی ہے کہ یہاں کوئی بھلا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ہم نے پوری زندگی میں ایسا کتبخانہ نہیں دیکھا ہے جیسا کہ آپ کے پاس ہے۔

میں نے قہوہ پیش کیا اور تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد اس سے پوچھا کہ تم نے کتنی مرتبہ اس عورت کا دودھ پیا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ البتہ میری

زوجہ نے دو دیا تین مرتبہ دودھ پیا ہے جسکی گواہی اس کے باپ نے دی ہے کہ وہ دو دیا تین مرتبہ اس عورت کے گھر گیا تھا۔ میں نے کہا کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو تمہارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور عقد جائز اور صحیح ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ مسکین میرے قدموں پر گر پڑا اور ہاتھ پیر کے بوسے دینے لگا اس نے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ نے میری زندگی میں سکون کے دروازے کھول دیئے ہیں اور فوراً اٹھ کر چلا گیا۔ چائے بھی تمام نہیں کی اور کوئی سوال بھی نہیں کیا صرف باہر جانے کی اجازت لی۔ اور روانہ ہو گیا تاکہ اپنی زوجہ اور اپنی اولاد کو یہ خوشخبری سنائے۔

لیکن دوسرے دن واپس آیا تو اس کے ہمراہ سات افراد اور تھے۔ اور سب کا تعارف اس نے اس انداز سے کرایا کہ یہ میری زوجہ کے والد ہیں اور یہ میرے والد ہیں۔ یہ گاؤں کے رئیس ہیں اور یہ امام جمعہ و جماعت ہیں۔ یہ دینی رہنما ہیں اور یہ قبیلہ کے شیخ ہیں اور یہ ساتھ میں دینی مدرسہ کے مدیر ہیں۔ یہ آپ سے مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں۔

میں نے سب کو کتب خانہ میں بٹھایا۔ چائے پیش کی اور خوش آمدید کہا۔ ان لوگوں نے فرمایا کہ ہم آپ کے فتوی کے بارے میں بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آپ نے اس عمل کو کس طرح حلال کر دیا ہے، جسے قرآن کریم، رسول اکرمؐ اور امام مالک سب نے حرام قرار دیا ہے۔

میں نے عرض کی کہ آپ لوگ آٹھ آدمی ہیں اور میں تنہا ہوں۔ اگر میں تمام آدمیوں سے بات کروں گا تو میں ہرگز مطمئن نہ کر سکوں گا۔ اور بحث ضائع ہو جائیگی لہٰذا آپ کسی ایک آدمی کا انتخاب کریں، جس سے گفتگو کی جائے اور آپ حضرات درمیان میں حکم اور ثالث کا فرض انجام دیں۔!

ان لوگوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور مسئلہ کو دینی مرشد کے حوالے کر دیا کہ یہ سب سے زیادہ عالم اور ماہر ہیں۔ انہوں نے مجھ سے اس سوال کو دہرایا کہ آپ نے خدا، رسولؐ، امام کے حرام کو کس طرح حلال کر دیا ہے؟

میں نے عرض کی معاذاللہ میری مجال کیا کہ میں حرام کو حلال کر سکوں۔ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ خدا نے حرمت رضاع کا اعلان اجمالی طور پر کیا ہے اور اسکی تفصیل کو رسول اکرمؐ کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ کمیت اور کیفیت کا اعلان کریں۔

انہوں نے فرمایا ـــ تو امام مالک نے ایک قطرہ کی رضاعت کو بھی موجب حرمت قرار دیا ہے۔

میں نے عرض کی کہ مجھے معلوم ہے لیکن امام مالک تمام مسلمانوں کے لئے حجت نہیں ہیں ورنہ دوسرے ائمہ کا کیا حشر ہوگا۔

انہوں نے فرمایا کہ وہ سب خدا سے راضی تھے اور خدا ان سے راضی تھا۔ کہ سب نے اپنا مذہب رسول اکرمؐ ہی سے لیا ہے۔

میں نے عرض کی کہ جب سب کا مذہب رسول اکرمؐ سے ماخوذ ہے تو آپ نے امام مالک کو اختیار کرنے کا جواز کیا ہے جن کا فعل رسول اکرمؐ کے خلاف ہے انہوں نے حیرت سے فرمایا کہ یہ آپ نے کیا کہدیا کہ امام مدینہ حضرت مالک رسولؐ کے مخالف تھے؟ حاضرین نے بھی اس بات پر حیرت کا اظہار کیا۔ اور سب میری اس جسارت پر دہشت زدہ رہ گئے اس لئے کہ انہوں نے کسی اور سے اسطرح کی جرأت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔

میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ امام مالک صحابہ میں سے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں ـــ ۔ میں نے عرض کی کہ تابعین میں سے تھے؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ وہ تبع تابعین میں سے تھے۔!

میں نے عرض کی تو حضرت علی ابن ابیطالب رسول اکرمؐ سے قریب تر

ہیں یا امام مالک ؟

انہوں نے فرمایا کہ امام علیؑ۔ اس لئے کہ وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں اور ایک شخص نے مزید یہ اضافہ کیا کہ وہ باب مدینہ علم رسولؐ ہیں۔ تو میں نے سوال کیا کہ پھر آپ حضرات نے باب مدینہ علم کو چھوڑ کر ایک ایسے شخص کو کیوں اختیار کر لیا ہے جو نہ اصحاب میں سے ہے اور نہ تابعین میں سے۔ وہ مسلمانوں کے عظیم فتنہ اور مدینہ کے لشکر یزید پر تین دن تک مباح رہنے اور ان کی بے شمار بدکرداریوں کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ جب کہ بے شمار بہترین اصحاب کا قتل عام ہو چکا تھا اور کتنی حرمتیں ضائع ہو چکی تھیں۔ کتنی سنت رسول بدعت میں تبدیل کی جا چکی تھی اور کتنا مدینہ کا ماحول بدل چکا تھا۔ ایسے حالات میں انسان کسی ایسے امام سے کس طرح مطمئن ہو سکتا ہے۔ جن سے حکومت وقت صرف اس بنا پر راضی ہو کہ وہ اس کی خواہشات کے مطابق فتویٰ دے سکتا ہے۔؟

اس موقع پر ایک شخص نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ شیعہ ہیں اور حضرت علیؑ کی عبادت کرتے ہیں؟ لیکن دوسرے شخص نے اسے زور سے ٹھوکر مار کر کہا کہ خاموش رہو۔ تم اس قسم کی باتیں ایک ایسے پڑھے لکھے شخص کے بارے میں کہہ رہے ہو جبکہ میں نے تمام علماء کو دیکھا ہے اور کسی کے گھر میں اتنا بڑا کتبخانہ نہیں دیکھا ہے، جیسا یہاں ہے۔ یہ شخص پورے علم اور اعتماد کے ساتھ بولتا ہے اور اس کے حق میں اس طرح کی جسارت ممکن نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ یہ بات تو صحیح ہے کہ میں شیعہ ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ شیعہ حضرت علیؑ کی عبادت کرتے ہیں، ہاں وہ امام مالک کے بجائے امام علیؑ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور ان کو آپ ہی کی شہادت کے مطابق باب مدینۂ علم تسلیم کرتے ہیں۔ مرشد دین نے کہا کہ کیا امام علیؑ نے دودھ پینے والوں کے عقد کو جائز

قرار دیا ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ لیکن انہوں نے اس وقت حرام قرار دیا ہے جب دودھ پینے کی مقدار ۱۵ مرتبہ مسلسل ہو یا اس قدر ہو کہ گوشت اور پوست روئیدہ ہو جائے۔

یہ سننا تھا کہ زوجہ کے والد کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا اور اس نے کہا کہ الحمدللہ کہ میری بچی نے دودیا تین مرتبہ دودھ پیا ہے اور امام علی کا یہ ارشاد اس مصیبت سے نکل آنے کے لئے کافی ہے۔ یہ درحقیقت عالم یاس و حرمان میں ایک خدائی رحمت و بشارت ہے۔

مرشد نے فرمایا کہ ہمیں اس قول کی دلیل چاہئے تاکہ ہم مطمئن ہو سکیں۔ میں نے السید الخوئی کی کتاب "منہاج الصالحین" دیدی۔ انہوں نے باب رضاعت کا مطالعہ کیا اور پڑھ کر سب کو سنایا۔ جس پر تمام لوگ بیحد خوش ہوئے۔ خصوصاً وہ شوہر جو اس بات سے خوفزدہ تھا کہ اگر میں انہیں مطمئن نہ کر سکا تو اسکا کیا ہوگا۔

اس کے بعد ان لوگوں نے کتاب کو عاریۃً لے لیا تاکہ اہل قریہ کو دکھلا سکیں اور معذرت کرتے ہوئے دعائیں دیتے ہوئے تشریف لے گئے۔ ان کے گھر سے باہر نکلتے ہی ایک دشمن ساتھ لگ گیا اور انھیں علماء سوء میں سے ایک عالم کے پاس لے گیا۔ جس نے انہیں بتایا کہ میں اسرائیل کا ایجنٹ ہوں اور کتاب "منہاج الصالحین" از اول تا آخر صرف گمراہی ہے اور اہل عراق اہل کفر و نفاق ہیں۔ اور شیعہ اصل میں مجوسی ہیں جو بہنوں سے نکاح کو جائز جانتے ہیں۔ اور اس لئے اس شخص نے بھائی اور بہن کے عقد کو جائز کر دیا ہے۔ اور اس طرح کی دھمکیاں اسقدر شدید کر دیں کہ وہ لوگ اطمینان کے بعد پھر مشکوک ہو گئے۔ اور ہدایت کے بعد پھر منحرف ہو گئے اور شوہر کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ عدالت میں طلاق کا مقدمہ پیش کرے۔ اتفاق

کی ابتدائی عدالت نے مسئلہ کو دارالحکومت کی بڑی عدالت کی طرف موڑ دیا تاکہ ملک کے مفتیٔ اعظم کی طرف رجوع کیا جا سکے اور وہ اس مسئلہ کو حل کریں۔ شوہر نے دارالحکومت کا سفر کرکے ایک مہینہ وہاں قیام کیا تاکہ مفتیٔ اعظم کی خدمت میں باریاب ہوسکے اور اپنا قصہ بیان کرسکے۔ چنانچہ اس نے اول سے آخر تک پورا قصہ بیان کیا اور مفتیٔ اعظم نے ان تمام علماء کے بارے میں دریافت کیا جنہوں نے اس عقد کو جائز قرار دیا ہے۔ شوہر نے جواب دیا کہ تیجانی سماوی کے علاوہ کوئی عالم ایسا نہیں ہے جس نے اس عقد کو جائز قرار دیا ہو۔ مفتیٔ مملکت نے میرا نام نوٹ کرلیا اور شوہر سے کہا کہ واپس جائیں میں قفصہ کی عدالت کے قاضی کو خط لکھ رہا ہوں ــــ جس کے بعد ان کا خط واصل ہوا اور شوہر کے وکیل نے اسے اطلاع دی کہ مفتیٔ جمہوریہ نے اس عقد کو حرام قرار دیدیا ہے۔

یہ وہ قصہ ہے جسے مجھ سے خود شوہر نے بیان کیا ہے جس کے چہرے سے ضعف کے آثار نمودار تھے۔ اور وہ شدت تکان سے بیدم ہو رہا تھا۔ اس نے مجھ سے مسلسل معذرت کی کہ اس کی وجہ سے میں نے بہت زحمت برداشت کی ہے اور میرا کافی وقت ضائع ہوا ہے لیکن میں نے اس کے جذبات کا شکریہ ادا کیا اور اس بات پر اظہار حیرت کرتا رہا کہ مفتیٔ جمہوریہ نے کن بنیادوں پر اس عقد کو باطل قرار دیدیا ہے اور اس سے مطالبہ کیا کہ مجھے وہ خط دکھلادے جو مفتیٔ اعظم نے عدالت قفصہ کے نام بھیجا ہے تاکہ میں تونس کے اخبارات میں شائع کرسکوں اور مسلمانوں کو اس حقیقت سے باخبر کرسکوں کہ مفتیٔ جمہوریہ کس قدر جاہل آدمی ہے اور وہ مسئلہ رضاعت میں اسلامی فقہ سے کس قدر ناواقف ہے۔

لیکن شوہر نے معذرت کی کہ میں اس فائل کو نہیں دیکھ سکتا ہوں تو خط کہاں سے حاصل کرسکتا ہوں اور یہ کہکر چلا گیا۔

چند دنوں بعد مجھے رئیس محکمہ کی طرف سے مدعو کیا گیا کہ میں اپنی کتاب اور اس عقد کے باطل نہ ہونے پر اپنے دلائل پیش کر دوں۔ میں بہت سے مصادر لیکر عدالت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے اس موضوع پر مکمل تیاری کر رکھی تھی اور تمام کتابوں میں باب رضاعت پر نشانی رکھدی تھی۔ تاکہ بآسانی تلاش کیا جاسکے۔

میں وقت مقررہ پر عدالت میں حاضر ہوا تو جج صاحب کے کلرک نے میرا استقبال کیا اور مجھے جج صاحب کے چیمبر میں حاضر کر دیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ابتدائی عدالت کے مجسٹریٹ اور وکیل جمہوریہ تین ممبران سمیت حاضر ہیں اور سب خاص عدالتی لباس پہنے ہوئے ہیں جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں کسی قانونی جلسہ میں طلب کیا گیا ہوں اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس عورت کا شوہر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ہے۔

میں نے تمام حاضرین کو سلام کیا اور سب نے ایک نگاہ تحقیر و ذلت سے میری طرف دیکھا اور جیسے ہی میں نے بیٹھنے کا ارادہ کیا رئیس محکمہ نے نہایت تند لہجہ میں سوال کیا۔

آپ ہی تیجانی سماوی ہیں ؛ میں نے عرض کیا بیشک۔

فرمایا آپ ہی نے اس مسئلہ میں عقد کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

میں نے کہا کہ میں مفتی نہیں ہوں بلکہ ائمہ اور علماء اسلام نے اس عقد کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

فرمایا کہ میں نے اسی لئے آپ کو طلب کیا ہے اور اس وقت آپ ملزم کے کٹہرے میں ہیں۔ اگر آپ اپنے دعویٰ کو ثابت نہ کر سکے تو عنقریب جیل کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اور پھر اس سے باہر آنا نصیب نہ ہوگا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ میں ملزموں کے کٹہرے میں ہوں نہ اس لئے کہ میں نے کوئی فتویٰ دیا ہے بلکہ اسلئے کہ علماء سوء نے ان احکام کی خبر دی ہے کہ میں ملک کے اندر کوئی فتنہ نہیں اور میں صحابہ کو گالیاں دیتا ہوں اور اتباع آل محمدؐ کی دعوت

دیتا ہوں اور رئیس محکمہ نے یہ کہدیا تھا کہ اگر دو گواہ بھی مل گئے تو میں اس شخص کو جیل میں ڈال دوں گا۔

ادھر جماعت اخوان المسلمین نے موقع کو غنیمت سمجھا اور تمام خاص عام میں یہ خبر مشہور کر دی کہ میں بھائی بہن کے عقد کو جائز جانتا ہوں اور یہ شیعوں کا خاص مسلک ہے۔

یہ سب باتیں مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں اور اس وقت یقین بھی ہو گیا جب رئیس محکمہ نے جیل کی دھمکی دی اور میرے پاس کوئی چارہ کار نہ رہ گیا۔ سوائے اس کے کہ میں باقاعدہ مقابلہ کروں اور کھلا چیلنج کر کے پوری ہمت کے ساتھ اپنی طرف سے دفاع کروں۔ چنانچہ میں نے کہا کہ کیا مجھے صراحت کے ساتھ بلا خوف بولنے کی اجازت ہے۔

مجسٹریٹ نے کہا کہ بولئے یہاں آپ کا کوئی وکیل نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں نے کبھی مفتی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ یہ اس عورت کا شوہر موجود ہے اس سے پوری بات معلوم کر لیجئے کہ یہی میرے دروازے پر مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا تھا۔ اور اس نے مجھ سے سوال کیا تھا تو میرا فرض تھا کہ میں اپنے علم کے مطابق بیان کر دوں چنانچہ میں نے رضاعت کی مقدار کے بارے میں سوال کیا اور جب اس نے بتایا کہ اس کی زوجہ نے دو یا تین مرتبہ دودھ پیا ہے تو میں نے اسلام کا حکم بیان کر دیا۔ ورنہ میں مجتہد ہوں اور نہ صاحب شریعت۔

رئیس محکمہ نے گھبرا کر کہا۔ یعنی آپ کا خیال ہے کہ آپ اسلام جانتے ہیں اور ہم لوگ جاہل ہیں؟

میں نے کہا کہ استغفر اللہ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے لیکن یہاں تمام لوگ

صرف امام مالک کا مذہب جانتے ہیں اور وہیں رک جاتے ہیں۔ اور میں تمام اسلامی مذاہب سے باخبر ہوں اور میں نے ان ہی مذاہب میں سے اس مسئلہ کا حل تلاش کیا ہے۔

رئیس نے کہا کہ یہ حل کہاں ملا ہے؟ میں نے عرض کی کہ کیا میں کوئی سوال کرسکتا ہوں؟ رئیس نے کہا کیجئے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کا خیال دوسرے اسلامی مذاہب کے بارے میں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا سب صحیح ہیں اور سب رسول اکرمؐ سے ماخوذ ہیں اور ان کا اختلاف خود ایک رحمت ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر آپ اس غریب شوہر کے حال پر رحم کریں جو دو مہینہ سے اپنی زوجہ اور اپنی اولاد سے الگ ہے جب کہ اسلامی مذاہب میں اس مسئلے کا حل موجود ہے!

قاضی نے غصہ میں آکر کہا کہ ذرا اپنی دلیل تو بیان کیجئے۔ میں نے آپ کو اپنے دفاع کا اختیار دیا ہے تو آپ دوسرے کے وکیل بن گئے ہیں۔

میں نے اپنے بیگ سے السید الخوئی کی کتاب "منہاج الصالحین" نکالی اور اسے پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ مذہب اہلبیتؑ ہے اور اس میں دلیل موجود ہے۔ رئیس نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ مذہب اہلبیت کی بات نہ کرو ہم اسے نہیں پہچانتے ہیں اور نہ اس پر ہمارا ایمان ہے۔

مجھے اس جواب کا انتظار پہلے سے تھا اس لئے میں اپنے ساتھ سنت والجماعۃ کے مصادر بھی تلاش کرکے لے گیا تھا اور ترتیب میں سب سے اوپر صحیح بخاری رکھی اور اس کے بعد صحیح مسلم پھر کتاب فتاویٰ محمود شلتوت، کتاب بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ابن رشد، کتاب زاد المسیر فی علم التفسیر ابن جوزی اور دوسرے مصادر رکھ کر لے گیا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی رئیس محکمہ نے السید الخوئی کی کتاب "منہاج الصالحین" کو دیکھنے سے انکار کیا میں نے سوال کیا کہ آپ کا اعتبار کن کتابوں پر ہے۔ انہوں نے

فرمایا کہ بخاری اور مسلم سے۔! میں نے صحیح بخاری نکال کر اس کا صفحہ کھول کر رکھ دیا کہ اسے ملاحظہ فرمائیے!

رئیس نے کہا کہ آپ ہی پڑھیئے۔ میں نے پڑھنا شروع کیا کہ فلاں نے فلاں کے واسطے سے حضرت عائشہ ام المومنین سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی حیات میں رضاعت میں پانچ یا اس سے زیادہ ہی پر حرمت کا حکم دیا تھا اس سے کم پر نہیں۔

رئیس نے کتاب کو لیکر خود پڑھی اور اس کے بعد وکیل سرکار کو دیدیا۔ انہوں نے دوسرے کو دیا اور میں نے اس درمیان صحیح مسلم کو کھول لیا اور بعینہ وہی حدیث نکال کر دکھا دی۔ پھر شیخ الازہر محمود شلتوت کی کتاب الفتاوی نکالی جس میں رضاعت کے بارے میں ائمہ کے اختلافات کا ذکر تھا۔ کہ بعض حضرات ۱۵ مرتبہ دودھ پلانے کے قائل ہیں اور بعض سات مرتبہ میں اور بعض پانچ یا اس سے زیادہ کو موجب حرمت قرار دیتے ہیں۔ صرف امام مالک نے نص کی مخالفت کرتے ہوئے ایک قطرہ پر بھی حرمت کا حکم دیدیا ہے اسکے بعد شیخ شلتوت کا فیصلہ ہے کہ میں درمیانی قول کا قائل ہوں کہ سات مرتبہ یا اس سے زیادہ ہی موجب حرمت ہوتا ہے۔

رئیس محکمہ نے ان تحریروں کو دیکھنے کے بعد کہا کہ بس یہی مقدار کافی ہے اور اس عورت کے شوہر کی طرف رخ کرکے کہا کہ جاؤ اپنی زوجہ کے والد کو لے آؤ کہ وہ آکر گواہی دے کہ تمہاری زوجہ نے صرف دو یا تین مرتبہ دودھ پیا ہے تاکہ میں تمہاری زوجہ کو آج ہی تمہارے حوالے کر دوں۔

وہ مسکین خوشی کے مارے دوڑ پڑا اور وکیل سرکار نے تمام حاضرین سے معذرت کرتے ہوئے سب کو رخصت کر دیا۔ میدان خالی ہو گیا تو رئیس محکمہ نے معذرت کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ استاد! آپ مجھے معاف کر دیجیے گا۔ لوگوں نے مجھے بہت دھوکہ

دیا ہے اور آپ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بیان کی ہیں لیکن مجھ پر واضح ہو گیا کہ یہ سب حاسد اور بے ایمان ہیں جو آپ کو نقصان پہونچانا چاہتے تھے۔

میرے ہوش و حواس اڑ گئے کہ اتنی جلدی اتنا بڑا انقلاب کس طرح آ گیا اور صمیم قلب سے آواز دی کہ خدا کا شکر ہے کہ حضور کے ہاتھوں مجھے فتح نصیب ہوئی ہے۔

رئیس نے کہا کہ سنا ہے کہ آپ کے پاس بہت بڑا کتبخانہ ہے کیا اسمیں دمیری کی کتاب حیٰوۃ الحیوان بھی ہے ؟

میں نے کہا کہ بیشک ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ مجھے عاریتاً دے سکتے ہیں، میں نے کہا کہ جس وقت چاہیں حاضر کر دوں۔!

انہوں نے کہا کہ آپ کے پاس کوئی ایسا وقت ہے کہ میرے مکتبہ میں تشریف لے آئیں اور میں آپ سے استفادہ کروں ؟

میں نے کہا کہ آپ بزرگ ہیں استفادہ میں کروں گا اور میرے پاس ہفتہ میں چار دن خالی ہیں۔ جس دن فرمائیں میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ چنانچہ ہم لوگوں نے روز شنبہ پر اتفاق کیا اس دن سرکاری اجلاس نہیں ہوتا تھا اور میں نے رئیس کے مطالبہ پر بخاری، مسلم اور فتاوئ شلتوت کو وہیں چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی عبارتوں کو نقل کر کے لوگوں کو دکھلا سکیں۔

میں نے انتہائی خوشی کے عالم میں شکر پروردگار ادا کیا اور عدالت سے باہر نکل آیا کہ جب میں آیا تھا تو قید کی دھمکی دی گئی تھی اور جب باہر جا رہا ہوں تو رئیس محکمہ میرا دوست بن چکا ہے اور مجھ سے استفادہ کرنا چاہتا ہے اور یہ سب اسی طریقۂ اہلبیتؑ کا صدقہ ہے جس سے تمسک کرنے والا مایوس نہیں ہوتا ہے اور جس کی پناہ میں آنے والا ہمیشہ مطمئن اور مامون رہتا ہے۔

اس واقعہ کو اس عورت کے شوہر نے اپنے قریہ میں بیان کیا اور پھر سارے علاقہ میں یہ خبر پھیل گئی اور عورت اپنے شوہر کے گھر واپس چلی گئی۔ اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تیجانی تمام لوگوں سے زیادہ عالم ہے اور حد یہ ہے خود مفتی الجمہوریہ بھی اس کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

اس کے بعد ایک دن اس عورت کا شوہر ایک بڑی گاڑی لیکر میرے گھر آیا اور اس نے سارے گھر کو مدعو کیا کہ میرے گھر والے آپ لوگوں کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں اور وہ لوگ اس مسرت کے موقع پر تین جانور ذبح کریں گے لیکن میں نے اپنی مصروفیات کی بنا پر معذرت کر لی کہ پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔

اور رئیس محکمہ نے بھی اس واقعہ کو اپنے احباب سے بیان کیا اور قصہ سارے علاقہ میں مشہور ہو گیا اور رب کریم نے ظالموں کے مکر کو دفع کر دیا اور بعض نے مجھ سے معذرت کی اور بعض کی بصیرت کشادہ ہو گئی اور وہ راہ حق پر آگئے اور ان کا شمار مخلصین آل محمدؐ میں ہو گیا۔

اور درحقیقت یہ خدا کا فضل وکرم ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے کہ وہ صاحب فضل عظیم ہے اور ہمارا آخری کلمہ یہ ہے کہ ساری حمد خدائے رب العالمین کے لئے ہے اور صلوات وسلام حضرت محمد مصطفےٰ اور ان کی آل طاہرینؑ کے لئے ہے۔ ا

مصادر

کتب تفسیر

۱ــــ قرآن کریم

۲ــــ تفسیر طبری

۳ــــ در منثور سیوطی

۴ــــ المیزان طباطبائی

۵ــــ تفسیر کبیر فخر رازی

۶ــــ تفسیر ابن کثیر

۷ــــ زاد المسیر ابن الجوزی

۸ــــ تفسیر قرطبی

۹ــــ الحاوی للفتاوی للسیوطی

۱۰ــــ شواہد التنزیل حسکانی

۱۱ــــ اتقان فی علوم القرآن

کتب حدیث

۱ــــ صحیح بخاری

۲ــــ صحیح مسلم

۳ــــ صحیح ترمذی

۴ــــ صحیح ابن ماجہ

۵ مستدرک الحاکم

۶ مسند الامام احمد بن حنبل

۷ سنن ابو داؤد

۸ کنز العمال

۹ موطا امام مالک

۱۰ جامع الاصول ابن اثیر

۱۱ الجامع الصغیر والکبیر للسیوطی

۱۲ منہاج السنۃ ابن تیمیہ

۱۳ مجمع الزوائد ہیثمی

۱۴ کنوز الحقائق مناوی

۱۵ فتح الباری فی شرح البخاری

کتب تاریخ

۱ — تاریخ الامم والملوک للطبری

۲ — تاریخ الخلفا سیوطی

۳ — تاریخ الکامل ابن اثیر

۴ — تاریخ دمشق ابن عساکر

۵ — تاریخ مسعودی (مروج الذہب)

۶ — تاریخ یعقوبی

۷ — تاریخ الخلفا و ابن قتیبہ (الامامۃ والسیاسۃ)

۸ تاریخ ابو الفداء

۹ ـ تاریخ ابن الشحنہ

۱۰ ـ تاریخ بغداد

۱۱ ـ العقد الفرید

۱۲ ـ الطبقات الکبریٰ ابن سعد

۱۳ ـ مغازی الواقدی

۱۴ ـ شرح نہج البلاغہ

کتب سیرت

۱۔ سیرت ابن ہشام
۲۔ السیرۃ الحلبیہ
۳۔ الاستیعاب
۴۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ
۵۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ
۶۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم
۷۔ الغدیر شیخ امینی
۸۔ الطرائف ابن طاؤس
۹۔ الفتنۃ الکبریٰ طٰہٰ حسین
۱۰۔ حیاۃ محمدؐ محمد حسین ہیکل
۱۱۔ الریاض النضرۃ للطبری
۱۲۔ الخلافۃ والملک مودودی

کتب متفرقہ

۱۔ اسعاف الراغبین
۲۔ تہذیب التہذیب
۳۔ تذکرۃ الخواص
۴۔ البدایۃ والنہایۃ
۵۔ سر العالمین غزالی
۶۔ الصواعق المحرقہ
۷۔ مناقب خوارزمی
۸۔ ینابیع المودۃ قندوزی
۹۔ النص والاجتہاد شرف الدین الموسوی
۱۰۔ المراجعات
۱۱۔ السقیفہ محمد رضا المظفر
۱۲۔ فدک السید محمد باقر الصدر
۱۳۔ الصدیق ابوبکر حسنین ہیکل
۱۴۔ مناقشات عقائدیہ مع ابراہیم الجبہان
۱۵۔ لسان العرب ابن منظور
۱۶۔ شرح نہج البلاغہ محمد عبدہ
۱۷۔ ابوہریرہ شرف الدین الموسوی
۱۸۔ السقیفہ والخلافہ عبدالفتاح عبدالمقصود
۱۹۔ شیخ المغیرہ محمود ابوریہ

علامہ سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی

کے

بیش بہا علمی کارنامے

قرآن مجید (ترجمہ و تفسیر)

مطالعہ قرآن

نہج البلاغہ (ترجمہ، تشریح، تفسیر و تقدیم)

اصول و فروع

نقوش عصمت (حیات چہاردہ معصومین)

ذکر و فکر

قمر بنی ہاشم

ابوطالب مومن قریش

نص و اجتہاد

فدک تاریخ کی روشنی میں

مجھے راستہ مل گیا

کربلا

اسلامی بینک

پردہ

خاندان و انسان

عقیدہ و جہاد

اسلام دین عقیدہ و عمل

محافل و مجالس (دو جلدیں)

بضعۃ الرسول

عرفان رسالت

کربلا شناسی

رسالت الٰہیہ

کلام کلیم

سلام کلیم

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

فون 2431577